اسلامی علوم میں

ندوۃ المصنفین

کی خدمات

ایک مطالعہ

ڈاکٹر عبدالوارث خاں

اسلامی علوم میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

ایک مطالعہ

مؤلف
ڈاکٹر عبدالوارث خاں

تقسیم کار
اسلامک بک فاؤنڈیشن
۱۷۸۱ حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

نام کتاب : اسلامی علوم میں ندوۃ المصنفین کی خدمات ۔ ایک مطالعہ

نام مصنف : ڈاکٹر عبدالوارث خاں

باراول : ۱۹۹۹ء

تعداد : ۵۰۰

مطبع : ڈائمنڈ پرنٹرز دہلی

قیمت : ۱۵۰ روپے

ناشر : ڈاکٹر عبدالوارث خاں

جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

تقسیم کار :

اسلامک بک فاؤنڈیشن

۱۷۸۱ حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

Islamic Book Foundation

AN INSTITUTE OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS

1781, Hauz Suiwalan, New Delhi-110002

ترتیب

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی، حکومت اترپردیش کے مالی تعاون سے شائع ہوئی

انتساب

استاذ محترم

جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب

کے نام

جن کی شفقت اور سرپرستی نے

مجھ ہیچمداں کو اس قابل کیا

کہ اب اس کی پہلی تخلیق منظر عام پر آرہی ہے

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب ڈاکٹر عبد الوارث خاں صاحب کا تحقیقی مقالہ ہے جو ندوۃ المصنفین کی علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں لکھا گیا ہے اور اس مقالہ پر عبد الوارث صاحب کو شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی ہے، خدمات، ایثار اور قربانیوں کو فراموش کرنے والے اس دور میں اگر ہمارے نوجوان ہمارے علمی وادبی اور تحقیقی اداروں کی خدمات کا جائزہ لیں اور انہیں اپنی تحقیقات کا موضوع بنائیں تو یہ علامتیں بڑی خوشگوار ہیں کیونکہ گزشتہ دو تین دہائیوں میں ہمارا ایک نیا رجحان یہ بھی رہا ہے کہ اپنے اسلاف کو احتساب کا نشانہ بنایا جائے اور ان کے کارناموں کی قدر و منزلت کو گھٹا کر پیش کیا جائے زندہ قومیں اپنا ماضی یاد رکھتی ہیں کیونکہ ماضی کا ورثہ مستحکم اور روشن مستقبل کا ضامن ہوتا ہے وگرنہ دوسری صورت میں قوموں کی تاریخ فراموش کردی جاتی ہے اور سیلاب روز و شب میں وہ نسیاً منسیاً ہو جاتی ہیں کہ یہی قانون قدرت ہے،

ندوۃ المصنفین کے اکابرین نے جن بزرگوں سے فیضان حاصل کیا تھا وہ تاریخ ساز لوگ تھے جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کے لئے اپنی تمام توانائیاں استعمال کی تھیں اور انہیں کے فیضان نظر کا نتیجہ تھا کہ بر صغیر کے لاتعداد مدارس اور ادارے اسلام، اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب کی تربیت گاہیں بن گئے اور اسلام پر جب بھی کوئی برا وقت آیا خواہ اس کا سبب خارجی محرکات ہوں یا

داخلی، انہیں اداروں کے فارغین اور طلباء سینہ سپر ہوئے ہیں۔

انقلاب روس کے بعد دہریت کا سیل رواں مشرق میں بالعموم اور مسلم ممالک میں بالخصوص، کہیں عقائد کو پرکاہ کی طرح بہالے گیا، ایمان وایقان کی مضبوط فصیلوں کو متزلزل کر گیا، امت مسلمہ کے ایک حساس طبقے نے اس کے تدارک کے لئے جو طریقے اختیار کئے ان میں ایسے ہی علمی اداروں کا قیام بھی تھا، اس کتاب کے مؤلف نے ان اسباب کا اچھا اور مختصر جائزہ اپنے اولین صفحات میں لیا ہے۔

ڈاکٹر عبد الوارث صاحب کی جد و جہد قابل تعریف ہے کہ انھوں نے ندوۃ المصنّفین کی تمام مطبوعات کا اول تا آخر بالاستیعاب مطالعہ کیا اور ہر ہر کتاب پر اپنی رائے اور اپنے تبصرے سے کتاب کی افادیت اور اس کی علمی قیمت کو واضح کیا ہے۔ اگر کہیں ضرورت محسوس کی تو بزرگوں کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے اپنا اختلاف بھی ظاہر کر دیا ہے۔

ڈاکٹر وارث صاحب کا یہ تحقیقی کام صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب کی زیر نگرانی ہوا ہے جو اس بات کی ضمانت ہے کہ موضوع سے متعلق کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہے گا۔ عصری تقاضوں سے متعلق موضوعات پر ان کی گہری نگاہ ہے اور ادھر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے کئی تحقیقی مقالے اسلام کی جغرافیائی وسعت و جہت کے حامل ہیں جو صدر شعبہ کی اس مخلصانہ کوشش کے آئینہ دار ہیں کہ عالم اسلام کی عصری تحریکات اور ایشیائی ممالک میں اس کے نفوذ واثرات کو مرتب اور محفوظ کر لیا جائے۔

امید ہے علوم اسلامیہ اور ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ و

اثرات سے دلچسپی لینے والے حضرات اس کتاب کو ضرور پڑھیں گے ہم اس وقت جس تہذیبی خسارے کا شکار ہوتے جارہے ہیں اور ہمارے علمی و تہذیبی ادارے کہنگی اور بوسیدگی کا شکار ہو کر جس طرح بے عمل اور تخلیق سے کورے ہوتے جارہے ہیں، اس کے سدّباب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان اداروں کی تاریخ اور ان کی خدمات کو محفوظ رکھ کر اور انہیں معیار بنا کر اپنا لائحہ عمل مرتب کیا جائے، یہ لائحہ عمل ہماری نشاۃ ثانیہ کے لئے بہت ضروری ہے۔

ڈاکٹر شیث اسماعیل اعظمی
شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

دیباچہ

مسلم دورِ حکومت اور اسلامی تہذیب و تمدن کے رو بہ زوال ہونے کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ دنیا اپنے روحانی اور اخلاقی محور سے ہٹ گئی اور ایسے نظریات و تصورات پیدا اور مقبول ہونے لگے جن سے انسان کی عظمت اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت اور مذہب کی گرفت پر براہ راست زد پڑی۔ ان نظریات و تصورات میں ڈارون کا نظریۂ ارتقاء، فرائڈ کا نظریہ جنس اور کارل مارکس کا نظریہ جدلیاتی مادیت، نظریۂ قومیت اور تعقل پرستی کی تحریک شامل ہے۔ بہ الفاظ دیگر اسلامی تہذیب کہ زوال سے جو خلاء پیدا ہو گیا تھا اسے مغرب کی مادّی تہذیب نے پُر کیا اور ایک طرف خدا سے انسان کو اور دوسری طرف انسان کو انسان سے دور کر کے وہ صورتحال پیدا کر دی جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "ظهر الفساد فی البر و البحر" (تمام روئے زمین پر فساد پھیل گیا)

اس کے اثرات نو آبادکاری اور استعماریت کی شکل میں ظاہر ہوئے جنہوں نے اقوام مغرب کے نہایت کارگر حربے کی شکل اختیار کرلی یہ حربے سیاسی سطح پر ایشیاء و افریقہ کے ملکوں پر تسلط اور ان کے اقتصادی استحصال کے لئے استعمال کئے گئے۔ لیکن تمدنی اور سماجی سطح پر اس نے مغربی تہذیب کا چولا پہنا اور یہ تہذیب اسلامی تہذیب کے مد مقابل اور حریف بن کر ابھری جس نے اسلامی تہذیب کے ہر محاذ اور ہر قلعہ کو اپنی زد میں لے لیا۔ خواہ وہ محاذ فکر و نظر کا ہو یا

عقیدہ وایمان کا ہو عقلیت پسندی اور بے قید آزادی کے رجحان نے وہ طوفان اٹھائے کہ اس کے سامنے ہماری روایات، اخلاقی قدروں اور شائستگی کے آداب و اطوار کا ٹھہرنا مشکل ہو گیا قدیم و جدید کی کشمکش شروع ہو گئی اور نئی نسلیں اپنے اسلاف، ان کی روایات، ان کی اقدار سے بیزار ہونے لگیں ویسے عموماً ہر انقلاب اصلاح کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے لیکن اس نئے فکری اور ذہنی انقلاب نے ہمارے زوال کی رفتار کو اور تیز کر دیا۔ ہم میں وہ لوگ جو تن آسان سہل پسند اور ایک حد تک کج فہم تھے انھوں نے ماضی سے لاتعلقی پر زور دینا شروع کیا، آزاد خیالی اور وسیع القلبی کے نام پر دین کے مسلمات رد کیے جانے لگے اور یہ لوگ مغرب کی ذہنی غلامی کے نتیجے میں اپنی ہی بیخ کنی پر آمادہ ہو گئے لیکن حسب توقع اس کا شدید ردّ عمل شروع ہوا اور ہر جگہ دفاع کے لئے مسلمانوں کا وہی طبقہ میدان میں آیا جس کو آج کٹھ ملاّ، قدامت پرست، اصولی اور بنیاد پرست کہا جاتا ہے۔

نئی تہذیب اور نئی تعلیم کی آمد کے ساتھ ہندوستان میں جو فکری اور نظریاتی یلغار ہوئی۔ اس کا مقابلہ حضرت شاہ ولی اللہ کے مدرسۂ فکر دار العلوم دیو بند نامی ''رباط'' اور ''رسد گاہ'' کے فرزندوں نے کیا اور اپنے مرکز کا نام ''ندوۃ المصنفین'' رکھا، ندوۃ المصنفین کیا ؟ اس کے اغراض و مقاصد کیا تھے ؟ اس ادارہ نے کیا خدمات انجام دیں ؟ ذہنوں کی آبیاری کس طرح کی گئی ؟اس کی تاسیس کے وقت جو اغراض و مقاصد طے کئے گئے تھے اس کا جولائحہ عمل ترتیب دیا گیا تھا اس کو ہم ادارہ کی زبان میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں۔

اغراض و مقاصد ندوۃ المصنّفین

۱۔ وقت کی جدید ضرورتوں کے مطابق قرآن اور سنت کی تشریح و تفسیر کرنا

۲۔ وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین اس طرح کرنا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی قانونی تشریح کا مکمل نقشہ سامنے آجائے۔

۳۔ متعصب اور تنگ نظر ارباب قلم "ریسرچ ورک" کا نام لے کر اسلامی روایات، اسلامی تاریخ، اسلامی تہذیب و تمدن، یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس پر جو ناروا حملے کرتے رہتے ہیں ان کی تردید نرم، سنجیدہ اور ٹھوس علمی طریقے پر کرنا۔

۴۔ مغربی حکومتوں کے غلبۂ اثر اور علوم مادیہ کی بے پناہ اشاعت کے اثر سے یا مذہب اور مذہب کی حقیقی تعلیمات سے جو بُعد ہوتا جارہا ہے، صالح لٹریچر کے ذریعہ اس کے مقابلہ کی سنجیدہ اور مؤثر تدبیریں اختیار کرنا۔

۵۔ قدیم و جدید تاریخ، سیر و تراجم، اسلامی تاریخ اور دیگر اسلامی علوم و فنون کی خدمت ایک جچے تلے معیار کے مطابق انجام دینا۔

۶۔ اسلامی عقائد و مسائل کو اس رنگ میں پیش کرنا کہ عامۃ الناس ان کے مقصد و منشاء سے آگاہ ہوجائیں اور ان کو معلوم ہوجائے کہ ان حقائق پر زنگ کی جو تہیں چڑھ گئی ہیں، انھوں نے اسلامی روح کو کس طرح دبادیا ہے۔

۷۔ عام مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کو جدید قالب میں پیش کرنا۔ خصوصیت سے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ کر بچیوں اور بچوں کی دماغی تربیت کرنا۔

۸۔ ایسا لٹریچر تیار کرنا جس سے ملک میں بسنے والے مختلف فرقوں میں یکجہتی اور رواداری کا حقیقی جذبہ پیدا ہو، اس مقصد کے لیے ایک صحت مند سوسائٹی کا قیام بھی ادارے کے مقاصد میں داخل ہے۔

۹۔ علماء اور فارغ التحصیل طلبا کے لئے ایسے شعبۂ تحریر و تقریر کا قیام جس کا نصاب موجودہ ضروریات کے مطابق ہو۔

۱۰۔ ملک کے ان تصنیفی، تالیفی اور تعلیمی اداروں سے خاص طور پر اشتراک عمل کرنا جو وقت کے جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر ملت کی مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اور

ایسے اداروں، جماعت اور افراد کی قابل قدر تالیفات کی اشاعت میں مدد کرنا بھی ندوۃ المصنفین کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔

ادارہ اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوا؟ یہاں سے کس نوعیت اور کن موضوعات پر کتابیں شائع ہوئیں؟ ادارہ نے ملک و ملت اور علوم اسلامیہ کی کیا خدمات انجام دیں؟ پیش نظر کتاب میں انہیں تفصیلات کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ادارہ کی اجمالی تاریخ دی ہے اور کوشش کی ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد اور تکمیل کے طریقوں کا بھی احاطہ کرلیں۔ یہاں ہم نے کسی مسلم ادارہ یا مسلم اشاعتی ادارہ سے ندوۃ المصنفین کا موازنہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی ہمارا یہ مقصد تھا کیونکہ اس قسم کے تمام اداروں کا مقصد تو ایک ہی تھا ہاں طریقہ ہائے عمل اپنے زمانے اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے ضرور مختلف تھے۔ ندوۃ المصنفین کی

تمام کتابوں میں بازیافت، خود شناسی اور احیائے نو کے جذبات ضرور کار فرما تھے اس کی تمام مطبوعات، خلوص محبت، اخوت و یگانگی اور صلح کُل کی خصوصیات کی حامل ہیں ان میں سے کسی کتاب نے نفرت، دشمنی۔ دوسروں کی تحقیر یا اپنی تہذیبی برتری کے بے جا احساس کی ہمت افزائی نہیں کی ہے۔

ہماری پوری کوشش رہی ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے کی تصانیف کو اسی وقت کے معیار و اصول پر پرکھا جائے تحقیق و تنقید کے موجودہ اور پیچیدہ اصولوں پر نہیں، چنانچہ ہم نے وہی دیکھنے کی کوشش کی ہے جو مصنف نے لکھا ہے اپنی خواہش کے مطابق لکھوائے جانے کی توقع نہیں کی گئی ہے اور نہ مصنفین کی رائے سے غلط نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ یہ مصنف کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ اس بات کی عمداً کوشش نہیں کی گئی ہے کہ کسی مصنف کی بے وجہ قصیدہ خوانی کی جائے یا وہ جس مقام کا مستحق ہے اس سے اس کو محروم کر دیا جائے اور نہ ہی ذاتی پسند و ناپسند کو حاوی ہونے دیا گیا ہے۔

کتابوں کے علاوہ برہان کے پرانے شماروں سے تمام موضوعات سے متعلق ایک اشاریہ بھی دیا گیا ہے یہ کام اس سے پہلے عابد رضا بیدار صاحب نے ۱۹۶۵ء تک کیا تھا جس میں صرف مضامین کے نمبر شمار دیے گئے تھے لیکن ہم نے ان کو عنوان مضمون اور نام مصنف معہ سنہ اشاعت تاحال مکمل کیا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ برہان میں شائع ہونے والے تمام مضامین کو شامل کر لیا گیا ہے۔ اب بھی اس خزانے میں بہت کچھ باقی رہ گیا ہے لیکن ہمارا موضوع چونکہ ''علوم اسلامیہ'' سے متعلق تھا اس لیے انہیں موضوعات پر مضامین کے نام درج کیے گئے ہیں جو علوم

اسلامیہ یا اسلامی شخصیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مضامین پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا ہے۔ صرف ان کے عنوانات، لکھنے والوں کے نام اور ماہ و سال کے تذکرہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اس موضوع پر میرے تحقیقی مقالہ کی بدلی ہوئی شکل ہے مقالہ اور اس کتاب کی تکمیل استاذ گرامی پروفیسر اختر الواسع صاحب صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی رہنمائی اور ہر ہر قدم پر ان کے علمی مشورہ اور تعاون کے بغیر ناممکن تھی جس کے لئے میں ان کا بے حد مشکور ہوں۔ ساتھ ہی ڈاکٹر شیث اسماعیل اعظمی صاحب نے بھی اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنے علمی مشوروں سے نوازا، جناب اسحاق صاحب لکچرار اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے مقالہ کی تیاری میں آغاز سے اختتام تک مدد کی جن کا بہت ممنون ہوں۔

میری رفیقۂ حیات شاذیہ افروز نے گھریلو مصروفیات سے مجھے آزاد کر کے اس مقالہ کی تکمیل میں جس طرح معاونت کی اس کے لیے شکریہ کا لفظ چھوٹا لگتا ہے۔ میں جناب فراست صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ ان کی خصوصی توجہ سے یہ مقالہ کتابی شکل میں قارئین تک پہنچا ہے۔ آخر میں مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہے کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں اپنے والد محترم حافظ عبد الباعث خاں اور والدہ محترمہ مفیدہ بیگم کی بے پایاں مشفقانہ توجہ اور دعاؤں کی وجہ سے ہوں اور خدا سے میری دعا ہے کہ وہ مجھے ان کی خدمت کی سچی توفیق دے جس طرح پورے اخلاص سے میری پرورش اور تعلیم و تربیت کی اور تادیر ان کا سایہ ہمارے سروں پر صحت و عافیت کے ساتھ قائم رکھے۔

عبد الوارث خاں

ندوۃ المصنّفین کی مختصر تاریخ

''ندوۃ المصنّفین'' کا قیام، کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ یہ تو کئی صدیوں پر محیط مسلمان علماء اور مصلحین کے خوابوں کی عملی تعبیر تھی۔ یہ خواب برصغیر سے بھی بہت دور امت مسلمہ کے بہت سے بہی خواہوں نے دیکھا تھا کیونکہ صدیوں تک ترقی کے کارواں کی رہنمائی کرنے کے بعد اب مسلمان ہر جگہ جمود اور تقلید کا شکار ہو گئے تھے۔ زندگی اور علم و ادب کی ہر شاخ میں مایۂ ناز شخصیات پیدا کر دینے کے بعد اب لگتا تھا کہ مسلم معاشرہ اور عالم اسلام اپنی تخلیقی اور تجدیدی قوت کھو چکا ہے اور ہر محاذ پر پیچھے ہٹ کر دوسری اقوام و مذاہب کو آگے آنے کا راستہ دے رہا ہے۔ اس کے فکری اور تخلیقی سوتے خشک ہو چکے ہیں، اس کی سیاسی صلاحیتیں بے اثر ہو رہی ہیں، اس کے حلقۂ اقتدار میں رہنے والے ممالک آہستہ آہستہ نکل رہے ہیں۔ خود اس کے مذہب کے نام لیوا، اپنے مفتوحہ ممالک سے نکالے جا رہے ہیں، ان کی تہذیب کے نام و نشان مٹائے جا رہے ہیں۔ اب وہ مسلکی اور گروہی اختلافات میں الجھ کر اپنی توانائیاں ضائع کر رہے ہیں، نئی کتابیں تصنیف کرنے کے بجائے اب وہ حاشیے اور شرحیں لکھ رہے ہیں۔ ان کی تعبیرات مبہم، زبان بوجھل، کتابیں چیستاں اور مفاہیم معمّے اور پہیلیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ وہ کسی نئے خیال کی تخلیق سے قاصر، نئے نظریات کو سمجھنے سے معذور اور ان کو قبول کرنے سے منکر ہو رہے ہیں۔ وہ مستقبل کو محسوس نہیں کر سکتے، حال پر مطمئن اور قانع

اور توکل کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ خود انہیں کے متروکہ علم کو اپنا کر، سمجھ کر مغرب ترقی کر رہا ہے، صنعتی انقلاب کی آمد آمد ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسا سیلاب بھی آگیا ہے جو ان کے عقائد اور ان کے ایمان کو بہالے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پورا عالم اسلام صرف وقت اور مکان کے فرق کے ساتھ انہیں حالات کا شکار تھا۔ مسلمان علماء اور دانشوروں میں جو ان روشن ضمیر اور روشن دماغ تھے انھوں نے اس زوال، پسماندگی اور ادبار کو پورے عالم اسلام میں محسوس کیا، محسوس کرنے والوں اور ان کا تدارک کرنے والوں کے نام مختلف زمانے اور مختلف ممالک میں مختلف رہے کبھی امام غزالی کی شکل میں، کبھی مجدد الف ثانی کی شکل میں، کبھی عثمان دان فودیو کے نام سے، کبھی شاہ ولی اللہ کے نام سے اور کبھی محمد بن عبدالوہاب کے نام سے۔ ان تمام کے نزدیک علاج بس ایک تھا۔ وہی اصلاح عقیدہ اور غلط رسوم ورواج سے دست کشی۔

ہندوستان میں ۱۹ ویں صدی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی، سلطنت مغلیہ کے زوال نے ذہنوں کو جھنجھوڑ دیا اور وہ کچھ ہو گیا جس کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اب دین وایمان کے ساتھ، زبان، تہذیب اور روایات سبھی کو خطرہ لاحق ہو گیا اور ان حالات میں جب کوئی مفتوح معاشرہ یا قوم گرفتار ہوتی ہے تو اس کے سامنے صرف چند ہی راستے ہوتے ہیں۔ یا تو فاتح کے عقائد، نظریات اور اس کی تہذیب کے سامنے ہتھیار ڈال دیے جائیں جو نا ممکن تھا۔ یا ان کے قابل قبول نظریات اور انداز فکر کو اپنا کر ان کی ہمنوائی کی جائے تاکہ اپنا تہذیبی اور دینی اثاثہ برقرار رہ سکے یا پھر ان حالات میں اپنے ماضی سے مسائل کے حل تلاش کیے

جائیں اور اصل کی طرف لوٹا جائے، ہندوستان میں سلسلہ شاہ ولی اللہی نے آخری راستہ اختیار کیا۔ حضرت شاہ صاحب کے خاندان نے ہندوستان میں مسلم اشرافیہ اور مسلمانوں کے حساس طبقہ کو جو ذہنی اور روحانی غذا مہیا کی، اس نے قوم کے تن مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا دی، قوم وملت کی مدافعتی قوت عود کر آئی۔ اسی سلسلہ کے بوریہ نشین علماء کے فیض سے دار العلوم دیوبند کی بنیاد پڑی اور پھر چراغ سے چراغ جلتے گئے، راہیں روشن ہوتی گئیں۔ لیکن غیر ملکی حاکم نے کئی محاذ کھول رکھے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مذہب مشرق کو مدافعتی طاقت بخشتا ہے۔ خدا اور رسول پر ایمان ان کے ارادوں اور حوصلوں کو استحکام بخشتا ہے اس لیے اس پر زد لگانی ضروری ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو تحقیق کے نام پر مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کیا جانے لگا اور دوسری طرف ہر کوچہ و بازار میں خچر سوار پادری بھیج دیے گئے جو ان کے مذہب کا مذاق اڑاتے، ان کے رسول پاکؐ پر اعتراضات کرتے، ان کی مقدس کتاب کو تحریف شدہ بتاتے، یہاں بھی دو محاذوں پر مدافعت کرنی تھی۔ ایک تو غیر ملکیوں کا صاحب اقتدار محاذ تھا اور دوسرا جو مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ان کو شدھی کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا، شکر ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو ناگفتہ بہ اور نامساعد حالات میں اپنے پیروکاروں کو نئی توانائی مہیا کر دیتا ہے اور خطرات کے وقت ان کی تمام خفتہ اور خفیہ طاقتوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان دونوں محاذوں پر علماء دیوبند کی سربراہی میں ہر ہر قدم پر بے پناہ قوت مدافعت کا ثبوت دیا اور ساتھ ہی سیاسی طور پر بھی غیر ملکیوں سے گلو خلاصی چاہی اور اس سلسلہ میں جو تحریک شروع کی گئی اس میں اصل وطن کے شانہ بشانہ سامراج کے

جبر واستبداد کا مقابلہ کیا.............

علمی محاذ پر ان خطرات وتحدیات کے مقابلہ کے لیے انفرادی کوششوں کے بجائے، ملک وملت کے چند نوجوان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایک ایسے علمی اور اشاعتی ادارہ کی تشکیل کی جائے جو ایک طرف قوم کو ان کے اکابرین کے کارناموں سے روشناس کرائے اور اس کے ماضی اور اس کے اسلاف کے متعلق جو بدگمانیاں پھیلائی گئی ہیں ان کا دفاع قلمی جہاد کے ذریعہ کیا جائے، نیز آئے دن وجود پذیر ہونے والے موضوعات سے انہیں باخبر رکھا جائے اور ان موضوعات کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کیا جائے۔ اس ادارہ کو ''ندوۃ المصنّفین'' کا نام دیا گیا۔

ندوۃ المصنّفین

ندوۃ المصنّفین کے قیام کا فیصلہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے دیوبند کے اپنے ہی جیسے ایک اور نامور فرزند اور مجاہد آزادی مولانا حفظ الرحمٰن کے ساتھ مل کر کلکتہ میں کیا۔ ''کلکتہ کے بعض مخیّر اصحاب نے ان کی مالی مدد کی۔ پھر دہلی آکر اپنے ساتھیوں مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے ساتھ اس خاکہ میں رنگ بھرا۔ طبیعت میں ہمیشہ نظم وترتیب اور سلیقہ و نفاست تھی۔ قرولباغ میں عید گاہ سے متصل ایک چھوٹی مگر خوبصورت کوٹھی کرایہ پر لی۔ اسے قیمتی فرش وفروش سے آراستہ کیا۔ اندر کے دالان میں تین چار نشستیں فرش پر قائم کی گئی تھیں جن پر رفقائے دار العلوم جلوہ افروز ہوتے، حضرت مولانا حفظ

الرحمٰن سیوہاروی، رفیق اعلیٰ کی نشست درمیان میں تھی۔ ادھر ادھر مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مدیر برہان۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا عبدالرشید نعمانی اور اس خاکسار کی نشست تھی"۔(۱) مفتی صاحب کے حسن انتظام و تدبر اور مولانا سیوہاروی کی علمی و سیاسی شہرت کی وجہ سے ندوۃ المصنفین بہت جلد ہندوستان میں مشہور ہو گیا۔ ابناء دار العلوم نے دار العلوم کے ایک ضمنی ادارہ کی حیثیت سے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اگرچہ دار العلوم شیخ الاسلام مولانا حسین مدنی جیسے محدث جلیل اور شہرۂ آفاق ماہر سیاست کی رہنمائی میں ہندوستان کے علمی و دینی اداروں کا سر تاج تسلیم کیا جاتا تھا، اور کوئی شک نہیں ہندوستان کے مدرسوں میں ہر جگہ اس کے فیضیاب، درس و افتاء کی خدمات انجام دے رہے تھے اور جمیعۃ العلماء کے زیر علم آزادی ہند کی تحریک میں پیش پیش تھے اور اگرچہ ذاتی طور پر بھی تصنیف و تالیف کی تعداد دوسرے علمی اداروں کی مجموعی تعداد سے افزوں تھی۔ مگر کوئی تصنیفی مرکز ایسا نہ تھا جہاں اجتماعی طور پر تصنیفی کام کیا جا سکے۔ فرزندان دار العلوم ندوۃ المصنفین کا اسی حیثیت سے خیر مقدم کیا اور بہت جلد علمی دینی و تاریخی بلند پایہ کتابیں اس مرکز سے شائع ہو کر ملک میں پھیل گئیں۔(۲) مولانا سجاد صاحب کا یہ بیان مکمل نہیں، اس کی تکمیل مولانا ظفیر الدین مفتاحی نے اس طرح کی "چنانچہ مفتی صاحب نے اپنے چند احباب کے ساتھ مل کر غالباً ۱۹۳۷ء میں ایک تصنیفی ادارہ کی بنام ہذا داغ بیل ڈالی جس کا نام ندوۃ المصنفین دہلی ہوا، پھر اس تصنیفی ادارہ سے ایک معیاری و علمی ماہنامہ "برہان" کے نام سے جاری فرمایا، جس کی ادارت کا فریضہ مولانا

سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیو بند ایم۔ اے کے سپرد ہوا۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ علمی رسالہ بڑی آن بان سے نکلا اور آج تک اسی پابندی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ چونکہ یہ علمائے دیو بند کا پہلا باضابطہ تصنیفی ادارہ تھا، اس لیے اس وقت کے تقریباً تمام نامور و مشہور علمائے دیو بند معاون بن گئے۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی، مولانا حامد الانصاری غازی، سارے کے سارے حضرت کشمیری (مولانا انور شاہ) کے فیض یافتہ اور تلامذہ تھے"(۳) لیکن خود ادارہ کی طرف سے جو کتابچہ ادارہ کے تعارف کے لیے نومبر ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا اس کے مطابق "تصنیف و تالیف کا یہ عظیم الشان اور سنجیدہ مرکز ۱۹۳۸ء سے خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت کر رہا ہے۔ اس ربع صدی میں ندوۃ المصنفین نے جو اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں، ہندوستان اور بیرونی دنیا میں ان کا اعتراف کیا جانے لگا ہے۔۔۔۔۔ان برسوں میں آپ کے ادارے نے قوم کا ذہنی کردار بنانے میں اپنا فرض جس خاموشی اور وقار کے ساتھ انجام دیا ہے اس کا عکس اس کے شاندار لٹریچر کے آئینہ میں بے تکلف دیکھا جا سکتا ہے۔ ادارہ کا ماہنامہ برہان جو ۱۹۳۸ء کی جولائی سے پابندی کے ساتھ نکل رہا ہے، اب تک آٹھ دس ہزار صفحات پر مشتمل مشرقی اور اسلامی علوم کے کتنے ہی پہلوؤں پر معروف اہل قلم کے مستند مقالات شائع کر چکا ہے۔"(۴)

ندوۃ المصنفین کی مطبوعات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اکثر مقاصد حاصل کیے اور جیسا کہ وعدہ کیا تھا، اسی معیار کی کتابیں شائع کیں اور

کرائیں، ظاہر ہے یہ کام ایسا آسان کام نہیں تھا لیکن جب نیت میں اخلاص ہو اور عزائم پختہ ہوں تو منزلیں آسان ہوتی جاتی ہیں۔ ادارہ کی خوش قسمتی تھی کہ جن شخصیات نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا تھا، نہ تو ان کی صلاحیتوں میں کوئی شک ہو سکتا تھا اور نہ ان کے خلوص پر، ورنہ تقریباً نصف صدی تک کسی مسلم ادارے کا اس طرح چلنا نا ممکن تھا اور وہ بھی نامساعد حالات اور علم کی کساد بازاری کے دور میں، لیکن چونکہ اس کے پیچھے مفتی عتیق الرحمٰن جیسی آہنی شخصیت تھی جو ارادے کے پکے اور نیت کے سچے تھے، اس لیے تمام دشواریاں آسان ہوتی گئیں۔۔ دوسرے ممبران۔۔ مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا بدر عالم میرٹھی زین العابدین اور مولانا حامد الانصاری غازی نے بھی اپنا ہر ممکن تعاون دیا۔ مفتی صاحب اس ادارے کے بانی بھی تھے، ناظم بھی اور حقیقت میں روح رواں بھی۔ ندوۃ المصنفین کا شاندار دفتر پہلے قرول باغ میں قائم ہوا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی لپیٹ میں آ گیا اور ادارہ کا بیشتر ذخیرہ کتب اور دفتری سرمایہ و سامان بالکل برباد ہو گیا۔ تقسیم کے بعد انہوں نے جامع مسجد کے پاس ایک مکان خرید کر ندوۃ المصنفین کا دفتر اس میں منتقل کیا۔

ندوۃ المصنفین کی خدمات سے بحث کرتے ہوئے اس کے بانی اور بنیادی رفقاء کا تعارف نہ کرانا بڑی ناانصافی ہوگی، کیونکہ اس کے بنیادی خاکے، اولین مطبوعات اور اس کے مستقبل کے مقصد و منہاج کے تعین میں انہیں بزرگان کا ہاتھ تھا، جنہوں نے اس کام کو اقتصادی یا مالی وسائل کا ذریعہ کبھی نہیں سمجھا، بلکہ ایک دینی فریضہ سمجھ کر اس کام کو انجام دیا۔ جیسا کہ شروع میں لکھا جا چکا ہے، اس

کام کا بنیادی خاکہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مرحوم ہی کے ذہن میں آیا تھا۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

مفتی صاحب ۱۹۰۱ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ ظفر الحق تاریخی نام تھا۔ آپ کے دادا مولانا فضل الرحمٰن عثمانی، دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے والد مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مفتی دیوبند اور نامور عالم تھے۔ ایک چچا دیوبند کے سابق مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور دوسرے چچا شبیر احمد عثمانی تھے۔ ایسے علمی اور دینی ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی۔ حفظ قرآن ۹ سال کی عمر میں کر لیا اور جلد ہی دیوبند کے اساتذہ کے "معین" مقرر کیے گئے۔ نائب مفتی کی ذمہ داریاں ۲ سال تک بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ جب قاری طیب صاحب کو نائب مہتمم مقرر کیا گیا تو مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا انور شاہ کشمیری کے ساتھ آپ نے بھی دیوبند چھوڑا اور جب دارالعلوم ڈابھیل کی بنیاد ڈالی گئی تو آپ اس کے اساتذہ میں شامل ہو گئے۔ دوسرے مشہور ساتھی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن بھی ساتھ تھے، دونوں کا قیام ۵ سال رہا۔ نمک ستیہ گرہ میں اپنے فتوے کی وجہ سے آپ بھی جنگ آزادی میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۷ء تک کلکتہ کے کولوٹولہ مسجد میں تفسیر قرآن اور فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر دہلی چلے آئے۔ ۱۹۳۷ء میں ہی "ندوۃ المصنفین" کی تاسیس کا منصوبہ بنا، جس کی تجویز میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ظفر الملک علوی، عثمان فارقلیط صاحب، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا حفظ الرحمٰن، قاضی

زین العابدین میر ٹھی اور مولانا عبد الرشید نعمانی شریک تھے۔ چنانچہ قرولباغ، فیض روڈ پر ایک کوٹھی کرایہ پر لے کر ۱۹۳۸ء میں اس کار نیک کی ابتدا کی، جولائی ۱۹۳۸ء میں ماہنامہ ''برہان'' کا اجرا عمل میں آیا۔ شروع میں اس کی ادارت کی ذمہ داریاں خود سنبھالیں، پھر یہ کام مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے ذمہ ہو گیا۔ اکبر آبادی صاحب نے اپنی محنت، علمیت اور قلم کی صلاحیت سے رسالہ کو بام عروج پر پہنچادیا۔ رسالہ میں جدید تحقیقی اور علمی مضامین شائع ہونے لگے۔ رسالہ کے اداریہ کا نام ''نظرات'' ہوتا جو مدیر کے قلم سے لکھا جاتا، ہاں جولائی ۱۹۴۳ء سے دسمبر ۱۹۴۵ء تک یہ اداریے مفتی صاحب نے لکھے ہیں۔ کچھ اداریے مشہور نقاد عبادت بریلوی نے بھی لکھے۔ ''نظرات'' میں عام حالات، ملی اور تعلیمی مسائل کو جگہ ملتی تھی۔ شروع کے شماروں میں ''علمیہ'' کے نام سے ایک مستقل کالم سائنسی انکشافات کے لیے بھی تھا۔ ادبیات نامی کالم میں غزلیں اور نعتیں ہوتیں، تبصروں کے لیے الگ کالم مقرر تھا، طویل تبصرے ''باب التقریظ والانتقاد'' میں جگہ پاتے تھے۔

۵۰ سال سے زیادہ کی مدت میں اس رسالہ کا کوئی ''خاص نمبر'' نہیں نکالا گیا۔ پہلا خاص نمبر مرحوم مفتی صاحب کی یاد میں ترتیب دیا گیا تھا جو ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔

اپنے علمی و مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور دیگر مسائل میں حصہ لیتے رہے۔ تقسیم کے بعد مسلمانوں کی آبادکاری میں مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کے ساتھ شانہ بشانہ ہر جگہ موجود ہوتے۔ تمام بڑے مسلم اداروں اور تنظیموں سے بھی قریب رہے۔ یہ انہیں کا کارنامہ تھا کہ

انھوں نے مسلمانوں کے مختلف الخیال اور مسلک کے علماء کو مشاورت کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا اور مسلمانوں میں جرأت، ہمت اور خود اعتمادی پیدا کی جس کی سب سے بڑی مثال انھوں نے خود جرأت مندانہ حق گوئی کا ثبوت دے کر پیش کی۔ چنانچہ ایک بار مرارجی ڈیسائی جمعیۃ العلماء کے دوسرے کنونشن کے موقع پر ایک جلسہ عام میں مسلمانوں کو ہر چیز کے لیے مطعون اور مورد الزام ٹھہرا رہے تھے تو مفتی صاحب نے انہیں درمیان ہی میں ٹوک کر کہا کہ ۔۔۔ آپ تو گویا اس ملک کے بادشاہ ہیں، جو اپنی پسند اور مرضی پر مسلمانوں کو چلنے کا فرمان سنانے یہاں آئے ہیں، آپ کو یہ بات پسند نہیں، وہ بات پسند نہیں، یہ بات آپ گوارہ نہیں کر سکتے۔ وہ آپ برداشت نہیں کر سکتے، آپ ہیں کیا جو مسلمان آپ کی مرضی اور آپ کی پسند اور آپ کے فرمان کی تعمیل پر اپنے آپ کو مجبور سمجھیں؟

اپنی انتظامی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ بہت زیادہ علمی یادگاریں نہیں چھوڑ سکے۔ انہوں نے علامہ ابن تیمیہ کی "الکلم الطیب" کو تشریحی نوٹ کے ساتھ اردو کا جامہ پہنایا اور علامہ ابن جوزی کی "صید الخاطر" کا ترجمہ کیا۔ ان کی ریڈیائی تقریریں "منار صدا" کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

یہ شاید اچھا ہی ہوا، ورنہ انھوں نے تصنیفی و تالیفی ذمہ داریوں سے دور رہ کر "ندوۃ المصنفین" سے جو مایہ ناز اور گراں قدر تصانیف شائع کروائیں شاید ان کا موقع نہ ملتا اور نہ ہی برہان اس تسلسل کے ساتھ اپنے چشمہ فیض کو جاری رکھ پاتا۔ علاوہ ازیں مفتی صاحب نے ہمت و جرأت اور بے نفسی و بے جگری سے مسلمانوں کی خدمات انجام دیں اور مسلمانوں کی تالیف قلب کا کام انجام دیا اس میں شاید کمی

رہ جاتی۔ اپنی مصروفیات کے بارے میں انہوں نے ایک خط میں تحریر فرمایا کہ:

> ''کیا کہوں کاموں کے ہجوم میں گھرا رہتا ہوں اور یہ کام بھی مختلف النوع ہوتے ہیں۔ جمعیۃ العلماء کا کام، الجمعیۃ اخبار کی دیکھ بھال، فتحپوری ہائی اسکول کی صدارت، سنی مجلس اوقاف کے کام، مدرسہ حسین بخش کی نگرانی، بعض دوسرے عربی مدرسوں اور انگریزی اسکولوں کے کام، آنے جانے والوں کلے وقتی اور ہنگامی کام، برہان اور ندوۃ المصنفین کی مکمل ذمہ داری۔''(۵)

لیکن ان تمام ذمہ داریوں سے وہ بحسن وخوبی عہدہ بر آہوتے رہے اور ایک مکمل زندگی گزار کر ایک طویل علالت کے بعد ۳ر مئی ۱۹۸۴ء کو ہمیشہ کے لیے آنکھیں موندلیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

مولانا حفظ الرحمٰن، سیوہارہ (ضلع بجنور) کے ایک معزز گھرانے میں جنوری ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی شمس الدین صاحب نہایت خوش عقیدہ، صالح بزرگ اور علمائے حق کے گرویدہ وپروانہ تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے ابتدائی تعلیم اپنے مکان پر حاصل کی۔ پھر عربی کی تعلیم مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں درس نظامی کی تکمیل تک رہے۔ فیض عام میں تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔(۶) آپ کی سیاسی زندگی تحریک خلافت میں شامل ہونے سے شروع ہوئی۔ آپ کی بے لوث

خدمات اور جرأت وبیباکی کی وجہ سے ایک وقت وہ بھی آیا جب آپ مسلمانوں کے تن تنہا لیڈر رہے۔ مولانا بھی "ندوۃ المصنفین" کے تاسیسی ممبران میں رہے اور صدر کی حیثیت سے اس عہدہ کو چار چاند لگاتے رہے۔ اپنی سیاسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ مولانا کی علمی مصروفیات نے ان کے قلم سے درج ذیل علمی کارنامے پیش کروائے۔

۱۔ قصص القرآن جلد اول تا چہارم

۲۔ اسلام کا اقتصادی نظام

۳۔ اخلاق وفلسفۂ اخلاق

۴۔ رسول کریمؐ

۵۔ بلاغ مبین

۶۔ حفظ الرحمٰن :۔ **المذہب النعمان**

مولانا کی وہ تصانیف جو "ندوۃ المصنفین" سے شائع ہوئی ہیں۔ ہم ان پر تبصرہ کر چکے ہیں اور اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ خود ان کی سیاسی زندگی اور ملت و قوم کی خدمات سب کو معلوم ہیں۔ مسلمانان ہند کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں مولانا نے اپنی خدمات انجام نہ دی ہوں۔ مسئلہ چاہے ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد مسلمانوں کی بحالی کا ہو، اردو علی گڑھ، ملی تعلیمی کونسل، جمعیۃ العلماء غرضیکہ کوئی بھی تنظیم یا ادارہ ایسا نہیں تھا جس نے اپنی پریشانی میں مولانا کی رہنمائی اور ان کی خدمات سے فیض نہ اٹھایا ہو۔ انھوں نے اپنی ملی و دینی خدمات کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ پارلیمنٹ میں ان کی تقریریں ہمیشہ

مسلمانوں کے مسائل اور ان کے مفاد کے لیے ہوتی تھیں یہ تمام تفصیلات الجمعیۃ کے مجاہد ملت نمبر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جنوری ۱۹۶۲ء میں وہ سرطان کے مریض ہوئے، علاج کے لیے بیرون ملک بھی تشریف لے گئے لیکن مرض سے افاقہ نہیں ہوا۔ مولانا کا انتقال ۲؍اگست ۱۹۶۲ء کو ہوا۔ تدفین دہلی ہی میں ہوئی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۱۹۰۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی پھر مدرسہ شاہی مراد آباد کے بعد دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل کیا۔ سینٹ اسٹیفن سے ایم۔اے کیا۔ ۱۹۴۹ء میں مدرسہ عالیہ کی پرنسپل شپ انجام دی۔ ۱۹۵۸ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ دینیات کے صدر کے منصب کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا۔ مولانا اکبر آبادی نے کمال جد و جہد سے اپنے زمانے میں علمی اور انتظامی دونوں حیثیتوں سے اس شعبہ کو ترقی دے کر یونیورسٹی کے دوسرے اعلیٰ معیار کے شعبوں کے برابر پہنچانے کا زبردست کام انجام دیا۔(۷)

مولانا "برہان" سے ۱۹۳۸ء سے متعلق ہوئے۔ "ان کے رشحات قلم بڑے مدلل، پر مغز اور فکر انگیز ہوتے تھے۔ وہ کئی بلند پایہ اور محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں "اسلام میں غلامی کی حقیقت، غلامان اسلام، وحی الٰہی، فہم قرآن مسلمانوں کا عروج و زوال اور صدیق اکبر" وغیرہ معرکۃ الآراء تصانیف

شامل ہیں"۔(۸)

مولانا اکبر آبادی کا انتقال ۲۵ مئی ۱۹۸۵ء کو کراچی میں ہوا۔"ان کی وفات کے ساتھ تاریخ کا ایک زرّیں باب ختم ہوگیا۔ ۱۹۳۸ء میں مرحوم ندوۃ المصنفین کی تاسیس میں مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی اور مفتی عتیق الرحمٰن کے ساتھ شریک تھے۔ ۴۵ برس تک برہان کی ادارت کے فرائض دیتے رہے بر صغیر کے علمی حلقوں میں ان کے اداریہ کی بڑی قدر کی جاتی تھی اور ان کی ذات گرامی کی وجہ سے ندوۃ المصنفین اور دارالعلوم دیوبند کا علمی وزن قائم تھا۔"(۹)

مولانا حامد الانصاری غازی

مولانا غازی ۱۹۰۹ء میں انبیٹھہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا قاسم نانوتوی کے نواسے مولانا منصور انصاری آپ کے والد تھے، ابتدائی تعلیم مالیر کوٹلہ میں ہوئی۔ ۱۳۴۱ھ تا ۱۳۴۶ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ الجمعیۃ، مدینہ اور جمہوریت تین اخباروں کے مدیر رہے۔"اسلام کا نظام حکومت" ان کی مشہور تصنیف ہے جو ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی ہے۔ سیرت نبوی پر خلق عظیم کے نام سے بھی آپ کی ایک قابل قدر کتاب ہے، شاعری پر بھی اچھی قدرت حاصل تھی۔ سیاسیات پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ سیاسی لحاظ سے مدت تک جمعیۃ العلماء ھند سے وابستہ رہے اور جمعیۃ العلماء مہاراشٹر کے صدر رہے۔

۱۹۷۲ء میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ ان کی باوضع پر کشش شخصیت، خلق، تواضع اور وقار کا ایک دلکش مجموعہ تھی۔"(۱۰)

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

قاضی صاحب کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں میرٹھ کے قاضیوں کے ایک قدیم خاندان میں ہوئی جو تغلق کے عہد سے قضاۃ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ دار العلوم میرٹھ اور پھر مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں ہوئی۔ انہوں نے لاہور کے مشہور رسالے "ادبی دنیا" کے جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ تاریخ ملت کے ۳ حصے اسی زمانہ میں لکھے گئے۔ ان کی دیگر اہم تصانیف میں "بیان اللسان، قاموس القرآن، انتخاب صحاح ستہ، سیرت طیبہ، شہید کربلا اور کلام عربی" وغیرہ ہیں۔ ایک زمانہ میں میرٹھ سے الحرم، نامی ایک ماہنامہ بھی نکالتے رہے۔ ۱۹۵۷ء سے آپ نے جامعہ ملیّہ اسلامیہ نئی دہلی میں تاریخ اور تفسیر کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۱۳۸۲ھ سے دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے، اس کے علاوہ مجلس منتظمہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، فیکلٹی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مجلس عاملہ جمعیۃ العلماء ہند وغیرہ کے رکن بھی رہے۔ (۱۱) جامعہ ملیہ اسلامیہ میں انھوں نے ۵ سال گزارے، ۳۱ر مارچ ۱۹۹۱ کو انتقال ہوا۔ (۱۲۔۱۳)

مولانا بدر عالم میرٹھی

مولانا بدر عالم میرٹھی، شہر میرٹھ کے مضافات میں واقع "الان" نامی گاؤں مین پیدا ہوئے۔ والد کا نام "تہور علی خان" تھا جو محکمہ پولیس میں ایک آفیسر تھے۔ مدرسہ کی ابتدائی تعلیم کے بعد ان کی انگریزی تعلیم کا سلسلہ

شروع ہوا۔ الہ آباد میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی تقریر سن کر عربی و اسلامی تعلیم کا شوق پیدا ہوا اور وہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو گئے۔ انیس سال کی عمر میں فراغت کے بعد تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ مولانا انور شاہ کشمیری کے ساتھ انہوں نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ وہیں انہوں نے شاہ صاحب کے درسی افادات قلمبند کیے اور انہیں عربی میں ترتیب دیا جو فیض الباری کے نام سے چار جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں انہوں نے پاکستان ہجرت کی اور ۴ سال بعد حجاز منتقل ہو گئے اور مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے۔

ندوۃ المصنفین سے مولانا کا تعلق ۱۹۴۳ء میں ہوا، یہیں انہوں نے ترجمان السنۃ کے نام سے حدیث کا مجموعہ ترتیب دیا جو فیض الباری کا اردو ایڈیشن بن گئی۔ افسوس کہ اس کی چار جلدیں ہی مرتب ہو سکیں۔ اس کتاب پر مفصل تبصرہ اسی کتاب میں شامل ہے "کار کے ایک حادثہ نے انہیں چلنے پھرنے سے معذور کر دیا تھا، وہ تمام علمی و اصلاحی خدمات بستر پر لیٹے لیٹے انجام دیتے تھے۔ مولانا کا انتقال ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں ہوا۔ وہ شیخ وقت تھے اور اس دور کے عالم دین تھے عصر حاضر کی خصوصیات اور اس کے تقاضوں کو سمجھنا اور علوم نبوت کی تشریح اس طرح کرنا جس سے اس دور کے پیدا شدہ مسائل بھی حل ہوں، ان کا خاص امتیاز تھا۔ آپ کی تصنیف ترجمان السنۃ ان کے کمال کی آئینہ دار ہے"۔ (۱۴)

حواشی

۱۔ مفتی عتیق الرحمان عثمانی نمبر، مرتبہ جمیل مہدی، قاضی زین العابدین میرٹھی ص۔ ۴۴ ندوۃ المصنفین دہلی نومبر ۱۹۸۷ء

۲۔ حوالہ بالا ص۔ ۵۴

۳۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نمبر (برہان)، مرتبہ جمیل مہدی، مضمون مولوی ظفیر الدین مفتاحی ص۔۱۱۱، نومبر ۱۹۸۷ء

۴۔ اغراض ومقاصد قواعد وضوابط، ص ۳ ندوۃ المصنفین، دہلی نومبر ۱۹۶۴ء

۵۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نمبر، مرتبہ جمیل مہدی (مکتوب ۳ جنوری بنام محمد ظفیر الدین مفتاحی) ص۔ ۱۳۳، نومبر ۱۹۸۷ء ندوۃ المصنفین دہلی

۶۔ مجاہد ملت نمبر، الجمعیۃ روزنامہ دلی ص۔۱۹۹۔ (بچپن سے طالب علمی تک) ۱۹۶۲ء

۷۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم، مرتبہ محبوب رضوی ص۔ ۱۰۴۔ ۱۰۰، ۱۹۷۸ء باہتمام ادارہ دارالعلوم دیوبند

۸۔ حوالہ بالا ص۔ ۱۰۴۔ ۱۱۰، ۱۹۷۸ء

۹۔ معارف، اعظم گڑھ (مضمون ڈاکٹر محمد اسلم) ص۔۴۶۱، جون ۱۹۸۵ء

۱۰۔ تاریخ دورالعلوم دیوبند جلد دوم، مرتبہ محبوب رضوی ص۔ ۱۵۷، ۱۹۷۸ء باہتمام ادارہ دارالعلوم دیوبند۔

۱۱۔ حوالہ بالا ص۔ ۱۶۰۔ ۱۵۹ دیوبند ۱۹۷۸ء

۱۲۔ معارف اعظم گڑھ ص۔ ۳۲۴۔ مئی ۱۹۹۱ء

۱۳۔ برہان، ندوۃ المصنفین دہلی اپریل ۱۹۹۱ء

۱۴۔ الفرقان لکھنؤ، ص ۵۵ شمارہ۔ ۷ نومبر ۱۹۶۵ء

تفسیر و علوم قرآنی میں ندوۃ المصنفین کی خدمات

قرآن علوم اسلامیہ کے سرچشمے کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام اسلامی علوم قرآن کے مطالعے، اس پر غور و فکر اور اس سے روشنی حاصل کرنے کے نتیجے میں ظاہر ہوئے ہیں اور ظاہر ہوتے رہیں گے، یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام میں ابتدائے اسلام سے آج تک سب سے زیادہ تحقیقی اور تخلیقی کام اسی موضوع پر کیے گئے ہیں۔ اسلامی علوم کے ارتقائی ادوار میں یہ بار بار ہوا کہ کبھی کسی موضوع یا مضمون سے زیادہ شوق کا اظہار کیا گیا، کبھی کسی مضمون سے کم دلچسپی لی گئی، کبھی حدیث سے شغف زیادہ رہا، کبھی فقہ سے۔ کسی عرصہ میں تاریخ و علوم عقلیہ سے بہت وابستگی رہی، کبھی تصوف اور مطالعہ تصوف کا غلبہ رہا لیکن کسی بھی دور میں قرآن، تفسیر اور اسے قریب ترین موضوعات سے بے اعتنائی یا عدم توجہی نہیں برتی گئی۔ پھر عالم اسلام میں غلبہ خواہ عربی کا رہا ہو یا فارسی کا یا ترکی کا، سب سے زیادہ کتابیں قرآن و تفسیر ہی کے موضوع پر ترتیب دی گئیں اور سبھی قسم کے مصنفین نے خواہ ان کا تعلق نحو، بلاغت، لسانیات، فقہ، تاریخ یا تصوف و فلسفہ سے رہا ہو، قرآن ہی کو اولیت دی۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (سورہ الحجر : ۹) (یقیناً ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کو محفوظ رکھنے والے بھی ہیں) کی تفسیر کا ایک نمایاں پہلو شاید یہ بھی ہے۔

"ندوۃ المصنفین" بنیادی طور سے علوم اسلامیہ کے محققین کا ایک ادارہ ہے، اس لیے کیسے ممکن تھا کہ علوم اسلامیہ کے اس اہم ترین پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا

یا اس سلسلہ میں مزید پیش رفت سے کوتاہی برتی جاتی۔ اس سلسلہ میں بھی ندوۃ المصنفین نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ندوۃ المصنفین کے ترجمان، برہان میں شائع ہونے والے مضامین سے قطع نظر (جس پر آئندہ روشنی ڈالی جائے گی) اگر ہم صرف ان کتابوں پر نظر ڈالیں یا انہیں شمار کریں تو وہاں سے اس موضوع پر شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد اطمینان بخش نظر آئے گی اور تقریبا ہر کتاب اپنے موضوع پر اپنی الگ اہمیت کی حامل ہوگی۔

اخبار التنزیل

مرتبہ: مولانا اسماعیل سنبھلی

مولانا محمد اسماعیل سنبھلی کی ترتیب دی ہوئی یہ کتاب قرآن کی پیشین گوئیوں سے متعلق ہے۔

صاحب کتاب نے شروع میں قرآن کے معجزہ ہونے اور اس کے اعجاز پر روشنی ڈالی ہے۔ پیشین گوئیوں سے متعلق انہوں نے قرآن کریم کی ۶۵ اور حدیث کی ۳۵ پیشین گوئیاں نقل کی ہیں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ان کی مطابقت ثابت کی ہے۔

کتاب ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع سے سیر حاصل بحث کرتی ہے۔ اردو میں اس کتاب کے بعد کئی اور کتابیں اس موضوع پر آچکی ہیں لیکن اس کے باوجود اس کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ ہاں بعض مواقع پر مصنف کی تاویل اور توجیہ سے اختلاف کی گنجائش بھی ہے۔(۱) مصنف نے جس محنت اور

لگن سے یہ کام کیا ہے اس کا اعتراف اور اس کی ستائش نہ کرنا بڑی ناانصافی ہو گی۔

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (اردو)

مترجم: عبدالرشید انصاری

یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ہے جس میں شاہ صاحب نے قرآن فہمی اور تفسیر قرآن کے تمام بنیادی اصولوں سے بحث کی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں حضرت شاہ صاحب نے اس کی غرض و غایت خود بیان فرمادی ہے کہ "جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کے لیے کار آمد ہو سکتے ہیں انہیں ایک رسالے میں منضبط کر دوں۔"

مکتبہ سلفیہ لاہور سے اس کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، (۲) جس میں کئی اضافے ملتے ہیں اس سے پہلے کے عربی تراجم میں حروف مقطعات کی بحث چھوٹ گئی تھی۔ لاہور والے اڈیشن میں اس کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اسی ترجمے کے آخر میں اہم اضافہ شاہ صاحب کی خود نوشت الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف کا ہے۔

قرآن فہمی کے لیے جو بنیادی شرائط ضروری ہیں، حضرت شاہ صاحب نے اس مختصر کتاب میں انہیں یکجا کر دیا ہے اور ہر زمانہ میں قرآن کے پیغام اور اس کے مفہوم و معانی سمجھنے کے لیے اس کتاب کا پڑھنا از حد ضروری ہے جس کے بعد بہت سے اشکالات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

کتاب کی اہمیت کے لیے شاہ صاحب کا نام ہی کافی ہے۔ فارسی اور عربی سے

ناواقف اردو داں طبقہ کے لیے اس کتاب کی اشاعت بہت ضروری تھی، ویسے بھی یہ کتاب کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جارہی تھی۔ اس ترجمہ سے اس کی افادیت کا دائرہ مزید وسعت پاگیا ہے۔

البصائر

خواجہ عبدالحیٰ فاروقی

۹۲ صفحات کی اس مختصر سی کتاب میں خواجہ عبدالحیٰ فاروقی صاحب سابق صدر شعبہ تفسیر جامعہ ملیہ نے اپنے تاثرات کا اظہار بڑے پر اثر انداز میں کیا ہے، خواجہ صاحب میں قرآن فہمی کا ذوق و شوق شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا آزاد کی صحبت سے پیدا ہوا، آپ مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ بھی رہے اور آزادی ہند کی جدو جہد میں بڑی آزمائش سے گزرے، صعوبتیں برداشت کیں۔ ان تمام تاثرات کو خواجہ صاحب نے قلمبند کر کے البصائر کے نام سے ترتیب دیا جسے ندوۃالمصنّفین نے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

کتاب کا پہلا باب قصص القرآن کے نام سے ہے۔ اس میں فلسفہ، تاریخ، حضرت عیسیٰ، رجوع الی المقصود جیسے عنوانات دیے ہیں۔ کتاب کا دوسرا باب فراعنہ مصر پر ہے جس میں چھوت چھات، متحدہ قومیت کی ضرورت، خانہ جنگی کی تاریخ، غلامی کا نتیجہ، سرمایہ داری، حرمت سود، غلامی کے اثرات، خارجی تعلقات، سنت اللہ، طاقت کی نمائش اور کلمۂ حق وغیرہ کی ذیلی سرخیاں دے کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تیسرے باب میں انجام کے نام سے، جھوٹے وعدے،

اقتدار کا بھوت، نتیجہ کی بشارت، حسن خاتمہ اور بصائر للناس وغیرہ سرخیاں قائم کی ہیں اور قرآن کی رو سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دنیا میں سرفرازی و کامیابی کی متلاشی قوموں کو چاہیے کہ قصص القرآن سے سبق لے کر اتحاد و اتفاق کی راہ پر چلیں اور کامیابی کے لیے وہ طریقۂ حکومت اختیار کریں، جو اللہ کو پسند ہے۔

کتاب اپنے متنوع مضامین کی وجہ سے ایک کثیر فائدے والی کتاب ہے۔

تدوین قرآن

مولانا مناظر احسن گیلانی   پیشکش : مولوی غلام ربانی ایم۔اے عثمانیہ

ناواقفیت اور اصل ماخذ تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے اپنے اور غیر بھی جن میں مستشرقین سرفہرست ہیں، قرآن کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہیں، خصوصاً تدوین اور جمع قرآن کے معاملہ میں۔

"تدوین قرآن" انہیں غلط فہمیوں کی اصلاح و ازالہ کے لیے لکھی گئی ہے جس میں خیالات مولانا مناظر احسن گیلانی کے ہیں، پیشکش مولوی غلام ربانی ایم۔ اے عثمانیہ کی ہے۔ اصل میں یہ مولوی غلام ربانی کا طویل مقالہ ہے جو انھوں نے ایم اے کے ڈیزرٹیشن کے لیے تیار کیا تھا، جس کا اصل موضوع قرآن کریم کا تحفظ اور اس کی جمع و تدین ہے۔ مقالے کی تیاری میں دیگر بہت سی کتابوں سے مدد لی گئی ہے لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، کتاب کی بنیاد مولانا گیلانی کے افادات پر رکھی گئی ہے۔

کتاب میں قرآن مجید کی ان آیات کی داخلی شہادت کو پیش کیا گیا ہے جو اس

کے اعجاز، اس کے تحفظ کے وعدے کو ثابت کرتے ہیں اور جن سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ قرآن موجودہ صورت میں جس طرح ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ اسی طرح آنحضورؐ کی نگرانی اور ہدایت میں مرتب اور تحریر ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے اس دعوے کے اثبات کے لیے مولانا نے خارجی شہادتیں، احادیث اور تاریخ سے لی ہیں۔(۳)

وہ غیر معتبر روایتیں جو قرآن میں ردوبدل کے شبہات پیدا کرتی ہیں، مولانا نے پورے شدومد کے ساتھ ان کی تردید کی ہے۔ اس موضوع پر اردو میں دیگر کتابیں بھی ہیں، مضامین بھی موجود ہیں لیکن قرآن میں حذف واضافے کے بارے میں غلط تصورات کو مولانا نے جن دلائل وشواہد اور اپنے زور بیان سے رد کیا ہے وہ انہیں کا خاصہ ہے۔ کتاب تحفظ قرآن سے متعلق تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔(۴)

تفسیر مظہری

مولانا ثناء اللہ پانی پتی

"ندوۃ المصنفین" کی اہم خدمات میں، تفسیر مظہری کے مسودہ کو بصرف کثیر حاصل کرنا اور اس کو زیور طبع سے مزین کرنا ہے۔ تفسیر مشہور عالم قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسے انہوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے نام پر تفسیر مظہری کا نام دیا ہے۔ اصل عربی تفسیر مندرجہ ذیل ترتیب سے ۱۰ جلدوں میں شائع کی گئی۔

۱۔ جلد اول — سورہ فاتحہ سے سورۂ بقرہ تک

۲۔ جلد دوم سورۂ آل عمران سے سورۂ نساء تک

۳۔ جلد سوم سورۂ مائدہ، سورہ انعام اور سورۂ اعراف تک

۴۔ جلد چہارم سورۂ انفال و توبہ

۵۔ جلد پنجم سورۂ یونس تا ختم سورۂ اسراء

۶۔ جلد ششم سورۂ کہف تا ختم سورۂ نور

۷۔ جلد ہفتم سورۂ فرقان تا سورۂ احزاب

۸۔ جلد ہشتم سورۂ سبا تا سورۂ محمد

۹۔ جلد نہم سورۂ فتح تا سورۂ تحریم

۱۰۔ جلد دہم سورۂ ملک تا ختم قرآن

اس تفسیر کا اردو ترجمہ مولانا عبد الدائم جلالی نے کیا ہے۔ اردو تفسیر کی طباعت میں اس کی جلدوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا چنانچہ دس کی جگہ ۱۲ جلدیں ہو گئیں جن کی ترتیب اس طرح ہوئی۔

جلد اول	پارہ الم و سیقول	جنوری ۱۹۶۱ء
دوم	پارہ تلک الرسل و لن تنالوا	دسمبر ۱۹۶۲ء
سوم	والمحصنٰت سے لایحب اللہ	دسمبر ۱۹۶۳ء
چہارم	واذا سمعوا تا ختم سورۂ اعراف	فروری ۱۹۶۴ء
پنجم	سورۂ انفال پارہ ۹ تا ختم یعتذرون	فروری ۱۹۶۶ء
ششم	پارہ وما من دابۃ تا ختم ربما	فروری ۱۹۶۷ء
ہفتم	سُبحٰنَ الَّذِی تا ختم قَالَ اَلَمْ اَقُلْ	جنوری ۱۹۶۷ء

ہشتم	پارہ ۷ تا پارہ ۱۸ تا رکوع ۴ سورۂ نور	۱۹۶۸ء
نہم	رکوع ۵ سورۂ نور تا ختم سورۂ عنکبوت پارہ ۲۱	۱۹۶۹ء
دہم	پارہ ۲۱ سورۂ صفٰت تا سورۂ روم	۱۹۷۰ء
یازدہم	پارہ ۲۳ سورہ صفٰت تا سورہ دخان	۱۹۷۱ء
دوازدہم	سورہ جاثیہ تا سورۂ تحریم	۱۹۷۳ء
	آخری پارہ تبارک الذی اور عم یتساءلون	جنوری ۱۹۷۵ء

ہندوستان میں اس وقت تک لکھی جانے والی تفسیروں میں تفسیر مظہری اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور صرف اس ایک تفسیر کا مطالعہ دیگر بہت سی تقاسیر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

تفسیر کی ہر جلد ایک طویل فہرست موضوعات سے شروع ہوتی ہے جس میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر پارہ سے متعلق جو عنوانات ہیں ان کو بتادیا جائے، چنانچہ وجہ تسمیہ، تعداد آیات، شان نزول، سورہ مکی ہے یا مدنی، ان تمام باتوں کی وضاحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

ابتدائی جلدوں میں اس بات کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے کہ آیت لکھ کر مختلف قراتوں سے اس کی مثالیں دی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مختلف مشہور قراء کے علاوہ ابوالولید ہشام کی قرأت کو بھی قابل قبول سمجھا ہے، پھر اس آیت سے متعلق صرفی و نحوی تشریحات دی ہیں۔ متداول تفاسیر میں سے ابن جریر الطبری، البیضاوی اور البغوی سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ابن اسحاق اور الکلبی سے کسب فیض کیا گیا ہے۔ جہاں جہاں لغوی اور لسانی اشکالات آئے ہیں

وہاں ابن کیسان، الاقفش اور فیروز آبادی سے بھرپور مدد لی گئی ہے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی کے زمانہ تک جو تفاسیر مشہور تھیں۔ وہ عام طور پر شافعی مفسرین کی لکھی ہوئی تھیں اور ان میں اسی مسلک کا تتبع کیا گیا تھا، لیکن مولانا پانی پتی۔ نے اپنی تفسیر مظہری میں احناف کے مسلک کی پیروی کی ہے کیونکہ ہندوستان میں اسی مسلک کو قبول عام حاصل ہے، لیکن حسب ضرورت مذاہب اربعہ کے اقوال بھی پیش کیے گئے ہیں۔ آیات کی تفسیر میں اگر سوالات اور شبہات پیدا ہوتے ہیں تو خود ہی سوال قائم کر کے اس کا تشفی بخش جواب دینے کا التزام بھی رکھا گیا ہے۔

مولانا پانی پتی کو چونکہ تصوف سے بھی شغف تھا چنانچہ آیات سے متعلق اگر کہیں ایسے واقعات آگئے ہیں تو آپ نے صوفیائے کرام کے نقطۂ نظر کو بھی پیش کر دیا ہے۔

تفسیر کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مفسّر کو تمام اسلامی علوم پر عبور حاصل ہے اور وہ ان کے ہر پہلو پر اظہار رائے کی قدرت رکھتے ہیں، ان کے ہر گوشے سے بخوبی واقف ہیں۔ الفاظ و آیات کے لغوی و لسانی حسن، اس کی نحوی و صرفی حیثیت، اس کے معانی کے تدریجی ارتقاء، سب ان کی نظروں میں ہیں اور اس آیت سے متعلق قدماء نے جو کچھ لکھا ہے سب ان کی نظر سے گزر چکا ہے۔

مولانا عبد الدائم جلالی نے تفسیر کا ترجمہ بہت سادہ اور عام فہم عبارت میں کیا ہے جس نے اس تفسیر کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے اور اہل علم کے علاوہ قاری بھی اپنے لیے اسے استعمال کر سکتا ہے اور احکام و عقائد سے بالخصوص

واقف ہو سکتا ہے۔

مولانا پانی پتی کی ناقدانہ بصیرت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ نے تفسیر میں اسرائیلی روایات کو رد کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہاروت ماروت اور چاہ بابل کے سلسلے میں تفاسیر میں موجود تفصیلات کے بارے میں آپ نے بصراحت لکھا ہے کہ یہ تمام کمزور اور شاذ روایات پر مبنی ہیں اور قرآن کریم میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور خود احادیث میں اس قسم کی کوئی بھی ضعیف روایت منقول نہیں ہے۔

فہم قرآن

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

تقسیم سے پہلے کے دور میں جب فتنہ انکار حدیث اپنے شباب پر تھا اور ایک مخصوص علمی حلقے کے لوگ حدیث کی شرعی حیثیت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے اور دکھانے لگے تھے، اس وقت مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی کتاب تصنیف کر کے قرآن و حدیث دونوں کی بڑی خدمت انجام دی۔ مولانا نے اس سلسلہ میں تمام قدیم و جدید نظریات اور آراء کو پیش کیا ہے اور قرآن فہمی سے متعلق جن علوم کی واقفیت اور ان پر دسترس کی شرط ہے، ان پر داد تحقیق دی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا اکبر آبادی نے بالخصوص اس بات کا اہتمام رکھا ہے کہ حدیث و قرآن کے باہمی ربط کو ثابت کر کے حدیث کی شرعی حجت واضح کی جائے، جس کے لیے انہوں نے تمام علمی و تاریخی دلائل پیش کیے ہیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں تدوین حدیث، وضع حدیث جیسے موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے

صحابہ کرامؓ اور تابعین کی خدمات جلیلہ کا ذکر بالتفصیل کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ، امام زہریؒ، اصحاب صحاح ستہ حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی گراں قدر خدمات سے سیر حاصل بحث کی ہے۔

اس مختصر کتاب میں مولانا نے اتنے سارے مباحث کو سمیٹ کر گویا کوزہ میں دریا بند کر دیا ہے اور ان کی کوشش یہی رہی ہے کہ تمام تفصیلات اس میں سمٹ جائیں۔ ہاں ایک کمی ضرور رہ گئی اور وہ یہ کہ صحابہ کرامؓ کے عہد میں احادیث کے جو شخصی اور ذاتی مجموعے تھے اور جن کی تعداد بہت تھی، مولانا نے ان کے ذکر میں اختصار سے کام لیا ہے۔ ان میں اضافے ہو سکتے تھے اور اس طرح منکرین حدیث یا معترضین حدیث کا تشفی بخش جواب مہیا ہو سکتا تھا اور ان کے اس اعتراض کا ازالہ ہو جاتا کہ جمع حدیث کا کام ایک صدی بعد شروع کیا گیا تھا۔ اسی طرح صاحب فتح الباری اور ابن عبد البر کی طرح یہ بات با صراحت لکھنی چاہیے تھی کہ حضرت عمر و بن عبد العزیز نے نہ صرف یہ کہ مدینہ کے گورنر ابو بکر ابن حزم کو جمع احادیث کی ہدایت کی تھی بلکہ اس کے ساتھ انہوں نے دوسرے صوبوں کے گورنروں کو بھی حکم دیا تھا کہ حدیث کے جاننے والوں اور اس کی خبر رکھنے والوں سے احادیث اکٹھا کی جائیں۔ چنانچہ محدثین کرام نے احادیث کے مجموعے مرتب کیے اور حضرت عمرو بن عبد العزیز نے ان کے نسخے اور ان کی نقلیں تیار کروا کے مختلف صوبوں میں تقسیم کروائیں۔

مولانا اکبر آبادی کی اس کتاب سے پہلے اسی موضوع پر معارف میں بالاقساط ایسے مضامین شائع ہو چکے تھے اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے

بھی خطبات مدراس میں اسی موضوع پر لکھا تھا، مولانا نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کر کے بہر حال ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔ کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں آیت یسّرنا القرآن کی تفسیر بڑے مدلل انداز میں کی ہے اور اس آیت کے اصل مقصد کو آسان پیرائے میں اجاگر کیا ہے۔

کتاب کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں جو اس کی افادیت اور مقبولیت کی دلیل ہے۔ کتابوں پر مفصل تبصرہ معارف میں ہو چکا ہے۔(۷)

قرآن اور تعمیر سیرت

ڈاکٹر میر ولی الدین

ڈاکٹر میر ولی الدین کی شناخت ان کے متکلمانہ انداز فکر اور فلسفیانہ اسلوب نگارش کی وجہ سے ہے۔ جدید فلسفہ اور نفسیات پر بھی ان کی گہری نظر ہے اسی لیے ان کے مضامین اس فکر کا آئینہ ہوتے ہیں۔ موصوف نے قرآن پر غور و فکر کر کے جو مضامین ترتیب دیے ہیں، وہ اس طرح ہیں۔ واضح رہے کہ یہ مضامین ملک کے اردو علمی جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں اور انہیں کو یکجا کر کے ندوۃ المصنّفین نے کتابی شکل میں پیش کیا ہے۔

۱۔ عبادت و استعانت	۲۔ توحید الوہیت
۳۔ صالحیت	۴۔ نیکی علم ہے
۵۔ تعلیم کا مقصد	۶۔ انسان کامل
۷۔ امام غزالی کا فلسفۂ مذہب	۸۔ تصحیح فکر

۹ قانون تجاذب اور تعمیر سیرت	۱۰ قرآن اور سیرت سازی
۱۱۔ قوت ایمانی اور ظہور غیب	۱۲۔ماحول پر کس طرح قابو حاصل کیا جائے
۱۳۔ کامیاب زندگی کا قرآنی تصور	۱۴۔ قرآن اور علاج خوف
۱۵۔ بے خوف زندگی	۱۶۔ داروے جان
۱۷۔ قرآن اور علاج حزن	۱۸۔ زندگی میں غم کیوں ہے
۱۹۔ قرآن اور علاج غضب	۲۰۔ دعا کا فلسفہ
۲۱۔ دعا اور دفع بلا	۲۲۔ اسرار حج (۸)

ان مضامین میں جدید فلسفہ اور جدید علم نفسیات کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے اقوال سے جگہ جگہ مرصع کاری کی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب نہ صرف یہ کہ مسلم قارئین کے لیے مفید ہے بلکہ اس میں غیر مسلموں اور جدید تعلیم یافتہ غیر جانبدار ذہن کے لیے بڑی کشش ہے ۔ یہ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کا دائرہ افادیت بے کنار ہے ۔ انسان اور انسانیت کے لیے اس میں کتنے ہی نسخہ ہائے کیمیا موجود ہیں جو ایک ہی فرد کو نہیں بلکہ ایک جماعت ، ایک قوم ۔ ایک نسل اور پوری نسل انسانی کے لیے کامیابی ، سرخروئی، اطمینان قلب اور روحانی سکون کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔جب اسی کتاب پر عمل کرکے آج سے ۱۴سو سال پہلے انسانیت کے زخموں کو بھرا جا سکتا ہے، اس کے امراض کا مداوا ہو سکتا ہے تو آج کیوں نہیں ہو سکتا۔ آج جبکہ دنیا، ترقی کی انتہائی بلندی اور سامان تعیش کے تمام ذرائع میسر ہونے کے باوجود اندرونی بے اطمینانی، تنہائی، اور بے نام کرب کا شکار ہے۔اس کا علاج صرف اور صرف قرآنی

تعلیمات پر عمل میں مضمر موجود ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب، حرف بحرف صحیح ہے۔ اس کی آیات سے روشنی حاصل کر مسلمان اپنی شخصیت اور اپنی سیرت کی تعمیر کر سکتے ہیں اور ان آیات کے پیغام نے جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو انقلابی شخصیات میں تبدیل کر دیا تھا اسی طرح آج بھی مسلمان ان کی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے زندگیاں سنوار سکتے ہیں اور اس طرح وہ دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح حاصل کر سکتے ہیں۔

وحی الٰہی

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

مولانا اکبر آبادی اس سے پہلے بھی اس موضوع پر ایک علمی مضمون لکھ چکے تھے جو "البیان" امرتسر کے "براہین الٰہی" نامی خاص شمارہ میں جگہ پا چکا تھا۔ اس خاص شمارہ میں دیگر علماء و محققین کے مضامین بھی اسی موضوع سے متعلق تھے۔ اس خاص نمبر کا مقصد یہ تھا کہ فتنۂ انکار حدیث سے منتج "فتنہ انکار وحی" کا سدباب کیا جائے اور اس مدرسہ فکر کو مسکت اور مدلل جواب دیے جائیں۔ گو کہ الکلام اور سیرۃ النبی جلد سوم میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی جا چکی تھی لیکن علیحدہ سے ایک کتاب کی ضرورت بہر حال باقی تھی۔

مولانا نے اس بات کی بڑی کامیاب کوشش کی ہے کہ وحی الٰہی سے متعلق شکوک و شبہات اور کج فہمیوں کے عقلی اور نقلی جوابات مہیا کیے جائیں۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے وحی کی ضرورت، وحی کی اقسام، قرآن و وحی نیز وحی اور محققین

یورپ جیسے موضوعات کا انتخاب کیا(۹) اور ہر موضوع کے ساتھ اپنے زور دار انداز تحریر میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے شبہات کے جواب دیے ہیں، آیت قرآنی سے ان کے منجانب اللہ ہونے کی دلیلیں پیش کی ہیں، "بلکہ نبوت" اور کلام الٰہی کے اعجاز کو مدلل طور پر بیان کیا ہے۔

اس طرح کے موضوع پر عام لکھنے والوں کے انداز میں جو اغلاق اور خشک انداز ہوتا ہے، مولانا کے یہاں وہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس عام فہم اسلوب اختیار کیا گیا ہے جس سے قاری اور نفس موضوع میں ایک ربط پیدا ہوجاتا ہے۔ مولانا کی خدمت دینی کا پر خلوص جذبہ ہر بات سے نمایاں ہے، اگر ہم یہ کہیں تو بیجا نہ ہوگا کہ اردو میں اپنے موضوع پر یہ پہلی محققانہ تخلیق ہے۔

لغات القرآن

مولانا عبد الرشید نعمانی و مولانا عبد الدائم جلالی

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب قرآن کے الفاظ اور اس کے معانی سے متعلق ہے۔ جو لفظ جس جگہ قرآن میں آیا ہے، اس کے رکوع اور پارہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ پھر مفرد الفاظ کی تشریح کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی رعایت رکھی گئی ہے کہ اس کے دیگر مشتقات اور مرکبات کا ذکر بھی کردیا جائے۔ الفاظ کی تحقیق اور ان کے معانی کی تشریح میں حدیث کی لغات اور دیگر تفاسیر کو سامنے رکھا گیا ہے۔ جہاں جہاں اسماء اور اعلام آئے ہیں یا جہاں جہاں قصص آئے ہیں، ان کی اجمالی تشریح کا بھی پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ قرآن مجید کا ہر لفظ اور

ہر کلمہ الگ الگ کہنے کے التزام کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک بڑا وصف یہ بھی ہے کہ اس میں الفاظ قرآن میں جس طرح آئے ہیں اسی طرح لکھے گئے ہیں اور ان کی ترتیب میں ظاہری صورت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ الفاظ کے مادے اور اشتقاق کو نظر انداز کیا گیا ہے جس کا سب سے بڑا فائدہ اردو زبان کے ان قارئین کو ہو گا جو عربی سے ناواقف ہیں اور عربی قاموسوں کو استعمال کرنا نہیں جانتے۔ جہاں جہاں الفاظ کی تشریح اور تحقیق معانی میں فقہاء، مفسرین اور اہل سنت میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی معلومات بھی فراہم کر دی گئی ہے۔ اس طرح اس کتاب کی اہمیت اور افادیت اس موضوع پر دوسری کتابوں کے مقابلے میں بڑھ گئی ہے، اس کی اپنی جامعیت میں اضافہ ہو گیا ہے اور کتاب تفسیر کے درجہ کو چھو لیتی ہے۔

اردو میں اس موضوع پر دیگر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن وہ اپنے اختصار کی وجہ سے اتنی مفید نہیں ہیں۔ لغات القرآن کے جملہ پہلوؤں کے تقاضوں کو وہ کتابیں پورا نہیں کرتیں اردو میں شرح لغات کے ذریعہ قرآن فہمی کے لئے یہ کتاب اب تک آنے والی تمام کتابوں سے اچھی ہے۔

اس کتاب کی پہلی چار جلدیں مولانا عبد الرشید نعمانی کے زور قلم کا نتیجہ تھیں۔ آخری دونوں جلدیں مولانا عبد الدائم جلالی نے ترتیب دی ہیں اور انہوں نے پوری کوشش کی ہے کہ شروع کی چار جلدوں کا جو معیار و انداز ہے۔ وہی معیار اور انداز باقی آخری دو جلدوں میں بھی بر قرار رہے۔

قرآن فہمی کے سلسلہ میں ندوۃ المصنفین کی یہ خدمت بڑی قابل قدر ہے اور اس کی حیثیت صرف وقتی اور ہنگامی نہیں ہو گی بلکہ شائقین قرآن فہمی کی

ضروریات کو یہ کتاب ہمیشہ پوری کرتی رہے گی۔

اس کتاب پر بھی معارف، الفرقان میں تبصرے آچکے ہیں، الفرقان کے تبصرہ نگار نے بعض تسامحات کا بھی ذکر کیا ہے جن کا تعلق جلد ششم کے صفحہ ۳۱۴ اور صفحہ ۳۱۶ سے ہے۔

کتاب کی جلدوں کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے۔

جلد اول	باب الف (ا) ۳۴۴ صفحات۔
جلد دوم	باب الف، ب، ت، باب الخاء (ب سے خ تک) ۴۳۰ صفحات
جلد سوم	باب الدال تا باب الشین (د سے ش تک)
جلد چہارم	باب الصاد تا باب العین (ص سے ع تک) ۳۸۶ صفحات
جلد پنجم	باب الغین تا باب المیم (غ سے م تک) ۵۰۰ صفحات
جلد ششم	باب النون تا باب الیاء (ن سے ی تک) ۴۲۶ صفحات

"لغات قرآن" کے ساتھ الفاظ قرآن کی ایک جامع اور عام فہم فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے سب سے بڑی آسانی یہ ہو گئی ہے صرف ایک لفظ دیکھتے ہی تمام الفاظ کے حوالے آیات قرآنی میں بڑی آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

"لغات القرآن" کی پہلی جلد پہلی مرتبہ ۱۹۴۳ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی اور آخری حصہ ۱۹۵۸ء میں منظر عام پر آیا۔ ان کتب پر مفصل تبصرے معارف اور الفرقان میں شائع ہو چکے ہیں۔ (۱۰، ۱۱، ۱۲)

کنوز القرآن

قاضی مظہر الدین بلگرامی

ندوۃ المصنفین کی بعض دیگر بہت سی مفید اور ایمان افروز کتابوں میں کنوز القرآن کو بھی اہم مقام حاصل ہے ، جس کے مرتب قاضی مظہر الدین بلگرامی صاحب نے قرآن کے بنظر غائر مطالعہ کے بعد ان قرآنی آیات کو جو عبادات، عقائد، سیرت و اخلاق سے متعلق ہیں، ۵۶ عناوین کے تحت یکجا کر دیا ہے۔ آیات اردو اور انگریزی ترجمے کے ساتھ ہیں جس سے اس کی افادیت اور معنویت کا دائرہ مزید وسیع ہو گیا ہے، اردو ترجمہ ان کا اپنا ہے۔ ہاں انگریزی ترجمے میں انہوں نے عبد اللہ یوسف علی کے ترجمہ سے مدد لی ہے۔ (۱۳) ساتھ ہی دونوں زبانوں میں آیات کی تشریح بھی کرتے گئے ہیں۔ انگریزی تشریح میں عبد اللہ یوسف علی کے حواشی سے استفادہ کیا ہے۔ اردو حواشی اور تشریحات ان کے اپنے قلم سے ہیں جس کے لیے انہوں نے آسان اور سلیس زبان استعمال کی ہے جس میں بڑی روانی ہے۔

اپنے مشمولات کی بنیاد پر اس کتاب کا نام "کنوز القرآن" غلط نہیں ہے کیونکہ ان تمام آیات کی حیثیت جواہر پاروں کی ہے جن کو پڑھ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر کوئی بھی آدمی اپنا دامن حیات، بیش بہا خزائن سے پر کر سکتا ہے اور اس کی دنیا و عاقبت دونوں قابل رشک ہو سکتی ہیں۔

حکمۃ القرآن

مولانا محمد تقی امینی

"حکمت القرآن" اپنے موضوع اور مشمولات کے لحاظ سے عام قاریوں کے لیے نہیں لکھی گئی ہے اور نہ ہی عام قاری کے ذہن تک اس کے مفہومات کی رسائی ہو سکتی ہے، یہ کتاب عالموں اور بالخصوص ان لوگوں کے لیے لکھی گئی ہے جو کائنات، انسان اور حماج کا مطالعہ و مشاہدہ قرآن کے مطلوبہ اسلوب سے کرتے ہیں کیونکہ اس طریقۂ مشاہدہ کے بغیر "حکمت" کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ مولانا تقی امینی نے قران میں مستعمل لفظ حکمت کی تشریح بڑے فلسفیانہ انداز میں کی ہے۔ انہوں نے لفظ حکمت کی تہہ در تہہ معنویت کو واضح کر کے بتایا ہے کہ قرآن اسی کی تعلیم و اشاعت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ "حکمت" کے صحیح مفہوم تک رسائی ہو جائے تو انسان پر کائنات کے رموز افشاں ہو جاتے ہیں۔ (۱۴) کتاب کی تصنیف میں انہوں نے جو انداز اپنایا ہے اور جس اخلاص کا مظاہرہ کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے قرآنی فہم و بصیرت کے حاصل کرنے میں کتنی عرق ریزی کی ہے۔ وہ قرآن کے اسرار و حکم تک پہنچنے میں فکر و نظر کی کتنی آزمائشوں اور کاوشوں سے گزرے ہوں گے کیونکہ ان منازل سے گزرے بغیر حکمت کے مفہوم تک رسائی ناممکن تھی۔ قرآن کا اعجاز یہ بھی ہے کہ اس میں جتنا غور و فکر کیا جائے اتنی ہی جہات سامنے آتی ہیں۔ مولانا کی کتاب کو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، سمجھنے کے لئے قرآنی حکمت و فلسفہ سے واقفیت ضروری ہے۔

(۱۵)اور اتنی ہی گہری نظر درکار ہے ورنہ معانی و مفاہیم واضح نہیں ہوتے، کتاب کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

قصص القرآن

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

ادارہ ''ندوۃ المصنفین'' کی جن کتابوں کو قبول عام حاصل ہوا ہے ان میں قصص القرآن کے سلسلوں کو خاص مقام ہے۔

یہ کتاب جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے، قرآن کے قصوں پر مشتمل ہے جسے مولانا نے چار جلدوں میں ترتیب دیا ہے چنانچہ اس کی ترتیب اس طرح ہے۔

جلد اول : حضرت آدمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یوسفؑ کے واقعات پر مشتمل ہے۔ مولانا نے خاص التزام یہ کیا ہے کہ اسرائیلیات سے دامن بچاتے ہوئے یہ قصے اس طرح لکھے ہیں کہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بھی معتبر قرار دیے جائیں، ان قصص میں پند و موعظت کے جو پہلو ہیں، ان کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ واقعات اتنی تحقیق اور علمی کاوش سے لکھے گئے ہیں کہ یہ کتابیں تفسیر کی حد کو چھو لیتی ہیں پہلی جلد ۵۴۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

جلد دوم : اس جلد میں حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے واقعات اور حضرت یحییٰ کے واقعات درج ہیں۔ انداز تحقیقی ہے اور بعض تحقیقات کا تو جواب نہیں۔ یہ جلد ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

جلد سوم: اصحاب کہف، اصحاب قیم، سیل عرم، اصحاب فیل اور ذوالقرنین کے واقعات پر مشتمل ہے۔

اس جلد میں چونکہ تاریخ سے متعلق بہت سے واقعات تھے اس لیے مولانا نے تحقیق سے بھی کام لیا ہے۔ خاص باب ذوالقرنین اور سد سکندری کا تھا۔ مولانا کا اپنا یہ خیال ہے کہ اس سکندر سے مراد مقدونیہ کا سکندر نہیں ہے بلکہ حضرت خضر علیہ السلام کے زمانہ کا ایک منصف اور عادل بادشاہ ہے جس کا زمانہ مقدونیہ کے سکندر سے بہت پہلے کا ہے اور یاجوج وماجوج کو روکنے کے لئے جو دیوار تعمیر کروائی گئی تھی وہ بھی اسی سکندر کے ہاتھوں تعمیر ہوئی تھی۔ مولانا نے ایسی کئی دیواروں کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے مذکورہ بالا دیوار کی تحقیق کے لئے عباسی خلیفہ واثق باللہ نے علماء کی ایک جماعت بھی بھیجی تھی۔ اسی جماعت کی تحقیق پر مولانا اپنی بحث کا خاتمہ کر دیتے ہیں اور اسی پر مزید کچھ نہیں بتاتے۔ اس طرح یہ تحقیق اور بحث تشنۂ تکمیل رہ جاتی ہے، پھر بھی یاجوج وماجوج اور سکندر کے بارے میں مولانا کی تحقیقی کوشش قابل تعریف ہے۔ یہ جلد ۴۶۲ صفحات پر محیط ہے۔

جلد چہارم کا تعلق حضرت عیسیٰؑ سے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کے زمانہ تک ہے۔ اس کی ضخامت ۵۲۰ صفحات ہے۔ اس جلد میں حضرت عیسیٰؑ سے متعلق تمام واقعات جیسے ان کی پیدائش، زندگی اور پھر رفع اسماء کا تذکرہ ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے قادیانی دعوے کا پردہ فاش کر دیا ہے اور ان کی تکذیب بھی کی ہے اور جس میں مولانا نے اپنا زور قلم صرف کیا ہے۔

آنحضورؐ کی سیرت طیبہ، غزوات النبی اور واقعۂ معراج بھی اسی جزء میں بیان

کر گئے ہیں۔ قصص القرآن ہندوستانی مسلمان گھروں کی مقبول کتابوں میں ہے جو تقریباً تمام گھروں میں موجود رہتی ہے۔

تفسیر اصول تفسیر، تدوین قرآن، وحی اور الفاظ قرآنی کی تشریح کے موضوعات پر مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی ادارہ ندوۃ المصنفین سے ایسی دیگر بہت سی تخلیقات مضامین اور مقالات کی شکل میں ندوۃ المصنفین کے ترجمان ''برہان'' میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

برہان کی اشاعت نصف صدی پہلے شروع ہوئی تھی۔ اس طویل عرصہ میں برہان کے صفحات پر قرآن اور علوم قرآنی سے متعلق جو مضامین شائع ہوئے ہیں۔ آئندہ صفحات میں اہم ان کا ذکر ماہ وسال واشاعت کے حوالوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مضامین کی افادیت بھی، اس موضوع پر شائع شدہ دوسری کتابوں سے کم نہیں ہے۔

قرآن اور علوم قرآنی سے متعلق برہان میں شائع ہونے والے مضامین

۱۔ بعض مشہور مذاہب کے صحف مقدسہ کی ترتیب اور قرآن مجید کی لسانی اہمیت،
مولانا عبدالمالک آروی نومبر، دسمبر ۱۹۳۹ء

۲۔ ایضا جنوری ۱۹۴۰ء

۳۔ تلخیص و ترجمہ (قرآن مجید کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں) سید محبوب رضوی
فروری ۱۹۴۰ء

۴۔ اقسام قرآن سید صبغت اللہ بختیاری جنوری، فروری ۱۹۴۱ء

۵۔ پہلا انسان اور قرآن سید حسین شور نومبر، دسمبر ۱۹۴۱ء
جنوری، فروری ۱۹۴۲ء

۶۔ مسئلہ زبان اور قرآن قاری محمد طیب نومبر، ۱۹۴۱ء

۷۔ قرآن حکیم اور علم الحیوان، مولوی عبدالقیوم ندوی، جنوری، فروری ۱۹۴۲ء

۸۔ قرآن مجید اور اس کی حفاظت مولانا بدر عالم میرٹھی جولائی،
اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۲ء

۹۔ قرآن کے اردو تراجم سید محبوب رضوی جنوری، ۱۹۴۴ء

۱۰۔ نظریۂ موت اور قرآن، مولانا ابوالنصر رضوی امروہوی مئی،
جون، جولائی ۱۹۴۴ء

۱۱۔ قرآن اپنے متعلق کیا کہتا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن ستمبر، اکتوبر،
نومبر، دسمبر ۱۹۴۶ء

۱۲۔ قرآن اپنے متعلق کیا کہتا ہے۔ مولانا حفظ الرحمن جنوری،
فروری، مارچ ۱۹۴۷ء
۱۳۔ قرآن اور اس کا تصور غیب سید ابوالنصر امروہوی جون ۱۹۴۸ء
۱۴۔ جوہری بادل اور قرآن کی ایک پیشین گوئی کرنل خواجہ عبدالرشید
جولائی، ۱۹۴۸ء
۱۵ قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر مولوی غلام ربانی
جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۴۹ء
۱۶۔ ہزارہا سال کے قدیم ترین تاریخی وثائق قرآن کی روشنی میں،
مولانا مناظر احسن گیلانی اگست، ۱۹۴۹ء

۱۷۔ قرآن کے لفظی و معنوی حقوق خواجہ سید محمد علی شاہ سبحانی جنوری،
فروری، مارچ، اپریل، ۱۹۵۰ء
۱۸۔ دلائل قرآن۔ مولوی نجم الدین اصلاحی
اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۰ء
۱۹۔ تورات کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام
سید مناظر احسن گیلانی مارچ، اپریل، مئی، جون ۱۹۵۱ء
۲۰۔ علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث، خواجہ محمد علی شاہ
جولائی، اگست ۱۹۵۱ء

۲۱۔ تورات کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام

مولانا مناظر احسن گیلانی ستمبر، اکتوبر۔ نومبر، دسمبر ۱۹۵۱ء

۲۲۔ قرآن مجید اور ترجمہ و تفسیر، خواجہ حافظ محمد علی شاہ

جون، جولائی، اگست، اکتوبر ۱۹۵۳ء

۲۳۔ مختصر قرآنیہ سیدنا محمد مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکتوبر، ۱۹۵۳ء

۲۴۔ قرآن کا فکر معیار و نظر مولوی محمد قطب الدین ستمبر، ۱۹۵۴ء

۲۵۔ سورہ بقرہ کی ایک آیت کی صحیح تاویل

مولوی ضیاء الدین اصلاحی فروری، ۱۹۵۷ء

۲۶۔ فرمودۂ قرآن زہرہ سخن سیدہ اختر مارچ، ۱۹۵۷ء

۲۷۔ فبدل الذین آمنوا لالیة کی صحیح توجیہ

مولوی ضیاء الدین اصلاحی اپریل، ۱۹۵۷ء

۲۸۔ تحقیق لفظ الرحمان پروفیسر محمد اجمل خاں فروری، ۱۹۵۹ء

۲۹۔ سورہ فاتحہ کے بعض اہم مباحث مولوی ضیاء الدین اصلاحی

فروری، مارچ ۱۹۵۹ء

۳۰۔ قریش کی تصویر قرآن کے آئینے میں

ڈاکٹر عبدالحمید سدہ پوری فروری ۱۹۵۹ء

۳۱۔ الرحمٰن علم القرآن، پروفیسر محمد اجمل خاں اپریل ۱۹۶۰ء

۳۲۔ سید محمد گیسودراز اور ان کی تفسیر ملتقط، ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، مارچ، ۱۹۶۶ء

۳۳۔ قرآن مجید کا ایک قدیمی اردو ترجمہ دو سو سال پرانی ترقی پذیر اردو نثر

سید محبوب رضوی جون، ۱۹۶۷ء

۳۴۔ ترجمہ و تفسیر ماجدی پر ایک نظر پروفیسر اجمل خاں جنوری، ۱۹۶۸ء

۳۵۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کی کتب تفسیر

ابو سلمان شاہجہاں پوری جولائی اگست، ۱۹۶۸ء

۳۶۔ رشحات آیات قرآنی اور علماء کے فکری اعتبارات

محمد قطب الدین بختیار کاکی حیدر آبادی اکتوبر، ۱۹۶۸ء

۳۷۔ مقام صحابیت قرآنی تعلیم کی رو سے، مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی دسمبر، ۱۹۶۸ء

۳۸۔ صاحب قاموس المحیط کی ایک نادر قرآنی تالیف مولانا سید عبد الرؤف

فروری، ۱۹۶۹ء۔

۳۹۔ قرآن کا منہاج فکر و نظر محمد قطب الدین بختیار کاکی حیدر آبادی اگست، ۱۹۶۹ء

۴۰۔ چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں چند آفاقی دلائل کا جائزہ،

مولوی محمد شہاب الدین ندوی

دسمبر ۱۹۷۰ء، جنوری، فروری ۱۹۷۱ء

۴۱۔ چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں چند آفاقی دلائل کا جائزہ

مولوی محمد شہاب الدین ندوی مارچ، اپریل، جون، جولائی ۱۹۷۱ء

۴۲۔ کلوروفل اور قرآن (سائنس اور قرآن کی نظر میں) مولوی محمد شہاب الدین

اپریل، مئی، جون، جولائی ۱۹۷۱ء، مئی، جون ۱۹۷۲ء

۴۳۔ اردو کا ارتقاء تراجم قرآن کے آئینے میں مولانا محمد اسرائیل فرحت قاسمی

مارچ، اپریل، مئی ۱۹۷۴ء

۴۴۔ کچھ سورہ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق مولانا امتیاز علی خاں عرشی

ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۴ء

۴۵۔ قرآن حکیم اور علمی نظریہ محمد آفاق صدیقی

فروری، مارچ ۱۹۸۰ء

۴۶۔ خلافت ارضی کے لئے سائنس اور ٹکنالوجی کی اہمیت قرآن کی نظر میں

شہاب الدین ندوی مئی۔۱۹۸۱ء

۴۷۔ قرآن عظیم ادب کا معیار عبدالرحمان محسن انصاری جولائی، ۱۹۸۶ء

۴۸۔ ایڈز قدیم یونانی تصور، قرآن حکیم اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

اقبال احمد قاسمی اگست، ۱۹۸۶ء

۴۹۔ اسلوب قرآن کا علمی جائزہ عبیداللہ فہد فلاحی اپریل، ۱۹۸۷ء

۵۰۔ قرآن کریم غیروں کی نظر میں سعیدالرحمان شمسی مارچ، ۱۹۸۸ء

۵۱۔ مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورہ فیل ایک جائزہ رضی الاسلام ندوی

جون، جولائی ۱۹۸۸ء

۵۲۔ کیا قرآن آسمانی کتاب ہے؟ ڈاکٹر محمد یوسف

اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء

۵۳۔ قرآن کریم میں ترادف عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی

ترجمہ رضی الاسلام ندوی اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۸۸ء

۵۴۔ طلاق اور عدت کے مسائل قرآن مجید کی روشنی میں شہاب الدین ندوی

جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۹ء

۵۵۔ قرآن کا معیار حلت و حرمت اور تمباکو ابن احمد اکتوبر، نومبر ۱۹۸۹ء

مضامین کی اس طویل فہرست میں ان مقالات کے نام قصداً نہیں لکھے گئے ہیں جو بالاقساط شائع ہوتے رہے اور بعد میں ندوۃ المصنفین سے کتابی شکل میں

شائع ہوئے جیسے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا قسط وار مضمون "فہم قرآن" جو بعد میں اسی نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔

ان مضامین کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں قرآن پر جو کام ہورہا ہے اس میں تدریجی ارتقاء کی بھی جھلک ہے نیز اس کی تفہیم میں نئے علوم اور سائنس سے بھی مدد لی گئی ہے جیسے چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں (مارچ اپریل ۷۰) از مولوی شہاب الدین ندوی یا قرآن اور کلوروفل (اپریل تا جولائی ۷۱) از مولوی شہاب الدین ندوی یا خلافت ارضی اور سائنس اور ٹکنالوجی کی اہمیت قرآن کی نظر میں از مولانا سعید احمد اکبر آبادی مئی ۸۱، قرآن حکیم اور علم الحیوان از مولوی عبد القیوم ندوی جنوری فروری ۱۹۴۲، جوہری بادل اور قرآن کی ایک پیش گوئی کرنل خواجہ عبد الرشید جولائی ۸۴ ہیں۔

دیگر کتب سماوی سے تقابل کے سلسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی کے قسط وار مضامین جن میں تورات اور قرآن کے دس احکام سے بحث کی گئی ہے۔

حواشی

۱۔ معارف اعظم گڑھ جلد ۱۱۳، ستمبر ۱۹۷۳ء

۲۔ معارف اعظم گڑھ اگست، ۱۹۵۲ء

۳۔ گیلانی مولانا مناظر احسن، تدوین قرآن ص ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ندوۃ المصنفین، دہلی

۴۔ حوالہ بالا ۳۶، ۶۹ تا ۷۲، ایضا

۵۔ معارف اعظم گڑھ ص ۳۹۶، نومبر، ۱۹۵۰ء

۶۔ قدوائی ڈاکٹر سالم، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۳، ص ۹۸ تا ۱۰۴

۷۔ معارف اعظم گڑھ جلد ۱۰۳، جنوری، ۱۹۶۹ء (تبصرہ تفسیر مظہری پنجم، ششم)

۸۔ میر ولی الدین ڈاکٹر، قرآن اور تعمیر سیرت، ندوۃ المصنفین دلی، ۱۹۶۰ء، طبع دوم موضوعات کتاب۔

۹۔ اکبر آبادی سعید احمد، وحی الٰہی، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۴۱ء، ص ۷، ۲۳، ۵۴، ۶۱، ۶۸

۱۰۔ معارف اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۴ء

۱۱۔ ایضا مارچ، ۱۹۵۸ء

۱۲۔ الفرقان لکھنؤ، جولائی، ۱۹۵۹ء

۱۳۔ برہان ندوۃ المصنفین دہلی۔ اکتوبر، ۱۹۶۱ء

۱۴۔ امین محمد تقی، حکمۃ القرآن ندوۃ المصنفین دہلی۔ ۱۹۶۰ء ص ۱۸ تا ۳۸

۱۵۔ معارف اعظم گڑھ، اپریل، ۱۹۸۷ء

حدیث اور علوم حدیث میں ندوۃ المصنفین کی خدمات

علوم اسلامیہ میں تفسیر کے بعد "کلام نبوت" اور سیرت پاکؐ ایسے موضوعات ہیں، ہر دور میں جن پر عقیدت اور محبت کے ساتھ لکھے جانے کے بعد بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس بحر بیکراں کے لیے سفینہ کی ضرورت ہے۔ ہر تفصیل کے بعد بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اب بھی کچھ کی کچھ تشنگی باقی رہ گئی ہے۔

لالہ وگل کو تجھ سے کیا نسبت   نامکمل سے استعارے ہیں

کیونکہ کسی بھی مصنف کا قلم سیرت پاک جیسے موضوع کا حق ادا نہیں کرپاتا۔ اس لئے جیسے جیسے انسانی ذہن ارتقائی مدارج طے کرتا جارہا ہے، کلام نبویؐ اور سیرت طیبہ کی نئی نئی جہات بھی سامنے آتی جارہی ہیں لیکن اب بھی روز اول لگتا ہے کہ

بسیار عشوہاست بتاں را کہ نام نیست

(محبوبوں میں ایسی بہت سی ادائیں ہیں جن کے نام ابھی ایجاد نہیں ہوئے ہیں)

ندوۃ المصنفین نے حتی المقدور اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اس سلسلہ میں بھی اپنے معیار اور انتخابیت کو برقرار رکھے چنانچہ جہاں اس نے مصنفین سے اس موضوع پر نئے انداز واسلوب کی کتابیں لکھوائیں۔ وہیں عربی میں لکھی گئی بعض اچھی کتابوں کے ترجمے بھی کروائے۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے، ندوۃ المصنفین نے مولانا بدر عالم میرٹھی کی

"ترجمان السنة" کئی جلدوں میں شائع کیں جو اپنے طریقہ انتخاب اور اسلوب کے لحاظ سے انفرادی حیثیت کی حامل ہیں۔

علامہ المنذری کی "الترغیب والترھیب" مترجمہ مولانا عبد اللہ طارق بھی اسی سلسلہ کی کتاب ہے جو اپنے دور تصنیف کے بعد سے مشہور و متداول ہے۔

"علم حدیث" کی تاریخ اور اس کے استناد پر مسلمانوں اور مستشرقین کا ایک طبقہ ہمیشہ سے معترض رہا ہے جس کا خاص سبب ان کی کم علمی اور ناواقفیت ہے۔ انہیں شاید یہ علم نہیں کہ یہ کلمات یا اقوال اس شخصیت کے ہیں جس کے اصحاب کرام نے کبھی اس کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیا، جس کی پیشانی مبارک سے بہے ہوئے پسینے تک کو محفوظ کر لیا۔ جس کے لیے مسلمان آج بھی فداہ امی وابی (ان پر میرے ماں باپ قربان) لکھتے ہیں۔ مولانا سید منت اللہ رحمانی نے تاریخی طور سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقوال رسولؐ آپ کی زندگی ہی سے محفوظ کیے جانے لگے تھے۔ وہ لوگ جو اسناد کے علاوہ متن حدیث پر شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں، ان کے لیے مولانا تقی امینی نے "حدیث کا درایتی معیار" لکھی۔ "زاد المعاد سیرۃ خیر العباد" کی ترتیب و تالیف میں مولانا قاضی زین العابدین نے حُب رسول کا ثبوت دیا ہے۔

ہاں اس موضوع سے متعلق دوسرے حصوں جیسے مصطلحات الحدیث وغیرہ پر الگ سے کوئی کتاب نہیں لکھوائی گئی ہے لیکن ترجمان السنۃ کی جلد اول ایک حد تک اس کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ ایک کمی اور محسوس ہوتی ہے کہ حدیث کے جو مختلف نوع کے مجموعے عربی میں ترتیب دیے گئے ہیں، ندوۃ المصنفین کو ان کے

ترجمے بھی کروانے چاہیے تھے۔

آئندہ صفحات میں ہم نے یہی چیزیں ذرا تفصیل سے لکھی ہیں۔ یہاں مختصراً ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اگلے صفحات میں علم حدیث سے متعلق ندوۃ المصنّفین سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان پر تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔

ترجمان السنّۃ (جلد اول)

مولانا سید بدر عالم صاحب مدنی

ترجمان السنۃ اپنی تمام جلدوں سمیت، ندوۃ المصنّفین کی قابل قدر مطبوعات میں سے ایک ہے۔ کتاب کے اغراض و مقاصد سے بحث کرتے ہوئے خود فاضل مؤلف نے "مقدمہ" میں بڑے جرأتمندانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

> "احادیث نبویہ پہلی صدی کے آخر سے لے کر تیسری صدی تک مختلف مقاصد کے پیش نظر مختلف حیثیتوں اور ترتیبوں کے ساتھ باضابطہ جمع ہوتی رہیں اور محدثین کی مساعی جلیلہ و جمیلہ بلا شبہ اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ فنون حدیث کے لحاظ سے اب کسی نئی تالیف و ترتیب کا تخیل بھی دماغ میں لانا دشوار ہو گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے نئے تقاضے اور نئی نئی ضرورتیں ہوتی ہیں اس لئے اس جمود کی اور جمود پر اصرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اب کسی تالیف و تصنیف کی جانب جدید اسلوب کے ساتھ قدم اٹھانا بھی جرم سمجھا جائے"۔(۱)

دوسری طرف ہمیں اس کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ ان کتب میں جو

ابواب و تراجم ایک خاص فضا اور خاص ماحول میں ہی اہم سمجھ لئے گئے تھے، آج بھی ان کو اسی نظر سے دیکھے چلے جانا، وہی جہمیت کی تردید، معتزلہ و خوارج کے ساتھ وہی جھگڑے۔۔۔ قرآن کریم کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی وہی قدیم بحثیں زیر تحقیق لائے چلے جانا، ایک ایسی زمین پر مالکیت و شافعیت کے لئے صف آرائی کرنا جہاں کوئی شافعی ہے نہ مالکی، علم و فکر کے ان مظاہروں کو ہرگز اقتضائے علم نہیں کہا جا سکتا(۲)۔ اگر امام بخاری اس زمانہ میں موجود ہوتے تو اپنی مجتہدانہ شان وقت رسی، دقیقہ سنجی اور امت کے ضرورتوں کے متعلق نبض شناسی اور درد مندی کی وجہ سے اپنے بابوں، ترجموں اور عنوانوں کا رخ جہمیت و اعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً ان ہی مسائل کی طرف پھیر دیتے جو ہمارے وقت کے الجھے ہوئے نئے مسائل کہلاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج بھی بخاری میں اجتماعیات و اقتصادیات اور دیگر مسائل کی جانب ایسی اہم تحقیقات موجود ہیں کہ اگر کوئی ذی علم ان سے استفادہ کرنا چاہے تو بہت کچھ استفادہ کر سکتا ہے اور انہیں جدید اخذ و استنباط کی بنیاد قرار دے سکتا ہے۔(۳) اور بلا شبہ وقت کی شدید ترین ضروریات میں یہ اہم ترین ضرورت باقی ہے کہ اس وقت احادیث نبویہ پر اس نقطۂ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ بین الاقوامی اور اجتماعی مسائل میں دین کامل کی ہدایات کیا ہیں اور فرمودات نبوی میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور الجھنوں کا کیا حل پیش کیا گیا ہے کسی زمانہ میں عدم اہمیت کی وجہ سے اگر ترتیب و تدوین احادیث کا یہ طریقہ بروئے کار نہیں لایا گیا تو اس دور کی ضرورتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسے چھپے ہوئے اور دبے ہوئے عنوانات ابھارے

جائیں اور ان کو اسلوب جدید کے ڈھانچے میں ڈھالا جائے۔

اسی ضرورت اور تقاضے کے تحت مولانا موصوف نے بڑی عرق ریزی کے بعد اپنی کتاب ترتیب دی ہے اور اپنے مافی الضمیر کو ۴ جلدوں میں ادا کیا ہے۔

یہ ایک بڑا مجتہدانہ قدم تھا لیکن اس کی انجام دہی کے لئے بڑی عالمانہ وسعت ذہن، احادیث پر عبور اور محققانہ بصیرت کی ضرورت تھی۔ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اس ذمہ داری سے بحسن خوبی عہدہ برآ ہوئے۔

پہلی جلد ان خاص عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱۔ حدیث افتراق امت (مضمون کی شکل میں برہان میں شائع ہو چکا ہے، دیکھیے شمارہ مئی، جون، جولائی، اگست، ۱۹۴۶ء)

۲۔ حدیث کی صحت پر معنوی قرائن

۳۔ لفظ اختلاف کی توضیح

۴۔ اسباب اختلاف و تفریق

۵۔ فرقہ ہائے مختلفہ کی تعیین

۶۔ فرقہ ناجیہ کی تحقیق

۷۔ حجیت حدیث

۸۔ اسوہ رسولؐ اور کتاب اللہ

۹۔ احادیث رسولؐ کے بیان ہونے کی تفصیل

۱۰۔ خبر واحد کی حجیت

۱۱۔ ظن و علم کے مفہوم پر ایک نظر

۱۲۔ اسلام میں تنقید و تبصرے۔

۱۳۔ کتاب التوحید۔

۱۴۔ خاتم النبیین

۱۵۔ اسلام میں رسول کا تصور

۱۶۔ ایمان کی تعریف پر اجمالی نظر

۱۷۔ ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

۱۸۔ کتاب الایمان والاسلام

۱۹۔ ان وفود کا ذکر جو اسلام وایمان کی تحقیق کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اصل کتاب، کتاب التوحید سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کے ۲۷۲ صفحات میں علم حدیث اور اس سے متعلقہ مباحث سے بحث کی گئی ہے اور اس کے تمام گوشے اجاگر کئے ہیں۔ کتاب التوحید سے ان گنت ذیلی عنوانات مقرر کئے گئے ہیں اور ہر عنوان کے حساب سے پہلے حدیث کا متن نقل کیا گیا ہے جس میں باقاعدگی سے حوالے دئے ہیں۔ نیچے حدیث کا عام فہم اور سادہ زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے۔ حاشیہ میں ضرورت کے مطابق اس سے مستنبط فقہی احکام دے دئے گئے ہیں، پھر یہی انداز دوسرے ابواب میں بھی اپنایا گیا ہے۔

مولف کتاب نے خود ہی یہ بات لکھی ہے کہ اشاعت میں بڑی عجلت درکار تھی، اس لئے کہیں کہیں اس عجلت کا اظہار ہو جاتا ہے، چنانچہ کتاب میں کچھ فروگذاشتیں نظر آجاتی ہیں۔

اس جلد میں، موضوعات کی تفسیر کے لئے ۲۵۰ احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے، اس جلد کے موضوعات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے مقدمہ میں حدیث کی جس نئی تبویب کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے خود اس پر عمل کیا ہے، احادیث کو دیکھ کر مصنف کے اس دعوے کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ ان کے انتخاب میں انہوں نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے اور دائرہ انتخاب کو اتنی وسعت نہیں دی ہے کہ اس میں موضوع احادیث جگہ پا جائیں اور نہ ہی اسے اتنا تنگ کیا ہے کہ ذخیرہ احادیث سے انتخاب مشکل ہو جائے۔ چنانچہ اگر کسی معتمد محدث نے کسی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو انہوں نے اسے بھی اپنے انتخاب میں شامل کر لیا ہے، لیکن اس عمل میں مصنف سے کہیں کہیں چوک بھی ہو گئی ہے کیونکہ جہاں تک صحیحین کا تعلق ہے ان سے حدیث کا انتخاب مناسب ہے، لیکن ترمذی سے ماخوذ احادیث میں جہاں جہاں امام ترمذی نے کچھ احادیث پر حکم لگایا ہے، ان کے لئے رواہ الترمذی کے ساتھ اس حکم کا ذکر بھی کر دینا چاہیے تھا۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء کے معارف میں اس جلد پر ایک مفصل تبصرہ شائع ہو چکا ہے جس میں جلد اول کے تمام موضوعات پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔(۴)

ترجمان السنۃ

(جلد دوم)

ترجمان السنۃ کی جلد دوم کی ابتدا حدیث نمبر ۲۵۲ سے ہوئی (کیونکہ جلد اول کے صفحہ ۲۶۲ اور ۲۶۳ پر دو حدیثوں کا ایک ہی نمبر لکھا ہوا ہے) اور اس جلد کی

آخری حدیث کا نمبر ۴۸۴ ہے یعنی جلد دوم ۴۳۲ احادیث کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے جن کا تعلق درج ذیل موضوعات سے ہے۔

۱۔ ایمان بالغیب
۲۔ یقین، ایمان
۳۔ صحابہ کا ایمان
۴۔ مومن کی صفات
۵۔ شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام
۶۔ نفاق و منافقت

ہر عنوان کے تحت بہت سے ذیلی عنوانات مقرر کئے گئے ہیں۔ ابواب الایمان کی تکمیل کے بعد دیگر احادیث کی کتب کے برخلاف اشراک باللہ اور نفاق کے ابواب ذکر کئے گئے ہیں۔ (۵) یہاں بھی ہر موضوع سے متعلق احادیث مہیا کی گئی ہیں، نیچے اس کا سلیس ترجمہ دیا گیا ہے اور جہاں جہاں حواشی کی ضرورت تھی وہ بھی دیئے گئے ہیں۔

ترجمان السنّہ

(جلد سوم)

تیسری جلد بھی پہلی دو جلدوں کی طرح کتاب الایمان کا ایک تکملہ ہے جس میں ایمان کے دو اہم ابواب سے بحث کی گئی ہے، پہلا باب قضاء و قدر کا ہے اور دوسرا "انبیاء" کا۔ ان دو موضوعات کے شروع کرنے سے پہلے ایک بسیط مقدمہ

بھی لکھا گیا ہے، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ سے کئی طویل اقتباسات دیئے گئے ہیں۔

اس جلد کی پہلی حدیث کا نمبر ۸۸۵ ہے اور آخری حدیث کا نمبر ۱۳۸۰ ہے یعنی ان احادیث کی مجموعی تعداد ۴۲۳ ہے۔ پہلی حدیث (۸۸۵) کا تعلق قضاو قدر پر ایمان سے ہے۔ قضاو قدر کا مسئلہ بڑا نازک ہے اور اس پر انصاف کے ساتھ لکھنا بڑا مشکل کام ہے لیکن مصنف اس مقام سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جہاں جہاں ان کو اپنی بات کی تائید و تاکید کے لئے علماء سلف کے نتائج فکر کی ضرورت پیش آئی ہے مولانا نے بلا تکلف ان سے استفادہ کیا ہے اور اپنے نتائج فکر سپرد اوراق کئے ہیں اور تمام اشکالات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

انبیاء کرام کے سلسلہ میں مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ وہ ان کا صحیح مقام واضح کر دیں، چنانچہ انہوں نے نبوت کی حقیقت اور اس کی ضرورت پر زد بسیط مضامین شامل کر دئے ہیں۔ پھر سب سے پہلے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ کیا ہے، اور تفصیل سے کیا ہے، اسی ضمن میں عصمت انبیاء سے بھی بحث کی ہے اور متعلقہ احادیث نقل کر دی ہیں۔ پھر حضرت آدمؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ سب سے آخر میں عیسیٰؑ کا تذکرہ درج ہے جس میں ان کے اٹھائے جانے اور ان کے دوبارہ نزول پر بڑی محققانہ بحث کی ہے جس میں انہوں نے جدید طرز فکر اور نئے رجحانات کا بھی لحاظ کیا ہے۔ ہاں اپنی بات کی تائید کے لئے کہیں کہیں ضعیف

روایات بھی قبول کرلی ہیں اور ساتھ ہی اُس کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس کی وجہ بھی بتادی ہے۔

> "مجموعی حیثیت سے ترجمان السنۃ، نہایت مفید، جامع اور موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ایک محققانہ کتاب ہے اور اس کا مطالعہ احادیث کے اساتذہ، طلبہ اور جدید تعلیم یافتہ طبقے سب کے لئے یکساں مفید ہے"(۶)

نیز اس جلد پر الفرقان، لکھنؤ کے ستمبر ۱۹۵۷ کے شمارہ میں بھی ایک تبصرہ شائع ہوچکا تھا، اسے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔(۷)

ترجمان السنّۃ

(جلد چہارم)

ترجمان السنۃ کی چوتھی جلد معجزات سے متعلق ہے حالانکہ پہلی جلدوں میں بھی کئی جگہ معجزات کا ذکر آچکا ہے، یہ جلد معجزات پر ایک مضمون سے شروع ہوتی ہے جو ۱۱۳ صفحات پر محیط ہے۔ صفحہ ۱۱۴ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے جس کی پہلی حدیث کا نمبر ۱۳۰۹ ہے اور آخری حدیث پر ۱۷۱۴ نمبر دیا گیا ہے یعنی اس موضوع پر ۴۰۶ احادیث پیش کی گئی ہیں، موضوعات مختصراً اس طرح ہیں۔

۱۔ قرآن کی نظر میں معجزہ کی حقیقت ۔

۲۔ قرآن کی نظر میں حسی معجزات کی حیثیت

۳۔ معجزہ و سحر

۴۔ آنحضورؐ کے معجزات پر ایک اجمالی نظر

۵۔ تواتر معجزات

۶۔ تعداد معجزات

۷۔ تقلیل معجزات کے دواعی و مساعی

۸۔ تاویل معجزات

۹۔ معجزات پر تصنیفات اور ان کی محدثانہ حیثیت

۱۰۔ معجزات اور آیات بینات کے فرق پر نظر ثانی

اس جلد میں معجزات کے متعلق ہر قسم کی روایات کی بکثرت موجودگی سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ مصنف علماء کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو معجزات اور اس کی کثرت ہی کو نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور رسول کی بڑی فضیلت سمجھتا ہے اور انہیں علماء کے ان معقولیت پسند طبقے سے اختلاف ہے جو معجزات کو مانتا تو ہے لیکن ان سے متعلق روایات کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد یا تو انہیں رد کرتا ہے ورنہ انہیں قبول کرتا ہے کیونکہ اس طبقے کی نظر میں آنحضورؐ کا اصل معجزہ قرآن، اس کی بلاغت اور اس کی لافانی تعلیمات نیز آنحضورؐ کی سیرت اور آپ کی مثالی شخصیت و کردار ہے لیکن چونکہ ہر زمانہ میں اور بالخصوص اس زمانہ تک قبول حق کے لئے معجزات، خرق عادات کے مطالبے ہوا کرتے تھے اسی لئے انبیاء کرام کو اس "قوت" سے بھی نوازا گیا تھا اور یہی چیز آنحضورؐ کو بھی عطا کی گئی تھی۔

اس موضوع پر بحث کرتے وقت مصنف کے قلم سے کچھ بد احتیاطیاں بھی

ہو گئی ہیں۔ چنانچہ معجزات کی بکثرت روایات کے ناقد علماء پر گفتگو کرتے وقت اپنی رائے میں غلو کا اظہار کر دیا ہے اور انہیں معجزہ کا منکر اور بد عقیدہ تصور کیا ہے اور پورا زور اس کوشش میں صرف کر دیا ہے کہ معجزات سے متعلق زیادہ سے زیادہ روایتیں اکٹھا کر دی جائیں جس کے نتیجے میں وہ اس کتاب کی جلد اول میں مکتوب اس وعدے سے بھی دور ہو گئے ہیں کہ ترجمان السنہ، نئے اذہان اور نئے تقاضوں اور مطالبات کی توقعات پر بھی پوری اترے گی، یہی نہیں بلکہ اس بحث میں انہوں نے معجزات کے سلسلہ میں سیرۃ النبی کے مصنف کو بھی شامل کر لیا ہے۔ (۸)

علوم اسلامیہ سے دلچسپی رکھنے والے قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ معجزات کے سلسلہ میں سیرۃ النبی کی بحث، جدید طرز فکر کے مسلمان اور غیر مسلمان کے لئے کتنی قابل قبول ہے یا ان سے کس حد تک داد تحسین وصول کر چکی ہے۔ ترجمان السنہ کے مصنف نے اس ضمن میں جو تمام روایات جمع کی ہیں انہیں دیکھ کر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بہت ساری روایات، جدید ذہن کے لئے اگر ناقابل قبول نہیں تو انہیں شک میں تو ضرور مبتلا کر دیں گی۔ ایک نبی کے لئے اس بات کی کوئی ضرورت یا اہمیت نہیں ہے کہ کسی ہرن، گوہ (سوسمار) یا پتھر سے اس کی نبوت کی شہادت دلوائی جائے۔ جو لوگ ان شہادتوں کو مشکوک سمجھتے ہوئے بھی آنحضورؐ کی نبوت اور ان کے معجزات پر یقین ایمان رکھتے ہوں ان کو بد عقیدہ یا کمزور عقیدے کا مسلمان ثابت کرنا بے فائدہ ہے اور اس سلسلہ میں زور قلم صرف کرنے سے اچھا ہے کہ دیگر تعمیری مسائل پر ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال کیا جائے۔

اسوۂ حسنہ

مولانا ظفیر الدین

کتاب کا تعلق سیرت طیبہ کے اس دور سے ہے جب آپ کو اشاعت اسلام کے سلسلہ میں قسم قسم کے مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ اپنوں نے ساتھ چھوڑا، اقربا غیر بن گئے، کوئی بات سننے کو تیار نہیں کبھی طعن و تشنیع کا سامنا تو کبھی لوگوں کے بائیکاٹ کا مقابلہ، حد یہ ہے کہ کبھی کبھی آپ کو جسمانی تکلیف بھی پہنچائی گئی۔ کوئی راہ میں کانٹے بچھاتا، کوئی سر مبارک پر گندگی پھینکتا، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سر مبارک دھوتی جاتیں اور روتی جاتیں اور آپ صبر کی تلقین فرماتے کہ یہ سب راہ کی آزمائشیں تھیں، ان سب سے سرور کائنات کی عزیمت اور ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کتاب میں ان لوگوں کے لئے جو تبلیغ اصلاح اور اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیتے ہیں بڑی نصیحت، سبق اور ہمت افزائی ہے کہ اس کار عظیم میں تمام کوہ گراں سامنے آتے ہیں اور ان سب کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے، ہمت نہیں ہارنی چاہیے اور نہ ہی کم ہمتی اور دل شکستگی کا شکار ہونا چاہیے۔

کتاب میں اگر زبان کی غلطیاں نہ ہوتیں تو بہت اچھا تھا، بعض ایسی فاش غلطیاں ہیں جو ذوق سلیم پر گراں گزرتی ہیں۔

کتاب حدیث

مولانا منت اللہ رحمانی

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے یہ کتاب منکرین حدیث کے جواب میں لکھی ہے اور ان کا مقصد فتنہ انکار حدیث کا سد باب کرنا ہے۔ کتاب کے شروع میں شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی کا ایک مختصر اور مبارک تعارف تحریر فرمایا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں ان کی رائے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت مولانا کہتے ہیں کہ "حضرت مؤلف موصوف نے بہت سے صحیح اور عمدہ مضامین درج فرمائے ہیں جن سے بہت سے علمائے زمانہ ناواقف ہیں۔ ان مضامین کاملہ نے ہمارے علوم میں بہت سا اضافہ کیا ہے" (۹) دوسرا تعارف مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کے مندرجات کے بارے میں فرمایا ہے کہ "حضرت سید منت اللہ رحمانی سجادہ آرا خانقاہ رحمانیہ نے اس میں یہ دکھایا ہے کہ صحاح ستہ کی تدوین سے پہلے بھی ہر قرن اور ہر دور میں علاوہ تعامل و توارث اور روایت کی دو مستقل راہوں کے کتابت کے ذریعہ بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں اگلی نسلوں سے پچھلی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی ہیں" (۱۰) مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے کتاب کے مقدمہ میں اس تصنیف کی غرض و غایت بتادی ہے۔ اصل کتاب صفحہ ۸ سے شروع ہوتی ہے جس میں مولانا نے اس بات کی تردید کی ہے کہ حدیث کی کتابت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے دلیل کے طور پر حجۃ الوداع کے موقع پر

آنحضورؐ کے خطبہ سے یہ الفاظ دیئے ہیں کہ:
جو لوگ حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں کو میری حدیثیں پہنچادیں (۱۱) پھر اگلے صفحات میں مولانا نے بہت ساری روایتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضورؐ نے بہت سے مواقع پر کئی باتوں کے لئے لکھنے کا حکم دیا۔ آپ نے مختلف بادشاہوں کو جو خطوط بھیجے تھے وہ تحریری شکل میں تھے۔ پھر اسی وقت بہت سے صحابہ کرام آنحضورؐ کی کہی ہوئی باتیں (احادیث) قلمبند کرلیا کرتے تھے (۱۲) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے احادیث لکھ کر جو مجموعہ تیار کرلیا تھا اس کا نام "صادقہ" رکھا تھا (۱۳) اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد ۵ ہزار کچھ سو سے بھی زیادہ ہے (۱۴) اور خود اس مجموعہ "صادقہ" میں احادیث کی تعداد ۵ ہزار تین سو چوہتر سے بھی زیادہ ہے (۱۵، ۱۶) مولانا نے صفحہ ۵۴ پر ایک جدول بھی دی ہے اس میں چند صحابہ کے اسمائے گرامی لکھ کر ان سے روایت کردہ احادیث کی تعداد بھی دی ہے جو سب قلمبند کی ہوئی تھیں اور آگے چل کر مولانا نے ایک بڑا معقول سوال ان لوگوں سے پوچھا ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ کی مسلسل اور مستند روایات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ "اگر بخاری اور مسلم وغیرہ کی مسلسل اور مستند روایات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے اور ایسی معتمد کتابوں کو ناقابل وثوق قرار دیا جاسکتا ہے تو تاریخ کے پورے ذخیرہ کا کیا حال ہوگا، اور تاریخ کی کتابیں جن کی بنیاد پر آج قومیں اپنے مستقبل کی تعمیر کررہی ہیں، کیوں کر معتبر سمجھی جائیں گی اور جب حدیث کا ایسا مستند اور معتبر ذخیرہ اعتماد کے قابل نہیں ہے، تو زمانہ قدیم کے متعلق جو حالات و

واقعات بھی ہم تک پہنچے ہیں کیا سب کے سب نذر آتش کر دینے کے لائق نہیں ہیں ؟(۱۷) ۸۲ صفحات کی یہ کتاب اپنے موضوع کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مولانا نے بار بار امہات الکتب سے حوالے دیئے ہیں اور حدیث کی مستند کتابوں کے حوالے حاشیے میں دیے ہیں، کتاب پڑھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حدیث کی کتابت کا کام آنحضورؐ کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ روایات کو اسناد کے ساتھ یوں کہیے کہ واقعات کو ان کے راویوں کے ناموں کے ساتھ یاد رکھنا اور ان کو بیان کرنا عربوں کی خاص چیز تھی جو ان کو نسلاً بعد نسلاً ملتی چلی آ رہی تھی، نیز یہ بھی کہ یہ باتیں جو احادیث کے نام سے محفوظ کی گئی ہیں کسی معمولی آدمی کی باتیں نہیں تھیں۔ یہ اس ذات بابرکات کی باتیں تھیں جس کے وضو کا پانی صحابہ کرام گرنے نہیں دیتے تھے بلکہ جوش عقیدت میں اپنے اوپر مل لیتے، پی لیتے یا اسے محفوظ کر لیتے۔ جب عقیدت کا یہ عالم ہو تو اس کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات کو صحابہ کرام یہ اہمیت کیوں نہ دیتے کہ انہیں باضابطہ اور باقاعدہ لکھ کر محفوظ کر لیں۔

حدیث کی کتابت کے موضوع پر ایک اہم کتاب جس میں تاریخی طور سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حدیث پر شک و شبہ کرنا صحیح الدماغی کی دلیل نہیں ہے۔ علمائے حدیث اور وہ لوگ جنہوں نے حدیث کے مجموعوں کو ترتیب دیا ہے، وہ حدیث کے معاملہ میں کتنے محتاط اور امین ہوتے تھے، اس کی کئی مثالیں مصنف نے کتاب میں مہیا کی ہیں اور مثال کے طور پر امام بخاری وغیرہ کے ان واقعات کو درج کیا ہے کہ وہ دو رکعت نماز کے بغیر حدیث نہیں لکھتے تھے۔

العلم والعلماء

مترجم : مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

اصل مصنف اور اس کتاب کے مترجم دونوں ہی علمی حلقے کے لئے جانی پہچانی شخصیات ہیں۔ "علامہ ابن عبدالبر" کا شمار اسپین کے مشہور علماء میں کیا جاتا ہے اور ان کی کتاب "جامع بیان العلم وفضیلتہ" بڑی مشہور و معروف کتاب ہے جو علم وعلماء کے موضوع پر بے مثال ہے کیونکہ ان دونوں موضوعات سے متعلق جو کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے علامہ موصوف نے اس کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ کتاب کا اصل موضوع "علم" ہے۔ علم کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت مقرر کرنے کے لئے اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ اسلام نے علم کو جو اہمیت دی ہے اور مسلمانوں نے ہر دور میں اس کی جس طرح قدر کی ہے اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے کتنی جانفشانی اور اخلاص عمل کا ثبوت دیا ہے یہ سب اس کتاب میں موجود ہے۔ اسلام کے نزدیک اصل علم وہ ہے جو نور نبوت سے ماخوذ اور انسان کو اشرف المخلوقات کے رتبہ کا مستحق بنائے ؛ جو اس کی روحانی، مادی، دینی اور دنیوی زندگی کو مقام اعلیٰ وارفع پر پہنچائے۔ اگر علم سے یہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے تو وہ علم نہیں ہے۔ اسی لئے آنحضورؐ نے فرمایا تھا کہ **اللھم اعوذبك من علم لا ینفع** (خدایا میں بے فائدہ علم سے پناہ مانگتا ہوں) نفع سے مراد یہی ہے کہ انسان اور انسانیت کو رفعت وبلندی نصیب ہو۔

مترجم نے کتاب کے لئے ایک بہت اچھا مقدمہ بھی سپرد قلم کیا ہے جس

میں دنیا کی قدیم علمی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے، پھر یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچادیا اور اس میں کتنے انقلاب آئے۔ مترجم نے کتاب کے آخر میں امام شافعی کا وہ سفر نامہ بھی شامل کردیا ہے جو انہوں نے طلب علم کے لئے کیا تھا۔

ترجمہ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی کا ہے جن کی عربی دانی اور اردو تحریر دونوں ہی مسلم ہیں۔

انتخاب الترغیب والترھیب

مولانا طارق عبد اللہ دہلوی

"ندوۃ المصنفین" نے جہاں بہت سے نئے موضوعات اور عصری مسائل پر ماہرین علماء سے تحقیقی کام کرواکے ان کی اشاعت کی ہے، وہیں علوم اسلامیہ پر عربی کی بہت سی کتابوں کے ترجمے بھی شائع کروائے ہیں، انہیں میں حافظ ذکی الدین عبد العظیم المنذری کی مشہور کتاب الترغیب والترہیب بھی ہے جس کی تین جلدوں کا ملخص اردو ترجمہ مولانا عبد اللہ طارق دہلوی کے قلم سے ہوا ہے۔ مولانا اس کتاب اور صاحب کتاب پر اس سے پہلے بھی برہان اگست ۱۹۷۲ء، دسمبر ۱۹۷۲ء اور جنوری ۱۹۷۳ء میں چند مضامین سپرد قلم کرچکے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مترجم نے ایک طویل فاضلانہ مقدمے کا اضافہ کیا ہے۔ تقریباً ڈھائی سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ مقدمہ، امام منذری کی سوانح حیات، ان کی کتاب کی خصوصیات، اس کے محاسن، اس کتاب کے دیگر تراجم، اس کی تلخیصوں، شرحوں اور ضمیموں پر مشتمل ہے، ساتھ ہی اس کتاب میں جن دیگر کتب کا تذکرہ

ہے ان کی بھی تحقیق کی گئی ہے اور ایسی ۵۰ دیگر کتب کا بھی تذکرہ کردیا ہے جن کے نام اس کتاب میں مذکور نہیں ہیں لیکن ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مترجم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فن حدیث کی اصطلاحات، اس کی شرعی حیثیت، تدوین حدیث کی مختصر تاریخ کے ساتھ ساتھ ممتاز محدثین کے حالات زندگی بھی درج کردیے ہیں۔ اس طرح صرف مقدمہ ہی ایک الگ کتاب کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔

جیسا کہ "الترغیب والترہیب" کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ کتاب اعمال کے اجر و ثواب اور ان پر باز پرس ان کے عذاب و عتاب پر لکھی گئی ہے اور اس سلسلے میں کتب حدیث سے احادیث نقل کی گئی ہیں۔ جلد اول کا زیادہ تر تعلق کتاب الطہارہ اور کتاب الصلوۃ سے ہے۔ مترجم نے یہ کوشش کی ہے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ ہر روایت کی تشریح بھی کردیں اور انتخاب میں صحیح روایات کو ترجیح دیں اور اگر حدیثوں اور روایات کی تکرار پیدا کی گئی ہے تو اسے حذف کر کے تلخیص سے کام لیں اس طرح خود کو الترغیب والترہیب میں جو اطناب اور طوالت پیدا ہوگئی تھی، مترجم نے اس میں کمی کردی ہے۔

مولانا عبداللہ دہلوی نے اس بات کی شعوری کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس اور رواں رہے تاکہ اس کی افادیت پڑھنے والوں کے ہر طبقہ کے لئے یکساں رہے۔ ان کی نظر انتخاب نے ترجمہ و تلخیص پر مبنی اس کتاب کو خود اصل کتاب سے زیادہ مفید بنادیا ہے۔ اس جلد میں مذکورہ احادیث کی تعداد ۱۹۰ ہے۔

جلد دوم

جلد دوم ابواب الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الصوم اور نماز عیدین سے تعلق رکھتی ہے جس میں استدلال واستنباط کے لئے ۳۰۰ احادیث کو نقل کیا گیا ہے۔ مترجم نے نہ صرف یہ کہ ترجمے میں احتیاط اور مشاقی سے کام لیا ہے بلکہ جہاں جہاں اصل کتاب میں بھی کوئی سقم نظر آیا ہے، اس کی اصلاح کرتے چلے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اصل ماخذ سے رجوع کر کے ان غلطیوں کی تصحیح کر دی ہے اور ناموں میں جہاں جہاں شک وشبہ یا غلطی محسوس کی ہے وہاں اس کی اصلاح بھی کر دی ہے۔ صاحب کتاب نے ایک ہی راوی کو کہیں حسن بن مالک لکھا ہے اور کہیں مالک بن حسن۔ مترجم نے صحیح نام مالک بن حسن دیا ہے اور اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔(۱۸)

علامہ ابن حجر کی "انتقاء الترغیب" سے جو الترغیب والترہیب ہی کی تلخیص ہے، کہیں کہیں مترجم کو اختلاف ہو گیا ہے۔ بعض روایتوں کو ابن حجر نے صحیح یا سقیم سمجھا ہے لیکن مترجم نے اپنی رائے اس سے مختلف دی ہے (۱۹) کہیں کہیں خود فاضل مترجم غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔(۲۰)

یہ کتاب نہ صرف یہ کہ عام پڑھنے والوں کے لئے بہت مفید ہے بلکہ مدارس کے طلباء اور اساتذہ اس سے خصوصی طور سے استفادہ کر سکتے ہیں(۲۱)

جلد سوم

الترغیب والترہیب کی جلد سوئم جن موضوعات پر مشتمل ہے وہ یوں ہیں۔

۱۔ کتاب الحج

۲ کتاب الجہاد

۳ فضائل قرآن و حدیث

جہاں تک احادیث مذکورہ و مستنبطہ کا تعلق ہے تو حج کے سلسلہ میں ۸۷ احادیث، ابواب جہاد میں ۲۰۸ احادیث اور فضائل القرآن میں ۶۵ احادیث ہیں۔ اس طرح اس جلد سوئم میں ۳۶۰ احادیث شامل ہیں۔

فاضل مترجم نے اس جلد میں بھی اپنا سابقہ معیار بر قرار رکھا ہے اور جہاں کہیں کوئی سہو یا سقم نظر آیا ہے پوری جرأت اور عالمانہ دیانتداری کے ساتھ اس کی نشاندہی کر دی ہے۔ اصل مصنف نے کہیں حوالے میں غلطی کی ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

پہلی دو جلدوں کے مقابلہ میں جلد سوئم میں سہو اور تشابہات کی تعداد کچھ زیادہ ہی ہے چنانچہ کم و بیش ۴۲ ایسے مقامات ہیں جہاں اصلاح، تصحیح اور وضاحت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ گذشتہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی مقدمے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس طرح موجودہ جلد صرف ایک ترجمے کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ حدیث اور علم حدیث سے متعلق ایک اہم مجموعے کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

ترجمہ گذشتہ جلدوں کی طرح سادہ، سلیس اور رواں ہے۔ زبان عام فہم ہے، جس میں متن کی صحت اور اصلاح پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

جلد چہارم

۳۵۱ صفحات کی یہ جلد ۱۹۸۱ میں منظر عام پر آئی ہے اس میں مندرجہ ذیل عنوانات ہیں۔ باب اول میں ذکر کے فضائل آداب اور ان سے متعلق دیگر چیزوں کا ذکر ہے۔ باب دوم متعدد قسم کے اذکار اور دعاؤں پر مشتمل ہے۔ اس میں آرام گاہ کے معمولات اور دعاؤں کا ذکر ہے جس میں توبہ واستغفار، درود و سلام اور کتاب البیوع کے تحت خرید و فروخت کا بیان ہے۔

مکارم الاخلاق حصہ اول

شیخ رضی الدین الطبرسی، مترجم: ڈاکٹر میر ولید الدین

یہ کتاب شیخ طبرسی کی کتاب کا ترجمہ اور تلخیص ہے۔ مترجم نے اصل کتاب کے بعض غیر اہم اجزاء کو چھوڑ دیا ہے۔ دونوں اجزاء ملا کر یہ کتاب ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

باب اول آنحضورؐ کے اوصاف مبارکہ سے متعلق ہے۔ اس کو پانچ فصلوں میں بیان کیا گیا ہے۔

باب دوم میں ان آداب مسنونہ کا ذکر ہے جن کا تعلق صفائی، خوشبو اور سرمہ لگانے، تیل ڈالنے اور مسواک کے طریقہ مسنونہ سے ہے۔ یہ باب تین فصلوں میں پھیلا ہوا ہے۔

باب سوم میں ۶ فصلیں ہیں جو آداب غسل سے متعلق ہیں۔

باب چہارم میں، ناخن تراشنے، مونچھیں تراشنے، کنگھا کرنے، آئینہ دیکھنے

اور حجامت کرانے کے آداب ہیں۔ اس باب میں ۴ فصلیں ہیں۔

باب پنجم میں خضاب لگانے کے آداب، خوش پوشی، استعمال زینت، انگوٹھی کا پہننا ٦۔ ٦ فصلوں میں بتایا گیا ہے۔

پھر چھٹے باب میں آداب لباس و مکان اور پھر اس سے متعلق امور کا ذکر ہے۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

ساتویں باب کا تعلق آداب اکل و شرب سے ہے۔ اس میں ۱۳ فصلیں ہیں۔ آٹھویں باب میں نکاح، اس کے آداب اور اس سے متعلق امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب دس فصلوں پر مشتمل ہے۔

نویں باب میں سفر، اور اس سے متعلق دیگر چیزوں کا ذکر ہے۔ اس باب میں ۸ فصلیں ہیں۔

دسواں باب آداب دعا پر ہے۔ اس میں دعا سے متعلق امور و آداب بتائے گئے ہیں۔ یہ باب پانچ فصلوں میں سمیٹا گیا ہے۔

گیارہواں باب آداب مریض سے متعلق ہے جس میں علاج کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

بارہواں باب سات فصلوں پر مشتمل ہے۔

پوری کتاب میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ مصنف پہلے قرآنی آیات سے استدلال پیش کرتے ہیں، اس کی مزید تائید کے لئے احادیث دیتے ہیں۔ پھر اہل بیت کے اقوال اور ان کے اعمال سے اپنی بات ثابت کرتے ہیں، آخر میں مختلف فقہا اور مجتہدین کے اقوال پیش کرتے ہیں اور اگر کہیں اختلاف محسوس ہوتا ہے

تووہ حضرت علیؓ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور انہیں کو اختیار کر لیتے ہیں۔

کتاب کے ایک سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مصنف کو اہل بیت سے تعلق خاص ہے، اسی لئے جابجا اہل بیت کے اقوال نظر آتے ہیں لیکن قابل تعریف بات یہ ہے کہ انہوں نے ہر جگہ بڑے اعتدال اور میانہ روی کا ثبوت دیا ہے اور کہیں بھی قابل تنقید غلو سے کام نہیں لیا ہے جو کسی اختلاف کا سبب بن سکے۔

میر ولی الدین صاحب نے کتاب کا انتخاب اور اس کے ترجمے میں بڑی محنت کی ہے۔ اس کی تلخیص بھی بہت احتیاط اور علمی انتخاب کے ساتھ کی گئی ہے۔ جو اجزاء چھوڑ دیے گئے ہیں ان کے چھوڑنے سے کتاب کے تسلسل اور ربط میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں اس کتاب سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کی ذات کتنی مکمل اور قابل تقلید تھی۔ پھر یہ کہ اصحاب کرامؓ آپ کو کس قدر محبوب رکھتے تھے کہ آپکی روزمرہ کی زندگی کی ایک ایک جزوی تفصیل تک محفوظ کر لی ہے اور یقیناً آپؐ تاریخ کی یکاو تنہا شخصیت ہیں جن کی زندگی کا ہر گوشہ تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے اور ایک مستشرق کا یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ آپؐ تاریخ کی پہلی ایسی شخصیت تھے یا پہلے ایسے پیغمبر تھے جو تاریخ کی پوری روشنی میں پیدا ہوئے۔

کتاب باربار پڑھنے کے لائق ہے اور اس قابل ہے کہ سنت کے سلسلے میں اس سے اپنی روزمرہ کی زندگی میں مدد لی جائے کیونکہ یہ آنحضورؐ کی حیات طیبہ کے شب وروز، آپ کے اوصاف جمیلہ، عادات واطوار اور پسند وناپسند، آپ کے

انداز زندگی، انداز نشست و برخاست، غرض ہر چیز پر مکمل روشنی ڈالتی ہے اور ہم اس کی اتباع کر کے آپ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

حدیث کا درایتی معیار

مولانا حافظ تقی امینی

اسلام اور عصر جدید، دہلی کے ایڈیٹر ضیاء الحسن فاروقی صاحب نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بڑا حقیقت پسندانہ اعتراف کیا تھا کہ "ہمارا خیال یہ ہے کہ اردو میں اس پائے کی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی ہے اس کے لئے مصنف کو مبارکباد دیتا ہوں، انہوں نے یہ کتاب لکھ کر علم دین اور خاص طور پر علم حدیث کی بڑی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔ (۲۲) کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا تعریف میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے کیونکہ ہمارے علمی سرمایہ میں اس موضوع پر بہت کم چیزیں ملتی ہیں۔ حدیث، اس کی روایت و اسناد پر تو کافی مہتم بالشان کام کئے گئے ہیں جن میں ابن جوزی کا نام بہت نمایاں ہے لیکن خود متن حدیث اور اس کی درایت پر کم کام ہوئے ہیں۔ اس کا سبب چاہے محبت، عقیدت، احترام رسول اکرمؐ اور صحابہؓ کی شخصیت سے تعلق رہا ہو یا کچھ اور، لیکن بہر صورت اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے، ہم اسے تنقیدی شعور کی کمی کا نام نہیں دے سکتے ہیں۔ حدیث کی شناخت، پرکھ اور تقسیم و امتیاز کے اصول جب مرتب کئے گئے تو ان تمام کا دائرہ عمل صرف روایت تک محدود رہا، درایت سے بحث ہمارے فقہائے کرام نے ضرور کی، مولانا تقی

امینی صاحب نے یہ کتاب تحریر فرما کر اس کمی یا تشنگی کو ختم کر دیا ہے۔

مولانا نے کتاب کے مقدمہ میں اسی بات کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "ہماری زبان میں روایت حدیث پر تو کام ہوتا رہا ہے لیکن درایت حدیث پر کام کا تسلسل نہ جاری رہ سکا جس کی وجہ سے حدیث کی شناخت اور موقعہ محل کی تعیین میں دشواری پیش آتی رہی ہے اور حدیث کی افادیت گویا ایک دو زمانہ تک محدود ہو گئی ہے۔(۲۳)

کتاب مندرجہ ذیل موضوعات سے بحث کرتی ہے۔

۱۔ نبوت

۲۔ علم نبوت

۳۔ شعور نبوت

۴۔ سفارت

۵۔ فہم حدیث

۶۔ نقد حدیث

مصنف نے پہلے تو درایت کے مفہوم و معانی سے بحث کی ہے جس میں انہوں نے علامہ راغب اصفہانی کی "المفردات" کے حوالے سے یہ واضح کیا ہے کہ "حدث کی صحیح معرفت اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ راوی اور مروی دونوں سے متعلق پوری معلومات ہوں۔" پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مروی یعنی حدیث کے معنی و مفہوم میں عقل، مشاہدے، تجربے، زمانے کے تقاضے، کسی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو، جن سے کسی بھی طرح شان نبوت پر حرف آئے یا فرمودات نبوی میں سطحیت ظاہر ہونے کا

اندیشہ ہو۔" درایت حدیث کی صحیح تفہیم اس وقت تک ناممکن ہے جب تک نبوت، علم نبوت، شعور نبوت اور سفارت کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے۔ ان کے علم اور انہیں اچھی طرح سمجھے بغیر درایت حدیث اور نقد حدیث تک رسائی ممکن نہیں، اسی لئے صاحب کتاب نے ذات نبوی، نبوت و رسالت کی حقیقت اور نبی و رسول کی عظمت کو بخوبی واضح کیا ہے۔ شعور نبوت کی توضیح انہوں نے جس عالمانہ انداز میں کی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہاں انہوں نے " اس علم و ادراک، فہم و بصیرت اور حکمت و نورانیت کی تشریح کی ہے جو نبی کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔ خدا اور نبی کے درمیان رابطہ کا کام فرشتے انجام دیتے ہیں اس لئے سفارت کے عنوان سے ان کا بھی مختصراً ذکر آگیا ہے۔ فہم حدیث کی طویل بحث میں امور دین سے متعلق آنحضورؐ کے تمام ارشادات کو وحی الٰہی سے مستنبط بتایا ہے اور دوسروں کے مقابلے میں آپ کے استنباط کی فوقیت و برتری بھی ثابت کی ہے۔(۲۴)

مولانا تقی امینی صاحب کا اصل میدان فقہ و اجتہاد ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس موضوع پر بھی بے تکلف لکھ سکتے ہیں۔ ایک بات جو ان کی چند دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی محسوس کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ یہ کتاب بھی عام قاری کے لئے نہیں لکھی گئی ہے کیونکہ کئی موضوعات پر لکھتے وقت ان کا انداز بیان فسلفیانہ ہو جاتا ہے اور علم کلام کے انداز کی جھلک آجاتی ہے جو ظاہر ہے عام قاری کی ذہنی سطح سے بلند ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود " حدیث کا روایتی معیار " اپنے موضوعات اور مشمولات سمیت ایک اچھوتے انداز کی کتاب ہے اور اردو میں اس موضوع پر ایک اہم اور منفرد تصنیف

ہے اردو میں اس موضوع پر جو خلا تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔

یہ کتاب مستشرقین اور بہت سے دوسرے دانشوروں کے اس مطالبے کا جواب بھی ہے جو احادیث و سنن کی تحقیق و تجزیہ سے متعلق اکثر و بیشتر کیا جاتا رہا ہے۔ مولانا نے قرآن اور سنت نبوی سے یہ بات ثابت کی ہے کہ نقدِ حدیث کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں۔ اس کے لئے مصنف نے صحابہ کرامؓ کے فرمودات بھی بطورِ سند پیش کئے ہیں۔

یہ کتاب، مقالات کی صورت میں برہان میں بالاقساط بھی شائع ہوئی تھی۔(۲۵)

مآثر و معارف

قاضی اطہر مبارکپوری

یہ کتاب قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کے ان ۲۵ مقالات کے مجموعے پر مشتمل ہے جن کا تعلق تدوین حدیث، علم حدیث کی تاریخ، کتب حدیث و فقہ، اسلامی علوم کے ارتقاء مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں، یورپ میں اسلامی علوم کی ترویج سے ہے، نیز اس میں کئی اسلامی شخصیات، علمی اداروں کے قیام اور مختلف علمی کتابوں کے تعارف اور تبصرے بھی شامل ہو گئے ہیں۔

ہم نے اس کتاب کو، کتب حدیث کے زمرے میں اس لئے رکھا ہے کہ اس کے پہلے دو حصے حدیث، علم حدیث اور کتب حدیث سے متعلق ہیں۔ پہلے حصے میں تدوین حدیث کی مدت کو چار ادوار میں تقسیم کر کے صحابہ کرام، تابعین اور تبع

تابعین کی ان خدمات کا ذکر ہے جو انہوں نے جمع حدیث اور اس کے تحفظ کے سلسلہ میں انجام دی ہیں، ساتھ ہی ان کے احتیاطی اقدامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں احادیث کے مستند مجموعوں، موطا امام مالک اور صحاح ستہ اور ان کی شرحوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جبکہ تیسرے باب میں علم حدیث کے تدریجی ارتقاء سے بحث کی گئی ہے۔

باقی کتاب انتہائی دلچسپ اور معلومات افزا مقالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان مقالات کو پڑھ کر مصنف کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ، باریک بینی اور حسن انتخاب کی داد دینی پڑتی ہے۔ اسی حصہ میں اسلامی تعلیم کا مرکز "دار ارقم" جیسا معلومات سے پر مضمون بھی ہے جس میں اسلام کے دور اول سے لے کر موجودہ صدی تک کی ان خدمات کا ذکر ہے "جو شہر مکہ" سے انجام دی گئی ہیں۔

ہر طبقہ اور ہر پیشہ میں علم اور علماء کے تحت مسلمانوں کی صنعت و حرفت کی تاریخ بھی بیان ہو گئی ہے۔

کتابوں کے تعارف میں "امام محمد کی الحجۃ علی اہل المدینہ، کتاب الآثار ابو بکر حمیدی کی "مسند الحمیدی" خراسانی کی کتاب السنن اور فضل اللہ کی توضیح الادب المقرر شامل ہیں۔ قاضی رشید کی الذخائر والتحف الانباری کی الاضدادی فی اللغۃ، ابو احمد عسکری کی کتاب المصون فی الادب، المراغی کی تحقیق النصرہ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ "المنجد" پر ایک تحقیقی نظر بھی اچھا مقالہ ہے لیکن اس موضوع پر "العربی "کویت میں ایک تفصیلی مضمون اس کتاب سے پہلے شائع ہو چکا ہے۔ پھر المنجد کے اردو ترجمہ کے مقدمہ میں بھی اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کی زبان صاحب کتاب کی شخصیت کی طرح سادہ اور تکلف سے پاک ہے۔ مستشرقین، علامہ ابن حزم اور تاریخ قضاۃ مبارکپور والے مضامین بھی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان سطور کے لکھنے سے دو چار دن پہلے ہی مصنف مالک حقیقی سے جا ملے۔ خدا ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے۔

تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق

مرتبہ : مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

متوسط درجہ استعداد کے قارئین اور طلباء کے لئے عام فہم زبان اور سادہ انداز بیان میں لکھی ہوئی یہ کتاب معلومات افزا اور افادیت کی حامل ہے جس میں مولف نے مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح کو اپنا مرکزی خیال بنایا ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس نظام حیات کی وضاحت کی ہے جس کو اپنا کر دین و دنیا دونوں میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ قد افلح من زکٰھا و قد خاب من دسّٰھا (جس نے نفس کو پاک رکھا وہ دین و دنیا دونوں میں کامیاب ہے اور جس نے اسے آلودہ کیا وہ نامراد) کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا نے ارکان اسلام، توحید، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی اہمیت و افادیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات دکھائے ہیں کہ ایک مسلمان کی زندگی ایسی ہونی چاہے کہ ہر کام میں رضائے الٰہی اس کے سامنے ہو۔

۱۴ صفحات کے آخر میں اضافہ کر کے آپ نے 'تہذیب الاخلاق' کے نام سے تمام مذاہب میں اخلاق کی اہمیت و اولیت کو واضح کیا ہے اور اس کے فوائد بتائے ہیں کہ تزکیہ نفس اسی سے ممکن ہے۔

سیرۃ خیر العباد زاد المعاد

(جلد دوم)

مترجم: قاضی زین العابدین

سرور کائنات کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ کتنے ہی مصنفین نے شروع سے لے کر آج تک آپ کی سیرت طیبہ اور حیات پاک کو اپنے اپنے انداز سے بیان کرنا چاہا لیکن مکمل طور سے کوئی بھی بیان نہ کر سکا۔ تمام اسلامی زبانوں میں اس کی کوشش کی گئی لیکن پھر بھی الفاظ پورا پورا اظہار نہیں کر سکے۔

ابن جوزی کی مذکورہ بالا کتاب بھی انہیں کوششوں میں سے ایک ہے۔ یہ کتاب مصنف کے جذبۂ ایمانی اور حب رسول کی وجہ سے ہمیشہ مقبول رہی، ندوۃ المصنفین نے اردو خواں طبقہ کے لئے جہاں بہت سے نوادرات پیش کئے ہیں، اس کتاب کو بھی ترجمے کی صورت میں چار جلدوں میں شائع کر کے ایک انمول تحفہ دیا ہے۔

ندوۃ المصنفین سے اس کی دوسری تیسری اور چوتھی جلدوں کے ترجمے شائع ہوئے ہیں، تینوں جلدوں میں مندرجہ ذیل موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ان سے متعلق احادیث پیش کی گئی ہیں۔

"قرآن پاک کی تلاوت، سماع، مریضوں کی عیادت، نماز جنازہ، تجہیز و تکفین اور تدوین کا حال، زکوۃ و صدقات کی قسمیں اور ان کی ادائیگی کے طریقے، فرض و نفل روزے، عمرہ، حج، قربانی، آداب گفتگو، اذکار، دعائیں، جہاد، ہجرت اور معراج کی تفصیلات، غزوات و سرایا، فتح مکہ، قضایا اور جمع و نکاح، طلاق اور اس

کی اقسام کی تفصیلات رضاعت، مکاتیب نبوی، اور امراض کے روحانی علاج وغیرہ پر ارشادات نبوی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب سے جہاں سرور کائنات کی زندگی کی تفصیلات مل جاتی ہیں وہیں امت مسلمہ کے لئے ایک مثالی زندگی کی شکل بھی سامنے آجاتی ہے جس کا اتباع کر کے انسان فلاح دنیوی واخروی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

ترجمہ رواں اور شستہ ہے، جہاں جہاں مشکل الفاظ آئے ہیں مترجم نے قوسین میں ان کی تشریح کر دی ہے اور عندالضرورۃ حاشیے بھی تحریر کر دیے ہیں۔
زادالمعاد کی جلد اول کا ترجمہ پاکستان سے ۱۹۶۵ میں شائع ہوا تھا جو رئیس احمد جعفری صاحب کے زور قلم کا نتیجہ تھا۔ اس کی دوسری جلد جو ۳۹۶ صفحات پر مشتمل ہے ندوۃ المصنفین سے ۱۹۷۶ء میں منظر عام پر آئی۔ ۴۴۰ صفحات کی تیسری جلد ۱۹۷۸ء میں اور آخری جلد ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی ہے۔

علم حدیث پر برہان میں شائع ہونے والے مضامین

سابق الذکر کتابوں کے علاوہ، ندوۃ المصنفین کے ترجمان "برہان" میں علم حدیث اور محدثین نیز کتب حدیث پر اکثر وبیشتر مقالات شائع ہوتے رہے ہیں اس سلسلہ میں برہان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، مضامین ومقالات کا یہ سلسلہ تقریباً نصف صدی پر پھیلا ہوا ہے، ان مضامین کی ایک فہرست دی جارہی ہے، جو وقتاً فوقتاً برہان میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

نام مضمون	مضمون نگار	ماہ، اشاعت سال
۱۔ تدوین حدیث	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	اگست ۱۹۳۹ء
۲۔ فتنہ وضع حدیث اور اس کا انسداد	ایضا	اکتوبر ۱۹۹۳ء
۳۔ المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیشابوری	عبدالرشید نعمانی	جون، جولائی ۱۹۴۲ء
۴۔ اردو میں تراجم حدیث	سید محبوب رضوی	اکتوبر ۱۹۴۲ء
۵۔ صحیح بخاری کی فنی خصوصیات	مولوی محمد سلیم صدیقی	مئی، جون ۱۹۴۸ء
۶۔ تدوین حدیث	مولانا مناظر احسن گیلانی	مارچ، اپریل، دسمبر ۱۹۴۸ء، فروری ۱۹۴۹ء

۷۔ تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی مارچ، اپریل، جون ۱۹۴۹ء

۸۔ ایضا ایضا

فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۵۰ء

۹۔ عظمت حدیث پروفیسر ضیاء احمد بدایونی ستمبر ۱۹۵۰ء

۱۰۔ تدوین حدیث مناظر احسن گیلانی اکتوبر، نومبر،

دسمبر ۱۹۵۰ء، جنوری، فروری ۱۹۵۱ء

۱۱۔ علم حدیث بہار میں ابو محفوظ کریمی فروری ۱۹۵۱ء

۱۲۔ تدوین حدیث مناظر احسن گیلانی

مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۱ء

۱۳۔ علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث

خواجہ احمد علی شاہ اگست ۱۹۵۱ء

۱۴۔ ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات

ابو سلمہ شفیع احمد

اگست، ستمبر۔ دسمبر ۱۹۵۳ء، فروری ۱۹۵۴ء

۱۵۔ حیدر آباد کے کتب خانوں میں حدیث کی اردو کتابیں

نصیر الدین ہاشمی اکتوبر ۱۹۵۴ء

۱۶۔ امام مسلم اور ان کی جامع صحیح کی خصوصیات

مولانا تقی الدین ندوی جنوری ۱۹۶۵ء

۱۷۔ امام نسائی اور ان کی سنن کی خصوصیات ایضا ستمبر ۱۹۶۵ء

۱۸۔ مسند احمد ابو سلمہ شفیع احمد دسمبر ۱۹۶۶ء

۱۹۔ امام دارمی اور ان کی سنن مولانا محمد عبداللہ نومبر ۱۹۷۲ء

۲۰۔ جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول اور اس کے مصنف

قاضی اطہر مبارکپوری اگست ۱۹۷۴ء

۲۱۔ علم حدیث پر ایک الزام کا تحقیقی جائزہ

ندیم الواجدی فروری ۱۹۷۵ء

۲۲۔ ہندوستان میں علم حدیث مفتی نسیم احمد اکتوبر ۱۹۷۸ء

۲۳۔ صحابہ کرام کی تحصیل کی کیفیات

رضی الدین ندوی اکتوبر، نومبر ۱۹۸۶ء

حواشی

۱۔ مدنی سید بدر عالم میرٹھی ترجمان السنہ ج اول ۱۹۴۶ء مقدمہ کتاب ص ۹ ندوۃ المصنفین دہلی

۲۔ ایضا ایضا ص ۹ تا ۱۲

۳۔ ایضا ایضا ص ۱۱

۴۔ معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۴۹ء

۵۔ مدنی سید بدر عالم میرٹھی ترجمان السنہ جلد دوم ۱۹۴۸ء ص ۱۱ ندوۃ المصنفین دہلی

۶۔ معارف اعظم گڑھ ص ۳۹۷ نومبر ۱۹۵۹ء

۷۔ الفرقان لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۷ء

۸۔ معارف اعظم گڑھ، شمارہ ۲ جلد ۱۰۴، ص ۱۵۲، اگست ۱۹۶۹ء

۹۔ رحمانی منت اللہ، کتابت حدیث، ۱۹۵۲ء ص ۳ ندوۃ المصنفین دہلی

۱۰۔ حوالہ بالا ص ۴

۱۱۔ ایضا ص ۱۱

۱۲۔ ایضا ص ۲۶

۱۳۔ ایضا ص ۲۷

۱۴۔ ایضا ص ۳۵

۱۵۔ ایضا ص ۳۶

۱۶۔ ایضا ص ۳۹

۱۷۔ ایضا ص ۴۱

۱۸۔ ایضا ص ۷۷

۱۹۔ عبداللہ طارق مترجم، الترغیب والترہیب، ص ۲۸، ۱۹۷۵ء ندوۃ المصنفین دہلی

۲۰۔ حوالہ بالا ص ۲۴ دہلی

۲۱۔ ایضاً ص ۳۰۵ دہلی

۲۲۔ برہان ص ۱۰۹ ستمبر ۱۹۷۹ء ندوۃ المصنفین دہلی

۲۳۔ اسلام اور عصر جدید جلد ۱۴ مارچ ۱۹۸۲ء ص ۹۶ دہلی

۲۴۔ امینی محمد تقی، حدیث کا درایتی معیار، ۱۹۸۰ء، مقدمہ کتاب ندوۃ المصنفین دہلی

۲۵۔ معارف اعظم گڑھ جلد ۱۲۷ ص ۱۴۴ اپریل ۱۹۸۱ء

۲۶۔ برہان دہلی، جولائی ۱۹۷۵ء تا دسمبر ۱۹۷۵ء و جنوری ۱۹۷۶ء و اپریل تا جون ۱۹۷۶ء

تاریخ اسلام کے باب میں ندوۃ المصنفین کی خدمات

(الف) تاریخ اسلام عربوں سے متعلق

تاریخ مسلمانوں کا فن ہے اور وہ بجا طور پر اس پر فخر کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اس فن کو اپنی تالیفات سے اس قدر مالا مال کیا ہے کہ ایک انصاف پسند شخص کے لیے ان کی خدمات کو فراموش کرنا تقریباً ناممکن ہے دنیا کے بڑے مؤرخین کے ناموں میں مسلمان مؤرخین کے بھی بہت سے نام شامل کیے جاتے ہیں، پھر ان مؤرخین نے نہ صرف یہ کہ اپنے عہد کی تاریخ لکھی بلکہ اپنے عہد سے ہزاروں سال پہلے کی تاریخ بھی مرتب کی۔ درباروں، حکومتوں اور سلطنتوں نے بھی تاریخیں لکھوائیں اور خود مؤرخین کی انفرادی کوششوں سے بھی تاریخی کتب منظر عام پر آتی رہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی ترجیحات رہیں، اپنے اپنے مقاصد پیش نظر رہے، کچھ پر جانبداری کا الزام آیا کچھ پر حقائق سے پردہ پوشی کا۔ پھر جیسے جیسے علم و تعلیم کا فیض عام ہوتا گیا ان کتب کے محاسن و معایب سے قاری آگاہ ہوتا گیا ۔ وہ لوگ جو صنعتی انقلاب کے نتیجے میں چھپائی کی مشین کے موجد تھے اور جن کے ہاتھوں میں ذرائع ابلاغ کی باگ ڈور تھی اور جنہوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا، ہر جگہ انہوں نے یا تو فسادنیت، احساس کمتری یا غلط مذہبی جوش کی وجہ سے اپنے پیشرو مسلم حکمرانوں کی تاریخ مسخ شدہ صورت میں پیش کرنا شروع کی۔ یہی نہیں بلکہ تہذیب عالم کے اس پر رونق دور کو عہد وسطیٰ کا نام دیا جس کے پیچھے صلیبی جنگوں کی منتقم مزاجی اور تمسخرانہ ذہنیت کام کر رہی تھی۔ اس بات کی تائید

اس سے بھی ہوتی ہے کہ شروع میں ان موضوعات پر مغرب کے زیادہ تر لکھنے والوں کا تعلق چرچ اور عیسائی مشن سے تھا۔ ہندوستان میں یہ تحریک مطبوعہ حروف کے علاوہ بازاروں اور چوراہوں پر بھی تقریروں اور مناظروں کی شکل میں آگئی تھی، شکر ہے کہ اس کا دفاع مسلم معاشرے کے انہیں جبہ پوش، بوریہ نشین علماء نے کیا، جن کے لئے تقریباً ایک صدی تک ملاّ، مولوی اور وہابی جیسی اصطلاحیں استعمال کی جاتی رہیں۔ ان علماء کو بھی دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔ ایک طرف تو غیر ملکی حاکموں کا گروہ تھا اور دوسری طرف مقامی مخالفین اسلام، آریہ سماجی تھے لیکن اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ہمارے ایک صدی کے تاریخی لٹریچر کی تخلیق کے محرکات یہی تھے۔ مستشرقین نے جو کچھ لکھا تھا۔ بد قسمتی سے خود مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا نیا تعلیم یافتہ طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو اغیار سے مرعوب ہو کر ان غلط بیانیوں سے متاثر ہو گیا تھا۔

اس ضرورت کے مد نظر ہندوستان کے کئی مسلم اداروں نے باقاعدہ ایک تحریک کے تحت اپنی تاریخ پر نظر ثانی کی جس میں اس جذبے کی کارفرمائی بھی تھی کہ خود اپنی قوم کے نوجوانوں کو اپنے ماضی اور ماضی کے کارناموں سے روشناس کرایا جائے۔ چنانچہ ہمارے علماء نے اپنے مسلکی اختلافات سے بلند ہو کر ایک زبان اور ایک قلم ہو کر ایک دفاعی تاریخی ادب کی تخلیق کی اور بالخصوص سرور کائنات محمد ﷺ سے متعلق کذب بیانوں، اشاعت اسلام سے متعلق پھیلائی ہوئی تاریخی غلط فہمیوں اور اس الزام کی پر زور تردید کی کہ مسلم دور حکومت نے ہندوستان کو کچھ نہیں دیا۔

ندوۃ المصنفین نے بھی اس سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں وہ کسی بھی دوسرے مسلم ادارے سے کم پائے کی نہیں تھیں۔ اس ادارے نے نہ صرف یہ کہ تاریخ اسلام سے متعلق پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا بلکہ اس سلسلہ میں بعض ایسے موضوعات پر بھی کتابیں شائع کیں جن کی طرف دوسرے اداروں کی نگاہ نہیں پہنچ سکی تھی۔، مثال کے طور پر حضرت ابو بکر و عمر و عثمانؓ کے سرکاری خطوط، تاریخ ردّہ، غلامانِ اسلام اور سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

بچوں اور طالب علموں کو اسلامی تاریخ سے روشناس کرانے کے لئے سادہ زبان میں ایسے سلسلے شروع کروائے گئے جو مسلم دور حکومت کے ہر زمانے، ہر ملک ہر سلطنت اور ہر گوشے سے بحث کرتے تھے۔ سندھ، ملتان اور گجرات میں مسلمانوں کی آمد اور ان کے اسلامی اثرات سے لوگوں کی واقفیت بہت زیادہ نہیں تھی۔ عہد رسالتؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں عرب ہند تعلقات کا علم بھی تمام لوگوں کو نہیں تھا۔ سید سلیمان ندوی کی "عرب و ہند کے تعلقات" کے موضوع پر کوئی اضافہ بظاہر ناممکن نظر آتا تھا لیکن ندوۃ المصنفین کے لئے قاضی اطہر صاحب کی کتابوں نے ثابت کیا کہ اس سلسلہ کے بہت سے گوشے ابھی آنکھوں سے نہاں تھے ۔ یہی حال اسلام میں معاشی اور زراعتی نظام جیسے موضوعات کا بھی تھا، ندوۃ المصنفین نے اس کمی کو بھی پورا کیا۔ سیرت طیبہ کا موضوع بلاشبہ ایسا ہے جس پر سب سے کم کتابیں منظر عام پر آئیں۔ ممکن ہے یہ خیال رہا ہو کہ اب تک اس موضوع پر دوسرے اداروں کی جو مطبوعات قارئین

کے ہاتھوں میں ہیں، اب ان پر مزید اضافے کے لئے وقت درکار ہوگا۔ سیرت طیبہ جیسے موضوع کی نئی جہات شاید ندوۃ المصنفین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔

تاریخ کے موضوع پر ندوۃ المصنفین کی خدمات کا یہ ایک سرسری جائزہ تھا۔ اگلے صفحات میں ہم ان تمام کتابوں سے سیر حاصل بحث کریں گے جن کا تعلق تاریخی موضوعات سے ہے۔ ظاہر ہے یہاں ندوۃ المصنفین کی خدمات سے بحث کرنی ہے اور دوسرے اداروں کی تصنیفات سے موازنہ کرنا بھی مقصود نہیں۔

ندوۃ المصنفین نے اسلامی تاریخ کے باب مین جو خدمات انجام دی ہیں، ان کا ذکر ہم دو حصوں میں، پہلے عالم اسلام اور دوسرے ہندوستان کے حوالے سے حروف تہجی کی ترتیب سے کرین گے۔

آثار واخبار

قاضی اطہر مبارکپوری

تاریخ اسلام سے متعلق ندوۃ المصنفین کو جہاں بہت سے موضوعات میں اولیت واقفیت حاصل ہے۔ انہیں میں سے ایک اس کتاب کی اشاعت بھی ہے۔ یہ کتاب قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ مرحوم کو ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ پر جو ملکہ حاصل تھا اس کا اندازہ بھی ان کتابوں کو پڑھ کر ہوتا ہے۔

یہ کتاب ان کے کچھ مقالات کا مجموعہ ہے جن میں ہندوستان میں مقیم ان مسلمان علمی خاندانوں کا ذکر ہے جو عرب میں جا بسے اور جنہیں بڑی شہرت ملی۔

پہلا مقالہ آل عبد الرحمان بیلمانی پر ہے۔ اس مضمون میں گجرات، کاٹھیاواڑ اور سوراشٹر اور بیلمان کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پھر یہ لکھا ہے کہ آل عبد الرحمان یہاں سے ہجرت کر کے یمن جاکر نجران میں آباد ہو گئے تھے۔ اس ذکر میں اس خاندان کے عبد الرحمان ابو زید اور ان کے اسلاف کے بارے میں بھی مختصر معلومات دے دی ہیں۔

دوسرا مقالہ آل ابو معشر سندھی مدنی کے خاندان پر ہے جس میں ان کے علمی کارناموں اور بالخصوص "مغازی" کے سلسلہ میں انکی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ ابو معشر نجیح کے حالات بتفصیل ذکر کئے گئے ہیں اور جرح و تعدیل کی کتابوں میں ان کا جو ذکر آیا ہے اسے نقل کر دیا ہے۔ ان سے مروی احادیث بھی جن کی تعداد گیارہ ہے، مذکور ہیں۔ ساتھ ہی ان کے اسلاف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرا مقالہ آل مقسم سے متعلق ہے جو ہندی الاصل خاندان تھا اور سندھ میں آباد تھا۔ پھر اس خاندان نے حدیث کی جو خدمات انجام دی ہیں اس کی تفصیل بھی مہیا کی گئی ہے۔ آخری مضمون امام ابو الحسن مدائنی پر ہے (گو کہ ان کا ہندی الاصل ہونا ثابت نہیں ہے) جنہوں نے ہندوستان سے متعلق تین کتابیں لکھی تھیں۔

کتاب بہت محنت اور تحقیق و جستجو کے بعد لکھی گئی ہے جس میں حدیث علم رجال اور جرح و تعدیل کی تمام کتابوں سے استفادہ کے بعد ان خاندانوں کے نام اور ان کے حالات تلاش کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ کتاب میں دس مضامین ہیں حالانکہ اس میں صرف چار ہی مقالے ملتے ہیں۔

ایشیا میں آخری نو آبادیات

مترجم: اسرار احمد آزاد

ندوۃ المصنفین کے دیگر امتیازات میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ اس ادارے نے تصنیفات کے انتخاب میں قدیم اور جدید موضوعات کے درمیان ایک توازن برقرار رکھا ہے۔ چنانچہ جہاں اسلام اور اسلامی ممالک کی قدیم تاریخ پھر عہد وسطیٰ کی تمدنی وسیاسی تاریخیں لکھوائی ہیں وہیں اس بات کی کوشش بھی کی ہے کہ موجودہ معاصر اور رواں موضوعات پر بھی کتابیں شائع ہوں۔

زیر نظر کتاب اسی قسم کی ایک کوشش ہے۔ اصل میں یہ کتاب ایشیاء کی آخری نو آبادیات کے بارے میں بعض سوویت مصنفین کے مضامین کے مجموعے کی شکل میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ۱۹۵۹ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ یہ کتاب اسی انگریزی ترجمے کا اردو ترجمہ ہے جس میں عرب میں برطانوی مقبوضات کویت، بحرین، قطر، عدن وغیرہ اور مشرق بعید میں ہانگ کانگ، سنگاپور، برٹش بورنیو اور سراوک وغیرہ پر مختصر مضامین ہیں۔ گوا، ڈمن ڈیو اور مکاؤ کی پرتگالی مقبوضات اور مغربی ایریان کی ڈچ نو آبادیوں کا بھی ذکر ہے۔ سامراج نے ان پر ایسے قبضہ کیا، ان کا محل وقوع، آبادی، مذہب، جغرافیائی حالات، ان کی تجارتی اور جنگی اہمیت، سیاسی، زراعتی اور صنعتی امکانات، ذرائع پیداوار، معدنیات اور ان ممالک میں انقلابی جماعتوں کی کوششوں کی روداد بھی شامل کردی ہے اور اصل مقصد بھی یہی نظر آتا ہے کیونکہ مضمون نگاروں کا تعلق سابق سوویت

دلیں سے ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جمہوریہ انڈونیشیا کے ساتھ الحاق کے لئے عوام نے کس طرح جدوجہد کی، مغربی ایریان میں آزادی کی تحریک کیسے شروع ہوئی۔

مترجم نے ترجمے کے ساتھ ساتھ ضروری حاشیے اور نوٹس بھی فراہم کردیئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ ان نوٹس میں ان تبدیلیوں کا ذکر بھی کردیا ہے جو مترجم کے زمانہ تک نمودار ہوئی ہیں۔ یہ کام ضروری بھی تھا۔

اسلامی کتب خانے

حاجی محمد زبیر

۳۴۲ صفحات کی یہ کتاب "اسلامی کتب خانے" ایک جامع اور پراز معلومات کتاب ہے جس کو پڑھ کر مسلمانوں کے علمی ادبی اور فنی ذوق وشوق کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے وقیع مقدمہ سے شروع ہوتی ہے۔ کتاب کئی ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اسلامی کتب خانوں کے قیام پر روشنی ڈالی گئی ہے اس میں وہ تفصیلات بھی بتائی گئی ہیں جن کا تعلق کتب خانوں کے انتظام، کتابوں کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت سے تھا۔ پھر مختلف بلاد اسلامیہ میں واقع کتب خانوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں جن میں مدینہ منورہ، قاہرہ، بغداد، دمشق، سمرقند، طرابلس، اور کوفہ وبصرہ وغیرہ کے کتب خانوں کا بیان ہے۔

ہندوستان کے اسلامی کتب خانوں پر خاص توجہ دی گئی ہے کہ مسلم حکومت کے درمیان کتب خانوں کو کتنی اہمیت دی جاتی تھی، ان کا انتظام کیا تھا۔ ان کی

تشکیل کس طرح ہوتی تھی۔ ہمیں یہ تفصیل بھی مل جاتی ہے کہ کتب خانے کس طرح عروج پر پہنچے اور پھر کیسے زوال کا شکار ہوئے۔ شمالی ہندوستان کے ساتھ ساتھ، دکن کی حکومتوں میں واقع کتب خانوں سے بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ان کتب خانوں کی کیا اہمیت تھی اور انہوں نے مسلمانوں کی ذہنی تربیت و علمی ترقی کے ساتھ ساتھ دوسری اقوام اور دوسرے ممالک پر کیا اثرات مرتب کیے، بالخصوص یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں انہوں نے کیا کردار ادا کیا۔ ان تمام کی تفصیلات اس کتاب میں مل جاتی ہیں۔

الحاج زبیر صاحب چونکہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ رہ چکے ہیں اور کتابیں، کتب بینی، کتب خانے ان کا خاص موضوع رہے ہیں، اس لئے ان کی نگاہ موضوع کے ہر گوشہ پر رہی ہے اور انہوں نے اس موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ کتاب کی تصنیف کا ایک مقصد مسلمانوں کو ان کے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کرنا ہے اور ان پر یہ روشن کرنا ہے کہ علمی ترقی کے بغیر مادی ترقی ناممکن ہے۔

اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں

ڈاکٹر خورشید احمد فارق

خورشید احمد فاق صاحب نے المقدسی کی احسن والتقاسیم فی معرفۃ الا قاسیم کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ "اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں" کے نام سے کیا ہے انہوں نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ صرف انہیں ابواب کا ترجمہ کیا جائے جو عالم

اسلام کی عکاسی کریں۔ اس کتاب یعنی احسن التقاسیم کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۷ء میں اور دوسرا ۱۹۰۶ء میں لیڈز سے شائع ہوا تھا۔ کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مصنف کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے اور اس کے ذریعہ دسویں صدی عیسوی کے اسلامی معاشرہ کے بہت سے او جھل رخوں سے نقاب اٹھ جاتی ہے۔ مؤلف نے تقریباً ساری اسلامی دنیا کو جو تاشقند سے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی۔ چودہ ریاستوں میں تقسیم کی ہے اور ہر ریاست تک پہنچنے کی راہوں میں واقع دریاؤں، صحراؤں، پہاڑوں، شہروں کی چھوٹی بڑی مصنوعات، پیداوار، در آمد و بر آمد، اشیائے خورد و نوش کے نرخوں، رائج سکوں، تولنے اور ناپنے کے پیمانوں، تجارتی منڈیوں، محصولات ٹیکس، حکمرانوں کی سیرت، باشندوں کی زبانوں، لہجوں، تہواروں، اخلاق، اقتصادی حالت اور رجحانات، شکل و صورت اور لباس کا ذکر کیا ہے۔

کتاب میں متعدد نقشے دیے گئے ہیں جن کی وجہ سے اس کی افادیت بڑھ گئی ہے اور اسے دیکھ کر بلا تکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں یہ اپنی نوعیت کی اس موضوع پر پہلی کتاب ہے جو جغرافیہ، تاریخ اور سماجیات۔ تمام کا احاطہ کرتی ہے۔

ترجمہ نہایت شگفتہ اور رواں ہے، ندوۃ المصنفین کی یہ صفت امتیازی ہے کہ عرب ہند اور اسلام کے موضوع پر اس کی تاریخی کتابیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل منفرد ہوتی ہیں۔ انہیں موضوعات پر دوسرے اداروں سے چھپنے والی کتابوں کی نقل یا چربہ نہیں ہوتیں۔ مترجم کے انتخاب اور ان کی وسعت مطالعہ دونوں کی داد دینی چاہیے کہ وہ ان موضوعات پر قدیم عربی مواد بڑی تحقیق، تلاش و جستجو کے بعد حاصل کرتے ہیں اور ان سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں تک

یہ معلومات اور اپنے مطالعہ کا نچوڑ پیش کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ جو عربی سے ناواقف ہیں ان کے لئے تو خاص طور پر اس قسم کے تراجم بہت ہی مفید ہوتے ہیں۔

اشاعت اسلام

(دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا)

مولانا حبیب الرحمٰن

مولانا نے تاریخ اسلام کی روشنی میں اشاعت اسلام کی تاریخ بیان کی ہے کہ کس طرح اسلام آنحضورؐ کی انفرادی کوشش سے شروع ہوا اور پھر ایک زمانے تک دنیا کا سب سے بڑا مذہب ثابت ہوا۔ اپنا مطمح نظر بیان کرتے ہوئے مولانا تاریخی واقعات کا سہارا لیتے ہیں اور ان کو صحت کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر قرآن وحدیث کی رہنمائی سے دلیلیں پیش کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تاریخ اور مذہب دونوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے واقعات خاص طور سے بڑے ہی دلنشیں انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ان کی یہ کوشش بھی رہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے سلسلہ میں اگر کسی واقعہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی ہے تو وہ اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیں۔ اگر اسلام پر کوئی الزام لگایا گیا ہے تو اس کی وضاحت اور اس کی مکمل طور پر صفائی پیش کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر غلامی کے سلسلہ میں اسلام پر جو انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں مولانا نے اس کا بہت مسکت جواب دیا ہے۔

ہاں کتاب کی تبویب پر بہت زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے، اس لئے کہیں کہیں

غلط مبحث نظر آجاتا ہے۔

تاریخ ملت (حصہ اول)

قاضی زین العابدین میرٹھی

"ندوۃ المصنفین" نے ہندوستان کے مسلمان قارئین کی ذہنی تربیت اور ان کی آبیاری کے لئے جہاں نت نئے موضوعات پر کتابیں مہیا کیں ہیں وہیں درسی ضروریات کے لئے تاریخی کتب کا ایک سلسلہ بھی شروع کیا جس کا خاص مقصد اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کے ذہنی معیار کا لحاظ کرتے ہوئے تاریخ اسلام سے متعلق سلیس اور آسان زبان میں کتابیں فراہم کرنا تھا۔ ان کتابوں کا موضوع تاریخ اسلام ہے، گیارہ جلدوں میں اسلام کی تاریخ کو اختصار کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے اس کام کی ذمہ داری مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی اور مفتی انتظام اللہ شہابی صاحبان کے سپرد کی گئی تھی۔ اس سلسلہ کو تاریخ ملت کا نام دیا گیا اور اس کے حصہ اول کو "نبی عربی" کا نام دیا گیا۔ اس حصہ کی تیاری میں مولانا زین العابدین نے بڑی سنجیدگی اور خلوص سے کام لیا ہے۔ چنانچہ سیرت طیبہ کے واقعات جامع اور مختصر انداز میں اس طرح بیان کیے ہیں کہ ہر چیز تحقیق کے معیار پر پوری اترے، ساتھ ہی انداز بیان سلیس اور عام فہم رکھا ہے۔ مقدمہ میں علم تاریخ، تاریخ اسلام کی خصوصیت، دنیا کی ابتداء، انسان نے کس طرح ترقی کی اور زبان وغیرہ سے آسان زبان میں بحث کی ہے۔ پھر عرب اور قریش کا تعارف کرایا ہے صفحہ ۲۶ سے اصل کتاب شروع کی ہے۔(۱)

واقعات کے بیان میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ ہر واقعہ مستند ہو۔ اس سلسلے میں تاریخ کی قدیم اور جدید دونوں طرز کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ واقعات کے بیان کرتے وقت جہاں جہاں ضرورت ہوئی۔ وہاں وہاں ان کے اسباب و محرکات بھی بتادئے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں واقعات کا ایک نقشہ بھی لگادیا گیا ہے جس میں تاریخ وار اور متن کی ترتیب سے واقعات لکھے گئے ہیں۔ اس طرح پڑھنے والوں کو ان کے سمجھنے اور یاد کرنے میں بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ کتاب کی مقبولیت کی وجہ سے اس کا دوسرا اڈیشن بھی چھاپا گیا۔

جدید اڈیشن میں آنحضورؐ کے اخلاق کریمہ کا ایک باب بڑھادیا گیا ہے۔ اس اڈیشن میں مولانا ماہر القادری کا ایک سلام بھی موجود ہے۔(۲)۔

تاریخ ملت حصہ دوم (خلافت راشدہ)

قاضی زین العابدین میر ٹھی

تاریخ ملت کی یہ جلد بھی سابقہ جلدوں کا معیار برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس میں بھی انداز عام فہم اور طرز بیان سلیس اور مؤرخانہ ہے، خلفائے راشدین کے واقعات میں قدیم اور نئی عربی تاریخوں سے مدد لی گئی ہے۔ بہت سے واقعات جہاں مسلمان مؤرخ جذبات یا جانبداری کا شکار ہو جاتے ہیں، مصنف نے ایسے مواقع پر خود کو بالکل غیر جانبدار کہہ کر مؤرخانہ دیانت داری کے ساتھ واقعات بیان کردئے ہیں۔ مصنف کی کوشش رہی ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ کے ایمان افروز کارناموں کو نمایاں کرے۔ یہ واقعات ایسے ہیں اور اس انداز میں بیان کئے گئے ہیں

کہ جوش ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ طلباء کی اسلامی تربیت اور ان میں دینی حمیت پیدا کرنے کے سلسلہ میں یہ کتاب خاص طور سے بڑی مفید ہے۔ اسی بات کو مولانا نے پیش لفظ میں یوں ادا کیا ہے "عہد خلافت راشدہ تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور ہے ، نونہالان ملت جو شاہراہ زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں اگر اس عہد کے واقعات کو مشعل راہ بنائیں تو بلا شبہ صلاح دنیوی و فلاح اخروی کی منزل مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ (۳) کتاب ، خلافت نصب خلافت ، شروط خلافت ، طریق انتخاب ، خلیفہ اور شوریٰ جیسے موضوعات سے شروع ہوتی ہے ص ۳۶ سے ص ۹۵ تک حضرت ابو بکرؓ اور ان کے عہد خلافت کی تفصیلات ہیں۔ صفحہ ۹۶ سے صفحہ ۲۰۱ میں حضرت عمرؓ فتوحات اسلام کی توسیع اور تمام اہم واقعات کا ذکر ہے۔ صفحہ ۲۰۳ سے صفحہ ۲۵۹ تک کے اوراق حضرت عثمانؓ کے لیے ہیں۔ پھر صفحہ ۲۶۱ سے صفحہ ۳۳۳ حضرت علیؓ اور ان کے دور کے اہم واقعات درج کیے گئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ اور ان کے دور کے اہم واقعات کے لیے مستند تاریخوں سے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔

کتاب کا آخری باب "نظام خلافت راشدہ" سے متعلق ہے (۴) جس کے لیے صفحہ ۳۴۰ سے ص ۳۷۵ تک کے اوراق مختص کیے گئے ہیں اور اس میں کوشش کی گئی ہے کہ تمام تفصیلات اور جزویات کا احاطہ کر لیا جائے چنانچہ درج ذیل موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

مقام خلافت ، طرز حکومت ، خلافت راشدہ کی خصوصیات ، صیغہ عدالت ، صیغہ دفاع ، دفتر فوج کا اجراء ، طریقہ جنگ ، آلات حرب ، جنگی مہارت ، صیغہ

مالیات، تفصیل محاصل، وصول محاصل میں احتیاط، علوم فنون، قرآن کریم، حدیث شریف، دیگر علوم، تعمیرات، متفرق انتظامات، سکہ، ڈاک اور تاریخ۔

ان کو پڑھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ مصنف نے بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ عہد خلفائے راشدین، اس کی اہمیت اور اس کی نمایاں خصوصیات کو بیان کر دیا ہے۔ واقعات کے بیان میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔
یہ مختصر کتاب، بڑی بڑی کتابوں سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتی ہے۔ کیونکہ تمام موضوعات کو سمیٹ لیا گیا ہے اور اس کو لکھنے میں ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے نہ تو واقعات کے تسلسل میں فرق پڑتا ہے اور نہ ہی دلچسپی میں کمی آتی ہے۔

تاریخ ملّت حصہ سوم (خلافت بنی امیہ)

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

تاریخ ملّت کی یہ جلد خلافت بنو امیہ سے متعلق ہے۔ ۳۱۴ صفحات کی یہ کتاب بنو امیہ کے عہد کی تمام تفصیلات پر مشتمل ہے۔ کتاب بغیر کسی مقدمے یا پیش لفظ کے، ایکدم حضرت امیر معاویہؓ کے ذکر سے شروع ہو جاتی ہے اور ۵۰ صفحوں میں، سیاسی فرقے، زیاد بن ربیعہ،، مغیرہ بن شعبہ، عبد اللہ ابن زیاد فتح قسطنطنیہ، فتح افریقہ، یزید کی ولیعہدی، وفات حضرت معاویہؓ، خاندان معاویہ سیرت معاویہ، طرز سیاست، طرز معیشت، مسئلہ بیعت یزید اور انتظامات ملکی جیسے موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے کئی نزاعی موضوعات سے بڑی

احتیاط کے ساتھ خود کو غیر جانبدار رکھا ہے۔ یہ جلد بھی اسی سلسلہ کی سابق جلدوں کی خصوصیات کی حامل ہے۔ زبان اور انداز بیان صاف اور سلیس ہے، ایسا کہ قاری کو پڑھنے سمجھنے اور یاد رکھنے میں بہت زیادہ پریشانی نہ ہو۔ واقعات کے بیان میں بھی دیانت داری سے کام لیا گیا ہے اور حفظ مراتب کا خیال رکھا ہے۔ نہ تو کہیں مبالغہ سے کام لیا ہے اور نہ ہی کسی معاملہ میں حقیقت کو چھپانے سے گریز کیا ہے۔ صفحہ ۵۲ سے صفحہ ۹۶ تک میں یزید، حادثۂ کربلا، فتح افریقہ، خراسان، سجستان وغیرہ کا ذکر ہے (۵)۔ معاویہ ثانی عبداللہ ابن زبیر کے مختصر ذکر کے بعد مروان بن حکم کا ذکر صفحہ ۹۸ سے شروع ہوتا ہے اور عبدالملک بن مروان کے ذکر کے بعد عبداللہ ابن زبیر کا ذکر دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر اسی سلسلہ میں اہم واقعات جیسے مختار ثقفی کا خروج، انتقام حسین، ابن زیاد کا قتل، عبداللہ ابن زبیر کی شہادت، خوارج، وفات عبدالملک بن مروان اور تعمیر کعبہ نیز اسلامی دینار کے اجراء کا تذکرہ کیا ہے۔

ولید بن عبدالملک کے بیان میں اسلامی فتوحات کو بیان کرتے ہوئے محمد بن قاسم فتح سندھ و ملتان، فتح بخارا، فتح سمرقند، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور فتح اندلس کا مفصل بیان ہے۔ سلیمان بن عبدالملک کے تذکرے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام آتا ہے اور ساتھ ہی ان کی اصلاحات کا ذکر کیا ہے جس میں امراء سے بازپرس، فدک سے دستبرداری، جاگیروں کی واپسی اور سب علی کے انسداد جیسے اہم اقدامات کا ذکر ہے اور اس طرح یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک (آرمینیہ و آذربائیجان، ایشیائے کوچک کے ذکر کے بعد صفحہ ۲۸۵ پر ہشام

بن عبدالملک) کے انتقال کے ساتھ اس کی سیرت اور کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے آخر کے خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے کتاب صفحہ ۳۱۴ پر ختم ہو جاتی ہے، واقعات کی تصدیق کے لئے جگہ جگہ البدایہ والنہایہ اور تاریخ کامل ابن اثیر کے حوالے دیئے گئے ہیں اس کتاب سے اسلامی معاشرہ میں موجود فرقوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے نیز ان تمام صوبوں کی صورتحال بھی سامنے آجاتی ہے جو مرکز خلافت کے ماتحت تھے۔

تاریخ ملّت حصہ چہارم (خلافت سپانیہ)

مفتی انتظام اللہ شہابی

تاریخ ملت کی چوتھی جلد اندلس یا اسپین میں بنوامیہ کی حکومت سے متعلق ہے جس کی بنیاد عبدالرحمٰن الداخل نے ڈالی تھی اور جو بغداد میں بنو عباس کے شانہ بشانہ اپنی شان اور کروفر کے ساتھ قائم تھی۔

مصنف اس سے پہلے جلد سوم میں اسپین کی فتح موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے بارے میں لکھ چکے تھے۔ موجودہ جلد میں انہوں نے اسپین میں بنوامیہ کی حکومت کے بارے میں زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس میں مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان رقم کی ہے جس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا اندلس کسی طرح بغداد سے کم نہیں تھا بلکہ بعض امور میں اسے بغداد پر فوقیت حاصل تھی یہاں بھی وہی خوشحالی، علم دوستی، علماء پروری کا رواج تھا جس کی شہرت بغداد کے لئے عام تھی۔

اس موضوع پر عربی میں جو مستند اور معتبر مواد موجود ہے۔ موجودہ جلد میں

ان سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے اور ایک غیر جانبدار مؤرخ کی طرح یہاں بھی مصنف نے انصاف سے کام لیا ہے۔ جہاں تک انداز بیان اور زبان کا تعلق ہے اس سلسلے میں سابقہ معیار کو برقرار رکھا گیا ہے۔ واضح رہے کہ سابقہ جلدیں مولانا زین العابدین کے زور قلم کا نتیجہ تھیں۔

تاریخ ملّت حصہ پنجم (خلافت عباسیہ جلد اول)

مفتی انتظام اللہ شہابی

تاریخ ملت کی یہ پانچویں جلد کا پہلا حصہ ہے جو بنو عباس کے پہلے دور سے تعلق رکھتا ہے یعنی اس میں شروع کے ۹ عباسی خلفاء کے حالات جمع کئے گئے ہیں جن میں سفاح، منصور، مہدی، ہادی، ہارون الرشید، مامون معتصم باللہ اور واثق باللہ کے سوانح یکجا کئے گئے ہیں۔

بنو عباس کا یہی دور اپنی تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی عروج کا دور ہے اور اسی دور کی وجہ سے اس عہد حکومت کا نام تاریخ میں آج بھی سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس دور کے تمام سیاسی، سماجی اور ثقافتی حالات، ترقیاں، اصلاحی کارنامے، مذہبی علوم کے ظہور، ان کی ترقی اور کامیابی کی داستان اس حصہ میں مل جائے گی۔ اس موضوع پر دیگر بہت سی کتابیں بھی موجود ہیں لیکن یہ کتاب اپنی سادہ زبان، واقعات کے بیان میں عدم تکرار اور مورخین کے لمبے اقتباسات نہ ہونے کی وجہ سے دوسری کتابوں سے ممتاز ہے اور اس سے نہ صرف یہ کہ طلباء ہی فائدہ اٹھائیں گے، دیگر قارئین بھی اس سے اس طرح مستفید

ہوسکتے ہیں۔ کتاب چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے اور اس سلسلہ کی اپنی سابقہ خوبیوں کی حامل ہے۔

تاریخ ملت حصہ ششم

(خلافت بنو عباس جلد دوم)

مفتی انتظام اللہ شہابی

۴۷۲ صفحات پر مشتمل یہ جلد بنو عباس کے اٹھائیس خلفاء یعنی متوکل سے لے کر معتصم تک کے زمانہ کے حالات کا احاطہ کرتی ہے۔ پھر چونکہ اس دور میں عباسیوں کی کمزور سیاست کی وجہ سے مرکز کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی اور بہت سی خود مختار حکومتیں قائم ہو گئی تھیں اس لئے اس جلد میں، سلاطین بویہ، سلجوق سلاطین، زنگی ایوبی، علویوں اور باطنیوں وغیرہ کی تاریخ بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔

یہ جلد خلیفہ متوکل علی اللہ جعفر کے بیان سے شروع ہوتی ہے جس کی تخت نشینی ۲۳۲ ہجری میں عمل میں آئی تھی۔ اس کے دور میں مسئلہ خلق قرآن سے پابندی ہٹائی گئی۔ محدثین کی دلجوئی اور معاونت کی گئی (۶) مصر پر ۲۳۸ ہجری میں رومیوں کے حملے کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔ اہل بیت کے ساتھ اس کی زیادتیوں کا بھی ذکر ہے۔ اسی کے زمانہ میں امام حسین کا مقبرہ بھی منہدم کیا گیا تھا۔ متوکل کی سیرت، امام شافعی کے مسلک سے اس کی عقیدت، صلحاء سے اس کی قربت، اس کی فیاضی وسخاوت اور نظم مملکت کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔ اس

عہد میں علم حدیث اور علوم عقلیہ کی ترقی بھی دکھائی گئی ہے، اسی عہد میں بلاذری نے فتوح البلدان لکھی اور ابن خرذابہ نے اپنی المسالک والممالک کی ترتیب دی۔ جاحظ جیسے نابغۂ روزگار بھی اسی زمانہ میں تھا۔ اسی زمانہ میں بیت الحکمہ نے بھی بڑی ترقی کی اور ترجمے کے کام میں میں توسیع ہوئی۔ اس عہد کے مشہور علماء، محدثین اور فقہاء کی فہرست دی گئی ہے (۷) علویوں، زیدیوں اور مصر میں احمد بن طولون کی حکومت کے قیام کا ذکر بھی بالاختصار کیا گیا ہے۔ خلیفہ مہتدی باللہ (۲۵۵ھ) کے زمانہ میں علی بن عبدالرحیم المعروف یصاحب الزنج کی مشہور بغاوت تفصیل سے بیان کی گئی ہے جس میں اس نے حبشیوں کو عربوں کے خلاف اکسایا تھا اور بغداد میں بڑی قتل وغارتگری ہوئی تھی۔ خلیفہ معتمد علی اللہ کے زمانہ میں اس شورش نے دوبارہ سر اٹھایا۔ اسی زمانہ میں سسلی میں مسلمانوں کو عیسائیوں سے شکست اٹھانی پڑی، علویوں اور اسماعیلیوں، باطنیوں اور قرامطہ نے سر اٹھایا، معتمد کے عہد کے علماء میں امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حکم، داؤد الظاہری اور بن قطیبہ کے نام دیئے گئے ہیں۔ محدثین وفقہاء میں احمد ابن عمر، صوفیاء میں ابراہیم بن ادہم وغیرہ کے نام دیے ہیں۔ مقتدر باللہ کے زمانہ میں قرامطہ نے پھر سر اٹھایا، خانہ کعبہ اور حجر اسود کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ واقعہ روز دوشنبہ ۱۳ ذی الحجہ ۳۱۷ ہجری میں پیش آیا۔ منصور حلاج کی شہادت بھی ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ ہجری میں ہوئی۔ مشہور مورخ ابن جریر طبری اسی عہد کا مورخ ہے۔ دوسرے علماء بزرگوں میں ابوداؤد ظاہری، ابن شریح، امام نسائی وغیرہ اسی زمانہ میں تھے۔ اسی عہد کی علمی دینی اور فکری ترقیوں کی تفصیلات بھی مہیا کی گئی ہیں۔ خلیفہ مطیع

اللہ کے زمانہ کی علمی ترقیات بھی تفصیل کے ساتھ دی گئی ہیں (۸)۔ چنانچہ صوفیاء میں شبلی، ادیبوں میں علی قال، مورخوں میں المسعودی، ابوالفرح اصفہانی وغیرہ اسی زمانہ کے لوگ تھے۔

حسن بن صباح اور صلیبی جنگوں کی تفصیلات بھی اسی حصہ میں ملتی ہیں نیز نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا مفصل ذکر بھی اسی جلد میں ہے۔ اس ذکر میں سلطان کی صلیبی جنگوں کی تفصیلات بھی آگئی ہیں اور ساتھ ہی بیت المقدس کی فتح کا بیان بھی۔ خلیفہ ناصر الدین اللہ (سال تخت نشینی ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ ہجری مطابق ۳۰ مارچ ۱۱۸۰ء) کے عہد کے تذکرہ میں اس کے حسن انتظام اور اس عہد کے مشہور علماء کا مفصل تذکرہ ملتا ہے۔ یہی زمانہ شیخ شہاب الدین سہروردی، ہدایہ کے مصنف علامہ مرغینانی، قاضی خاں اور دیگر علمائے کبار کا ہے۔ ان سے واقفیت کے لئے صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵ کا مطالعہ کافی ہوگا۔

خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں ۶۵۶ ہجری میں بغداد پر ہلاکو کے حملے کی تفصیلات، بغداد کی تباہی اور خلیفہ و خلافت عباسیہ کے خاتمہ کی روداد بھی لکھی گئی ہے اور اس ذکر کے آخر میں اس زمانہ کے علماء، فضلاء، صوفیاء، محدثین اور فقہاء کی تفصیل مہیا کی گئی ہے۔

آخری باب خلافت عباسیہ پر ایک سیاسی اور تاریخی نظر کے نام سے ہے جس میں عہد عباسیہ پر سیر حاصل تبصرہ اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کے لئے درج ذیل عنوانات مقرر کئے ہیں۔ بنی عباس کے سیاسی افکار، دعوت بنی عباس، خلافت عباسیہ کے امتیازات خصوصی، عربوں کی ریاست و قیادت کا خاتمہ،

[illegible]

زوال کا اصلی سبب، خلفائے عباسیہ کا مذہبی اقتدار، خلفاء کا غلط اقدام، خلفائے عباسیہ کے عہد کی علمی ترقی جو کتاب کے آخری صفحہ تک پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب مفید ہے لیکن بعض جگہوں پر بہت زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ کہیں کہیں عربی عبارتوں کے ترجمے چھوٹ گئے ہیں۔ تاریخ ملت کی شروع کی جلدوں میں زبان کی جو سلاست اور روانی تھی، وہ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی کے قلم میں نہیں نظر آتی۔ کہیں کہیں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ بیانات صرف نوٹس ہیں، لیکن ان کمزوریوں سے کتاب کی افادیت میں کوئی کمی نہیں آتی۔

تاریخ ملّت (جلد ہفتم)

مولوی انتظام اللہ شہابی

تاریخ ملت کی جلد ہفتم میں مصر اور مغرب اقصیٰ کی تاریخ بیان کی گئی ہے جس میں فراعنہ، بطالسہ، دول اسلامیہ اغلبیہ، ادریسیہ، طولونیہ، رخشیدیہ، دولت بنی فاطمہ، ایوبیہ البویہ، دولت ممالیک بحریہ، خلفائے عباسیہ مصر (ممالک چرکسیہ) کے تفصیلی حالات درج ہیں۔

کتاب "مصر قدیم" کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ جس میں قدیم شاہان مصر کا ذکر ہے۔ مصری عقائد کی خصوصیات ہیں، مختلف تاریخی ادوار کا ذکر ہے اور ساتھ ہی مصریوں کی علمی ترقی کا بیان بھی ہے۔ مصر کی فتح وہاں کے نظم و نسق، بندوبست اراضی والیان مصر، دولت بنی امیہ اور بنو عباس کے مقرر کردہ والیوں کا تذکرہ ہے۔

شمالی افریقہ کے بربروں کی حکومت، اغلبیوں کے نام سے جانی جاتی ہے۔

مصنف نے ان کی تاریخ سے بھی بحث کی ہے۔ اس حکومت کا پایہ تخت تیونس تھا اور بحر متوسط کے ساحلی علاقوں پر ان کا قبضہ تھا۔ اغلبیوں کے انتظام سلطنت اور ان کے عہد کی علمی و صنعتی ترقی اور ان کی سیاسی توسیع کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ پھر بنو رخشید یہ اور ادریسیوں اور فاطمی خلفاء کے ادوار کی تفصیلات دی گئی ہیں جن میں سسلی پر قبضہ، فرانس سے جنگ اور پھر صلیبی جنگوں کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا تذکرہ بہت تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری صفحات قاہرہ اور اس کی عمارات، قریب کے مشہور شہروں اور مقامات سے متعلق ہے۔

تاریخ ملت (جلد ہشتم)

مفتی انتظام اللہ شہابی

جلد ہشتم عثمانی ترکوں کی خلافت کے لئے مختص کی گئی ہے جس میں ۳۴ سلاطین آل عثمان کی تاریخ ہے۔ کتاب ترکوں کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے، پھر عربوں سے ان کے تعلقات کا ذکر ہے، سلطان مراد اول بایزید یلدرم کا مفصل ذکر ہے، سلطان مراد ثانی، سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ، سلطان بایزید ثانی، سلطان سلیم کی فتوحات، یورپ سے ان کے تعلقات اور نظم و نسق پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس طرح یہ جلد ترکی اور خلفائے عثمانیہ کے حالات اور ان کے کارناموں کا احاطہ کرتے ہوئے سلطان عبدالحمید ثانی کے ذکر کے ساتھ ساتھ مصطفیٰ کمال پاشا کے ذکر تک آجاتی ہے۔ پھر انجمن وطن، جمعیت حریت، دستور قیام جمہوریت، معزولی سلطان اور شخصیت و جمہوریت کی کشمکش کے ذکر تک پہنچتی ہے، سلطان

عبدالحمید کے انتقال اور خلافت کے خاتمہ کے بعد اتاترک کے عہد پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ پھر مختصر الفاظ میں ترکی کے صدر عصمت انونو اور جمال بایار کے ذکر تک پہنچے ہیں۔ دولت عثمانیہ کے پس منظر سے نیا عنوان قائم کر کے دور تنزل، سیاسی بیداری، نظم مملکت، رعایا کے ساتھ سلوک، مذہب، عثمانی ترکوں کا علمی عہد، ترکی نظم ونثر، ترک خواتین، ترکوں کا نظریہ خلافت وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں خدیو مصر اور محمد علی پاشا کا بھی تعارف مختصر الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

تاریخ ملّت (جلد نہم)

(تاریخ صقلیہ)

مصنف مفتی انتظام اللہ شہابی

درسی ضروریات کے لئے ہمارے یہاں اردو میں بہت کم کتابیں تھیں، ندوۃ المصنّفین نے اس سلسلہ کی کتاب شائع کر کے ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ۴۳ صفحات میں پہلے تو سسلی یا صقلیہ کے جغرافیہ اور اس کی تاریخ سے بحث کی گئی ہے جو مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی تاریخ ہے۔ صقلیہ کی مسلم تاریخ کی ابتدا قاضی اسد بن فرات سے ہوتی ہے جنہیں فاتح صقلیہ بھی کہا جاتا ہے (۹)۔ صقلیہ مختلف گورنروں اور ولایتوں کے زیر حکومت رہا۔ اس دوران مسلمانوں کے بحری بیڑے نے عالمی شہرت حاصل کرلی۔ پورا دور تقریباً فوجی کشمکش کا رہا کیونکہ عیسائیوں سے بار بار جنگیں ہوتی رہیں۔ ایک عجیب اتفاق یہ بھی ہوتا رہا کہ جب جب افریقہ میں مسلم حکومتیں مستحکم ہوئیں، صقلیہ میں بھی استحکام رہا اور جب

وہاں افرا تفری اور کمزوری آئی تو یہاں بھی اس کے اثرات پڑے۔ صقلیہ میں مسلمانوں کی اصل حکومت محمد بن عبداللہ الاغلب کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے ۔اس نے "اسلامی حکومت" کا نظم و نسق جاری کیا۔ سول اور فوجی نظام کے دو صیغے قائم کیے۔ سول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ فوج کا ایک امیر مقرر کیا جس کو اپنے تحت میں رکھا۔ اس کے علاوہ اس پہلے والی (گورنر) نے تمدنی ترقی کی طرف توجہ کی۔ رومی معاشرت بے ڈھنگی تھی۔ ان کے اخلاق خراب تھے، اغلبی گھرانے کے گیارہ افراد نے ۱۱۲ سال حکمرانی کی۔ پھر حسن بن احمد (۲۹۷ ہجری) والی مقرر کیا گیا۔ حسن بن احمد پہلا شیعہ والی تھا (۱۰)۔

صقلیہ کا آخری تاجدار ابن البعباع تھا۔ بحر روم کے وسیع ترین جزیرہ صقلیہ سے مسلمانوں کی آخری فرمانروائی کا ۴۸۴ ہجری میں خاتمہ ہو گیا اور صقلیہ کے مسلمان عیسائی حکومت کی رعایا قرار پائے، پھر جو کچھ ہوا مصنف نے اسے "صقلی و جزائر سے مسلمانوں کا اخراج" کے باب میں بیان کیا ہے۔ علمائے صقلیہ کے نام سے ایک علیحدہ باب قائم کر کے مصنف نے صقلیہ کا علمی دور اور تذکرہ ارباب فضل و کمال تفصیل کے ساتھ کیا ہے، جس میں العمدة کے مصنف ابن رشیق، مشہور شاعر ابن حمدیس اور شریف الادریسی صاحب نزہۃ المشتاق کے مفصل ذکر کے ساتھ اس وقت کے فقہاء اور محدثین کا تذکرہ کیا ہے، کتاب کے آخری صفحہ پر سسلی کا ایک نقشہ بھی دیا ہے۔ کتاب کے اندرونی صفحات میں کئی شجرے بھی دئے گئے ہیں۔

غرضیکہ یہ کتاب بھی اپنی افادیت میں اس سلسلے کی دوسری کتابوں کی طرح

ہے۔اس جلد میں بھی کئی جگہ عربی عبارتوں اور بعض اشعار کے ترجمے رہ گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے مصنف کے ذہن سے بار بار یہ بات نکل جاتی ہے کہ یہ کتاب درسی ضروریات کے لئے لکھی گئی ہے۔ کتاب میں تاریخ ابن کثیر، تاریخ ابو الفداء اور وفیات الاعیان لابن خلکان سے مدد لی گئی ہے۔

تاریخ ملّت (جلد دہم)

(سلاطین ہند)

مفتی انتظام اللہ شہابی

مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب کے قلم سے تاریخ ملت پر جو جلدیں لکھی گئی ہیں، غالباً سلاطین ہند سے متعلق اپنے اختصار، اظہار بیان کی وضاحت اور زبان کی سادگی کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں۔ سابقہ جلدوں میں یہ خصوصیات بہت نمایاں نہیں تھیں۔ خود اس کتاب کا مقدمہ مصنف کی انصاف پسندی کی دلیل ہے۔ چنانچہ ان کا یہ لکھنا کہ "یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی تہذیب اپنی خصوصیات کی حامل ہے۔ یہاں کی ویدانت، فلسفہ، ہیئت، جوتش مشہور ہیں، رشی منی اپنی راہبانہ اور حکیمانہ تعلیمات کے لئے خاص امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ مسلمان آئے تو ان سے کچھ باتیں حاصل کیں مگر بہت زیادہ عطا کیں۔ توحید کا تصور، دختر کشی، ستی کی روک تھام، عقد بیوگان اور مساوات کی تعلیم، اخلاقی قدریں اور عام تعلیم، یہ سب مسلمانوں کی آمد کے نتائج و برکات ہی کہے جاتے ہیں، ایک حد تک بہت صحیح ہے سوائے اس کے کہ توحید کا تصور ہندوؤں میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے

بھی تھا۔ کتاب ''عربوں کی آمد کی برکات'' کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ عہد فاروقی، عہد عثمانی، عہد علی اور عہد معاویہ میں سندھ مہمات کا ذکر کیا ہے۔ فاتح سندھ کے تذکرہ کے بعد عباسی عہد کے تعلقات کا بیان کیا ہے۔ عہد غزنوی کا مفصل ذکر موجود ہے۔ غزنوی عہد کے تذکرہ میں ہندوستان میں علوم وفنون کی ترقی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس میں شعراء، مشائخ، علماء و محدثین قضاۃ اور ممتاز اعیان کا ذکر ہے۔ سلطان التمش اور اس کے عہد کے حالات مفصل طور پر بیان کیے ہیں جو اس پورے دور کی سیاسی، علمی اور تاریخی تفصیلات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ رضیہ سلطان کے تذکرے میں التمش کا دوبارہ مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ بلبن کے تذکرہ میں بھی انصاف سے کام لیا گیا ہے اور اسکے عہد حکومت پر عادلانہ رائے قائم کی گئی ہے۔ خلجی خاندان کے ذکر میں بجا طور پر علاء الدین کا مفصل ذکر ہے جس میں اس کی سماجی و اقتصادی اصلاحات کو نمایاں کر کے دکھایا گیا ہے۔ تغلق خاندان کا ذکر تغلقیہ خاندان کی اصطلاح سے کیا ہے جو عجیب لگتی ہے۔ محمد بن تغلق کے ذکر میں بھی عام مؤرخین کی روش سے ہٹ کر صحیح بات لکھنے کی کوشش کی گئی ہے فیروز شاہ تغلق کو اس کا صحیح مقام دیا ہے جو سید خاندان کا بیان ہے اور ابراہیم لودھی کے بیان پر اس جلد کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ سکندر لودھی کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، چنانچہ اس کے اوصاف وخصائل کے بیان میں کافی صفحات لے لئے گئے ہیں۔

تاریخ ملت (جلد یازدہم)

(جلد دوم)

مفتی انتظام اللہ شہابی

سلاطین ہند کی گیارہویں جلد کا دوسرا حصہ تاریخ ملت کے سلسلے کی آخری کتاب ہے، چنانچہ اس جلد میں عہد سلطنت کے بعد دیگر تمام مسلم حکومتوں کی تفصیلات جمع کردی گئی ہیں۔ یہ سلسلہ چونکہ طلباء اور درسی ضروریات کے لئے شروع کیا گیا تھا اس لئے کوشش یہ کی گئی ہے کہ تمام تفصیلات کے ضمن میں ایک مجامع اختصار کا انداز اپنایا جائے اور غیر ضروری طوالت اور لمبے اقتباسات کا سہارا نہ لیا جائے ۔ موجودہ جلد کشمیر، گجرات، عماد شاہی اور عادل شاہی حکومتوں نیز تیموری خاندان کی مغلیہ حکومت کا احاطہ کرتی ہے ۔ ان تمام حکومتوں کی تفصیلات ۳۰۰ صفحات میں یکجا کردی گئی ہیں۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ ضروری معلومات چھوٹنے نہ پائے۔

شاہان مغلیہ کا تذکرہ خاص طور سے طویل ہے اور اسے ہونا بھی چاہیے تھا۔ اس سلسلہ میں جن بنیادی ماخذ کی ضرورت تھی مصنف نے حتی الامکان ان سے استفادہ کیا ہے۔

یہ بات پہلے بھی لکھی جاچکی ہے کہ واقعات اور ان کے اقتباسات دیتے وقت مصنف کے ذہن سے یہ بات نکل جاتی ہے کہ یہ کتاب درسی ضروریات کے لئے ترتیب دی جارہی ہے۔ کہیں کہیں جملوں کی ترتیب میں غرابت محسوس ہوتی

ہے۔ زبان کی سلاست کے دعوے کے باوجود کہیں کہیں سلاست غائب ہو جاتی ہے۔ فارسی عبارتوں کے ترجمے باقی رہ جاتے ہیں۔ واقعات کہیں کہیں صرف مختصر نوٹس کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

درسی ضروریات میں جہاں اور دیگر چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں دو چیزوں پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ مضمون اور اس کا اظہار بیان سادہ، عام فہم اور دلچسپ ہو۔ انتظام اللہ شہابی صاحب کی ان جلدوں میں ان دو چیزوں کی خاص کمی محسوس ہوتی ہے۔

بہر حال تاریخ ملت کے ان سلسلوں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ندوۃ المصنفین نے جہاں دیگر خدمات انجام دی ہیں، تاریخ اسلام کو آسان اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی اس ادارہ کی یہ کوشش قابل تعریف ہے کہ تمام تاریخ کو صرف گیارہ جلدوں میں اکٹھا کر دیا گیا ہے اور انہیں دلچسپ بنانے میں نہ تو وہ انداز اپنایا گیا ہے کہ تاریخ صرف افسانہ اور کہانی بن جائے اور نہ ہی ایسے طریقے پر عمل کیا گیا ہے کہ وہ علمی بیانات کا طومار بن جائے۔ اس لئے بعض کمزوریوں، فروگذاشتوں، معمولی غلطیوں کے باوجود یہ کتابیں وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہیں اور طلباء کے ساتھ ساتھ عام قاری بھی اس سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔

تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر

مولوی عبدالرحمٰن خان

۲۵۸ صفحات کی اس کتاب کا موضوع ہے تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر، اسی سلسلہ کے تحت ندوۃ المصنفین نے ۱۱ جلدوں میں اسلام کی مختصر تاریخ بھی پیش کی ہے جس میں مسلمانوں کی تمام سلطنتوں کا مختصر حال آگیا ہے۔

تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر بھی اسی قسم کی ایک کتاب ہے جس میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ واقعات انتخاب اور ان کے بیان میں تاریخ کے جدید تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ گوکہ اسلامی تاریخ کے موضوع پر ہماری تمام زبانوں میں بڑی محنت، جانفشانی اور خلوص سے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی گئی ہیں اور بہت مفصل اور معلومات سے پر اور کئی جلدوں پر مبنی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن جدید ذہن اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان کے مطالعہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ زمانہ کے مطابق قاری کی ذہنی سطح اور ان کے مزاج کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی کتاب ترتیب دی جائے جو سب کے لئے قابل قبول ہو اور طوالت و ضخامت کے عیب سے پاک ہو۔ زیر نظر کتاب انہیں خوبیوں کی حامل ہے۔ اس میں سرور کائنات کی حیات طیبہ، خلفائے راشدین کی سوانح حیات کے دوش بدوش بنو امیہ، بنو عباس، فاطمیوں کی خلافت، عثمانی سلاطین اور دیگر بادشاہوں کے حالات بھی بیان کردیے گئے ہیں۔

ساتھ ہی مصنف نے اس بات کی شعوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں

اسلامی معاشرت، مسلم تہذیب و تمدن، ان کی ثقافت اور علمی و فکری خدمات کا بھی ذکر ہو۔ تاکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے اسلاف رزم و بزم دونوں کے مرد میداں تھے اور اگر تاریخ انسانی کا یہ دور نہ ہوتا تو دنیا آج بھی تاریکی اور ظلم و جہالت کے عالم میں ہوتی۔ انہیں لوگوں کے علمی و فکری نتائج کی بنیاد پر ترقی یافتہ دنیا کی عمارت کھڑی ہوئی۔

مصنف کا انداز بیان پر زور اور مؤثر ہے جس میں مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ تاریخی حقیقتوں کے نتائج پر غور فکر کے بعد کوئی فیصلہ صادر کیا گیا ہے۔ اتنے لمبے عرصے کو ۲۵۸ صفحات میں سمیٹ دینا اور اس انداز میں کہ اس کی جامعیت میں کوئی فرق نہ آئے، مصنف کے وسیع مطالعہ، ان کے قدرت بیان اور بیدار ذہن کی دلیل ہے۔

تاریخ ردّہ

ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب

آنحضورؐ کے وصال کے بعد عرب کے نو مسلم قبائل مرتد ہو گئے تھے اور بہت سے مدعیان نبوت، اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ ہو گئے تھے، یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ اس کی سرکوبی کے لئے خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کو فوجی اقدامات کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

مذکورہ بالا کتاب اسی فتنہ ارتداد کی تفصیل ہے جسے خورشید احمد فارق صاحب نے اپنی علمی اور تحقیقی روایات و معیار کو برقرار رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔ کتاب اصل میں ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ بن سالم کلاعی کی کتاب "الاکتفاء بما

تضمنه من مغازی المصطفی و مغازی الخلفاء" سے ماخوذ ہے (۱۱) خورشید صاحب کو مصر کے کتب خانے میں یہ مخطوطہ نظر آیا اور اپنے علمی و تحقیقی شوق کی وجہ سے انہوں نے پوری کتاب کا بغور مطالعہ کیا۔ کتاب کی ضخامت، اس کی نقل میں مانع تھی، اس لئے موصوف نے صرف عہد صدیقؓ کے واقعات نقل کر کے اور اس میں چند حواشی کے اضافے کے بعد اسے شائع کیا ہے اس سلسلہ میں انہوں نے متن کی تصحیح بھی کی ہے۔ کتاب میں مذکورہ مقامات و شخصیات پر تشریحی نوٹس دیئے ہیں اور مشکل الفاظ کے معانی بھی دے دیئے ہیں۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے الاکتفاء کے اس جزء کو ایڈٹ کیا ہے۔

تاریخ الفخری

مترجم: مولوی محمود علی خاں بھوپالی

محمد بن علی بن طباطبا کی یہ عربی تاریخ ان معنوں میں دیگر کتب تاریخ سے مختلف ہے کہ اس کے بہت سے اجزاء نہیں ہیں اور نہ ہی غیر ضروری طوالت سے کام لیا گیا ہے جو بعض اوقات واقعات کے تسلسل میں فرق ڈال دیتا ہے، بلکہ ان پر ذہن کی گرفت بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔

ابن فخری نے اپنی کتاب کو صرف دو جلدوں میں محدود رکھا ہے۔ ایک جلد اتنی مختصر اور جامع ہے کہ اس میں تمام خلفاء کی تاریخ، واقعات و حوادث، شورش و بغاوت، سیر و سوانح سب کو سمیٹ لیا ہے اور یہ جلد بنو عباس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک کے عہد کو بیان کرتی ہے۔

دوسری جلد میں سیاست و حکمرانی کے اصول بیان کئے گئے ہیں جو ظاہر ہے اپنے زمانہ کے حالات اور ماضی کی روشنی میں لکھے گئے ہیں۔ ان اصولوں سے اتفاق بھی کیا جاسکتا ہے اور ان سے اختلاف بھی ممکن ہے لیکن مصنف کی کوشش اور مخلصانہ کوشش سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اصل کتاب عربی میں تھی اور چونکہ اسلام کی مستند تاریخی کتابوں میں اس کا شمار تھا اس لئے ضرورت تھی کہ اردو قارئین کے لئے اس کا اردو ترجمہ بھی ہوتا کہ اس کی افادیت کا حلقہ اور بڑھے۔ ندوۃ المصنفین نے جو اپنی تاریخی کتب کی اشاعت کی روایت کے لئے مشہور ہے اور جس نے اپنی بیشتر کتابیں اسی موضوع پر شائع کی ہیں، مولانا محمود علی خاں سے اس کا اردو ترجمہ کروایا ہے۔

ترجمہ صاف ستھرا اور رواں ہے۔ زبان عام فہم ہے اور یہ نہیں محسوس ہوتا کہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

برہان میں اس سلسلہ میں اصل کتاب پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں الفخری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے "الفخری کا تنقیدی مطالعہ" (۱۲)
ابن طبا طبا ابن طقطقی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

تاریخ طبری کے ماخذ کا تنقیدی مطالعہ

مترجم : نثار احمد فاروقی

ابن جریر طبری ہمارے صف اول کے مورخین میں ہیں اور اسلامی تاریخ پر ان کی کتاب، جو انہیں کے نام کی وجہ سے تاریخ طبری کہی جانے لگی۔ بنیادی ماخذ

میں شمار کی جاتی ہے "المجمع العلمی العراقی" میں مواد التاریخ الاطبری کے نام سے دکتور حماد علی کے مقالات بالاقساط شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مقالات کی افادیت کا تقاضہ تھا کہ اردو خواں اور عربی سے ناواقف حضرات کو بھی ان کا فیض پہنچے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے ان مقالات کو اردو میں ترجمہ کر کے کتابی شکل دی ہے خود ان کی یہ کتاب قسط وار مترجم مضامین کی شکل میں برہان میں شائع ہوتی رہی ہے۔ ان مضامین نے ۱۹۸۰ء میں کتابی شکل پائی اور مکتبہ برہان ہی سے شائع ہوئی۔ مسلمان مورخین، تاریخ نویسی میں کتنی محنت اور تلاش و تحقیق انجام دیتے تھے۔ کن شرائط اور کن خطوط پر عمل کرتے تھے۔ ان تمام کا اندازہ اس کتاب کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

کتاب میں، علم الانساب، روایات و قصص، ایام عرب، علم تفسیر، طریق اسناد، محدثین کے طریقۂ کار، فن سیرۃ، مغازی، فارس و روم اور ان جیسے بہت سے موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ جو چیز قابل تعریف تھی اسے سراہا گیا ہے اور جہاں جہاں کمزوریاں تھیں ان کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔

اصل مصنف کا مطالعہ وسیع ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلم مورخین اور ان کی تاریخ نگاری پر فاضلانہ تبصرہ کیا ہے، ساتھ ہی مسلم مورخین کے بارے میں اہل مغرب کی کیا رائے ہے، اس سے بھی ہم کو باخبر کر دیا ہے۔

اقساط پر مشتمل اس مقالے میں طبری کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ ملتا ہے جس میں ان ماخذ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جن سے طبری نے استفادہ کیا ہے۔ یہ مطالعہ بھی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہے جس میں خود طبری کی خوبیوں اور اس کی کمیوں

کی نشاندہی کی گئی ہے۔ لیکن طبری نے اتنی مفصل تاریخ میں جس جانفشانی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ تنقید بڑی آسان لگتی ہے۔

ترجمہ اچھا ہے۔ مترجم عربی اور اردو دونوں زبانوں پر عبور رکھتے ہیں اور اس بات کو لکھنے کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے ترجمے میں اصل کا رنگ بھر دیا ہے اور اس طرح تاریخ طبری کی صحیح صورت ہمارے سامنے رکھ دی ہے۔

تاریخی مقالات

پروفیسر خلیق احمد نظامی

یہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کے تاریخی مقالات کا مجموعہ ہے جس میں ہندی قرون وسطیٰ کے تمدنی حالات، مذہبی افکار اور ادبی رجحانات کے متعلق ان کے تحقیقی مقالات شامل ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۹۶۶ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ فہرست مضامین دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب کا حلقہ مطالعہ مشاہدہ کتنا وسیع ہوگا۔ پہلا مضمون ''رسول اکرم کا آخری خطبہ اور اس کی تاریخی اہمیت'' پر ہے (۱۳) مضمون میں حقوق انسانی اور عورتوں کے حقوق پر خاص توجہ دی گئی ہے اور خطبہ کے اسی حصہ کو نمایاں کر کے دکھایا گیا ہے جس میں دوسری تہذیبوں سے بھی موازنہ کیا گیا ہے۔ دوسرا مضمون محی الدین ابن عربی پر ہے جس میں ان کی سوانح، تصانیف اور ہندوستان میں ان کی تصانیف پر جو تبصرے، شرحیں، اختلافی مضامین شائع ہوئے ہیں ان کی تفصیل بھی ملتی ہے۔

تیسرا مضمون بدایوں کے تاریخی پس منظر پر ہے، مضمون مختصر ہے اور اس

میں وہاں کے تمدنی حالات کی تفصیل دی گئی ہے۔

چوتھا مضمون طوطیٔ ہند حضرت امیر خسرو کی شخصیت اور ان کے فن پر ہے۔ اگلا مضمون مولانا نخشبی پر ہے جو ان کی شخصیت کی بہت اچھی عکاسی کرتا ہے۔ چھٹے مضمون میں مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود چند اہم مخطوطات سے بحث کی گئی ہے (۱۴) جس میں نہجۃ البلاغۃ، نفائس المآثر۔ حال نامہ بایزید انصاری، طبقات اکبری، ذکر ملوک، مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادی، سرور الصدور و نور البدور، اسولہ واجوبہ رشیدی اور مخ المعنی نامی مخطوطات ہیں، مخطوبات شیخ محب اللہ الہ آبادی میں، ملّا محمد جونپوری، میر سید عبدالحکیم اور شاہزادہ دارا شکوہ کے نام بھی خطوط ملتے ہیں۔

ساتواں مضمون " سترہویں صدی عیسوی کے ایک فرانسیسی سیّاح کے تاثرات کے نام سے ہے۔ ہر مز کا قیام ہندوستان میں تقریباً ۱۴ سال رہا۔ اس کا یہ سفر نامہ ہندوستانی معاشرت کا آئینہ ہے۔ اب یہ تاثرات یا سفر نامہ پاکستان سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ ان تاثرات کے چند موضوعات کو دیکھ کر اس کی رنگارنگی کا اندازہ ہوتا ہے جیسے ہندوستان کے شہر، قلعہ کی زندگی، بازار اور دکانیں، اشیائے خورد و نوش، زراعت و پیداوار، مصنوعات، کاریگروں کی حالت، ہندوستان میں سونے چاندی کی کھیت، تعلیمی حالت اس سلسلہ میں اورنگ زیب نے اپنے اتالیق اور استاد محمد صالح کے پڑھائے ہوئے نصاب پر جو گرفت کی ہے، اس سے خود اورنگ زیب کی زیرکی کا اندازہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کی محدود معلومات کا بھی۔ "ہندوستانی طریقہ علاج" ہندو مذہب پر بھی اس کی اطلاعیں

خاصی معلوماتی ہیں۔ اس نے بازاروں میں سرمد کو بھی برہنہ چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ (۱۵)
۱۸۵۷ء سے پہلے کی دہلی آٹھواں مضمون ہے جو معلومات کے لحاظ سے کافی دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ اس میں انہوں نے مشائخ اور علماء کے نام اور ان کے تذکرے دئے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے خانوادے کا ذکر بھی ملتا ہے۔

کتاب کا آخری مضمون ''سید احمد خاں اور سید جمال الدین افغانی'' پر ہے (۱۶) جو بہت معلومات افزا اور بڑی افادیت کا حامل ہے۔ جس میں اس صدی میں مسلمانوں کی ذہنی کیفیت، ان کے زوال کے اسباب کو دور کرنے کے لئے اصلاحی کوششوں میں سے سر سید اور افغانی کی خدمات کا ذکر ہے اور دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے اس وقت عالم اسلام کی دیگر اصلاحی کوششوں اور تحریکوں کا ذکر بھی ہے جس میں خیر الدین پاشا تیونسی، ترکی میں مدحت پاشا، ایران کے شیخ ہادی نجم آبادی، مصر میں مصطفیٰ کمال، الجیریا میں عبد القادر، نجد میں مولانا عبدالوہاب، طرابلس میں امام محمد بن سنوسی اور روس میں مفتی عالم جان کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ قوم کی اصلاح اور ترقی کے لئے سید احمد خاں کے جذبات و احساسات کا بیان بہت پر اثر ہے۔ اس مضمون کی خاص چیز سر سید اور افغانی کی تحریکوں کا موازنہ اور ان کا تجزیہ ہے۔ دوسری طرف ہندوؤں میں بیداری پیدا ہو رہی تھی اس کا بھی ذکر ہے، اور اسی مضمون کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پوری کتاب پر یہ مضمون بھاری ہے۔

تہذیب کی تشکیل جدید

مولانا محمد تقی امینی

۳۲۹ صفحات کی یہ کتاب بھی ان دیگر کتابوں کی طرح علمی اور تحقیقی انداز کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے آج کی مہذب اور ترقی یافتہ دنیا کے مسائل کا تجزیہ کیا ہے اور پھر کتاب الٰہی کی روشنی میں ان مسائل و مشکلات کا حل تلاش کیا ہے۔ پہلے انہوں نے لفظ تہذیب کی لغوی تشریح کی ہے اور اس کے بعد دنیا کی قدیم تہذیبوں یعنی یونانی، رومی، مسیحی اور موجودہ مغربی تہذیب کے اصولوں اور بنیادی عناصر کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ جس میں انہوں نے مشرق و مغرب کے مفکرین کی آراء سے بھی مدد لی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ تہذیب ناقص ہے اور انسانی تہذیب کی ہمہ جہتی ترقی کیلئے ناکافی ہے اور ناکافی ہی نہیں بلکہ ایک طرح سے مضر بھی ہے، انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ فکر انسانی اس حد تک مکمل نہیں ہے کہ وہ صحیح رہنمائی کر سکے کیونکہ انسانی فلاح اور اس کی کامیابی صرف مذہب اور اسلامی ہدایات سے ہو سکتی ہے۔

پھر انہوں نے سیکولرزم، جمہوریت، بین الاقوامیت، انفرادیت، اجتماعیت اور مرکزیت کی وضاحت اسلامی نقطۂ نظر سے کی ہے اور انسانی عدل و توازن کی تدابیر تجویز کی ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں حکومت اور محکوم کی ذمہ داریوں، جدید معاشی نظام کی دو قسموں اور ذرائع پیداوار کی تقسیم پر بحث کرتے ہوئے اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نقائص بتائے ہیں اور ایک متوازن نظام کا خاکہ پیش کیا ہے

یعنی بعض ذرائع پیداوار پر اجتماعی ملکیت ہونی چاہیے، یعنی وہ براہ راست حکومت کے ہاتھ میں ہونی چاہیے بعض پر بتدریج اجتماعی ملکیت ہونی چاہیے اور بعض پر خالص انفرادی، چنانچہ اجتماعی ملکیت کی چیزوں میں فولاد اور مشین کی صنعتیں، برقی پلانٹ، اسلحہ جات، ایٹمی طاقت، کوئلے کی کانیں، تارکول، پٹرول اور گیس، جواہرات اور سونا چاندی وغیرہ۔ بحری، ہوائی اور ریلوے، ٹرانسپورٹ، رسل و رسائل، کپڑوں کی ملیں اور دوسرے کارخانے شامل ہیں۔ اسی ضمن میں درمیانہ درجے کی صنعتیں اور تیسری میں چھوٹی اور گھریلو صنعتیں شامل ہیں۔

سیاسی تنظیم میں انہوں نے اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کے لئے چنا ہے اور تشکیل جدید کے مجوزہ پروگرام میں انسانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے لئے ایسے اصول و آداب بتائے ہیں جن کو ملحوظ رکھ کر انسانیت امن و فلاح کا راستہ اختیار کر سکتی ہے۔ ان کی پیش کردہ جدید تشکیل میں (۱) انسان بحیثیت انسان لائق احترام ہے، رنگ و نسل، زبان، مذہب، نسب، غربت و امارت اور پیشہ و ذات کی بنیاد پر کوئی تمیز و تفریق نہیں ہونی چاہیے۔

(۲) ہر شخص کا بنیادی حق ہے کہ اس کی عزت، جان، مال اور ناموس کی حفاظت ہو۔

(۳) عدل و احسان کے قوانین سب کے لئے یکساں ہوں۔

(۴) کائنات کی تمام چیزوں سے سب لوگ یکساں فائدہ اٹھائیں۔

(۵) بشرط صلاحیت حکومت میں سب کا حق ہونا چاہیے لیکن ان حقوق کے ساتھ شہریوں کا بھی فرض ہے کہ "امور خیر میں حکومت کے ساتھ

تعاون کریں، اس کے خیر خواہ رہیں۔

انہوں نے اس سلسلہ میں اسلام کے ماخذ قرآن وحدیث کے نصوص پیش کئے ہیں اور جہاں جہاں ضرورت پڑی ہے، اسلامی تاریخ سے حوالے دئے ہیں۔

ایک علمی اسلامی نظام کے لئے انہوں نے اس کتاب میں ایک طرح سے اصول ہدایت پیش کئے ہیں جو ظاہر ہے قرآن کی روشنی میں اور اس کے استدلال کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں کیونکہ ایک جدید تشکیل جو تمام انسانیت کے لئے ہو اور جو فلاحی ریاست صحیح معنوں میں کہی جاسکے۔ اس کی بنیاد صرف اور صرف اسی طرح ڈالی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور طریقہ یا نظام اپنایا جائے تو اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو دنیا کی دوسری تہذیبوں اور ان کے نظامہائے حیات کا ہوا۔

کتاب بڑے ایمانی جذبہ سے لکھی گئی ہے اور اس میں بھی تقی امینی صاحب نے اپنی باتیں منطقی استدلال کے ساتھ پیش کی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط

ترتیب: ڈاکٹر خورشید احمد فارق

ندوۃ المصنفین نے خورشید احمد فارق صاحب کے زرخیز ذہن اور اخاذ طبیعت سے بہت فائدے اٹھائے ہیں اور ہر دو کا صحیح استعمال کیا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام کی اولین تاریخ اور قرون وسطیٰ کی مسلم تاریخ پر ان کی بہت سی مفید اور معلومات سے پُر کتابیں منظر عام پر آئیں۔

اس سلسلہ میں انہوں نے خلافت راشدہ کے عہد میں لکھے گئے سرکاری

خطوط کو مرتب کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ موجودہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ کے وہ تمام خطوط یکجا کر دیے گئے ہیں جو انہوں نے مختلف والیوں، عمال اور قاضیوں کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں۔ یہ مکتوبات و فرامین، فراست صدیق کا آئینہ ہیں جن سے ان کی سیاسی و انتظامی صلاحیتوں کی پوری تصویر سامنے آتی ہے۔ اس پر آشوب دور میں ان کی سیاسی بصیرت نے جس طرح مشکلات کو حل کیا، اسے دیکھ کر ان کی عظمت و اولیت کا تاثر کچھ اور بڑھ جاتا ہے۔

مصنف نے شروع میں خلیفہ اول کا تعارف قابل تعریف انداز میں کروایا ہے۔ اردو قارئین اور برصغیر پاک و ہند کے پڑھنے والوں کے لئے یہ بالکل نیا تحفہ ہے۔ اس موضوع پر ہمارے یہاں اتنا مفصل کام نہیں ہوا تھا۔ کتاب کے آخر میں مرتب نے تمام مکاتیب و فرامین کو ترتیب وار یکجا کر دیا ہے جو اپنی اصل عربی صورت میں ہیں۔ اس طرح ترجمہ و متن دونوں ہی ایک ہی کتاب میں جمع ہوئے ہیں۔

فارق صاحب کو عربی میں زبان پر جو عبور اور ماخذ و مراجع پر دسترس حاصل ہے اس کا اندازہ بار بار ہوتا ہے، انہوں نے جس محنت سے یہ خطوط قدیم کتابوں سے نکالے ہیں وہ قابل تعریف ہے۔

اہل علم اور طلباء دونوں کے لئے یہ ایک بہترین تاریخی مجموعہ ہے جو صدر اسلام کے نشیب و فراز کو سمجھنے میں بڑی مدد دے گا۔

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط

ڈاکٹر خورشید احمد فارق

ندوۃ المصنفین دہلی اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے سرکاری خطوط شائع کر کے داد تحسین حاصل کر چکا ہے، کم و بیش اسی نہج پر حضرت عمرؓ کے مکاتیب و فرامین پر مشتمل ۶۰۰ صفحات کا یہ دوسرا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب میں بھی مؤلف نے اسی تلاش و تحقیق کا ثبوت دیا ہے اور ان فرامین وغیرہ کی جستجو میں ان کو نہ جانے کتنی کتابوں سے رجوع کرنا پڑا ہوگا۔

ان مکاتیب اور فرامین کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کے حسن انتظام، طریق کار اور انتظامی امور پر انکی گرفت اور ان سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان فرامین میں مختلف عمال، قضاۃ اور والیوں کو امور سلطنت سے متعلق احکام صادر ہوئے ہیں۔ احکام کی نوعیت دیکھ کر اس عہد کے مسائل بھی سامنے آتے ہیں نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے حل کے کے لئے حضرت عمرؓ نے کیا کیا طریق کار اپنائے۔

کسی بھی اسلامی زبان میں اس قسم کے خطوط کا مجموعہ موجود نہیں تھا۔ مؤلف خورشید احمد فارق صاحب اور ندوۃ المصنفین دونوں ہی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اردو میں یہ مجموعہ اسلامی تاریخ پر ایک اہم دستاویز ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اسی کتاب کے دو اڈیشن شائع ہوگئے اور دوسرے اڈیشن میں اضافے بھی کئے گئے۔

اس مجموعہ میں حضرت عمرؓ کے خطوط کی تعداد تقریباً سوا پانچ سو ہے۔ کتاب کی

ترتیب میں بھی کم وبیش اتنے ہی ماخذ و مراجع سے مدد لی گئی ہے جس سے مصنف کی لگن کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے، پہلے حصہ میں خطوط کا اردو ترجمہ ہے، دوسرے حصہ میں عربی متن بھی اسی ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔

یہ مجموعۂ مراسلات عمر فاروق کے احساس ذمہ داری، بیدار مغزی، میدان جنگ کے نشیب و فراز سے واقفیت، سیاسی بصیرت، انتظامی قابلیت، اسلامی روح سے سرشاری، فتح و شکست کے ایمانی فلسفہ پر کامل یقین، اللہ پر اعتماد، مسلمانوں پر شفقت، ان کی سیرت و کردار، ان کے دین اور ذہن و مزاج کی حفاظت کی فکر کا ایک آئینہ ہیں (۱۷)

حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط

ڈاکٹر خورشید احمد فارق

مصنف اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط پر دو کتابیں ترتیب دے چکے ہیں جو شائع ہو کر پڑھنے والوں سے داد تحسین لے چکی ہیں۔ اسی سلسلہ کی یہ کتاب بھی ہے جس میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے ۲۷ خطوط شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے اس زمانے کے طریق ضبط و تحریر اور خلفائے ثلاثہ کے سرکاری خطوط، نیز اس دور کے اہم سیاسی حالات پر فاضلانہ و عالمانہ تبصرہ کیا ہے۔ مختلف مورخوں نے حضرت عثمانؓ پر جو غیر منصفانہ شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا، انھوں نے ان کے بڑے مسکت جواب دئے ہیں جن میں تحقیق و تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب اپنی تحقیقی

خوبیوں کی وجہ سے منفرد ہے اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کتاب حضرت عثمانؓ کی شخصیت کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے لیکن انداز تحریر مصنف کو غیر جانبداری کے محتاط طریقہ سے دور کر دیا ہے۔ اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شخصیت کو نمایاں کرنے میں حضرت علیؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ کے ذکر میں ادب اور لحاظ کا دامن چھوڑ دیا جائے، مذکورہ غیر محتاط انداز سے قطع نظر، کتاب ایک عالمانہ کوشش ہے اور اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مستند ماخذ کا کام دے سکتی ہے۔

خلافت عباسیہ اور ہندوستان

قاضی اطہر مبارکپوری

عرب و ہند کے تعلقات پر قاضی اطہر صاحب کی تصنیفات اس سے پہلے بھی آچکی ہیں جن کا تعلق عہد عباسی سے پہلے کے ادوار سے تھا۔ موجودہ جلد کا تعلق "خلافت عباسیہ اور ہندوستان" سے ہے جس میں ہندوستان میں ایک سو پندرہ سالہ عباسی دور خلافت کے غزوات و فتوحات اور اہم واقعات و حادثات، عباسی امراء و حکام کے ملکی و شہری انتظامات، عرب و ہند کے درمیان گوناگوں تجارتی تعلقات، امارت بحر بصرہ کے ماتحت بحری امن و امان کا قیام، ہندی علوم و فنون اور علماء، اسلامی علوم و فنون اور علمائے اسلام اور ہندی موالی و ممالک وغیرہ مستقل عنوانات پر نہایت مفصل و مستند معلومات پیش کی گئی ہیں، نیز یہاں کے مسلم اور غیر مسلم کے عالم اسلام سے علمی و فکری اور تہذیبی و تمدنی روابط کی

تفصیلات درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خلفاء وامراء نے پہلی بار افسانوی ہندوستان کو دنیا کے سامنے حقیقت کے رنگ میں پیش کیا، (۱۸) مصنف نے جن امہات الکتب سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست دے دی ہے، ان کتابوں کی مجموعی تعداد ۱۴۶ ہے۔ پہلا باب "خلافت عباسیہ اور ہندوستان" کے نام سے ہے جو ۴۳ صفحہ سے شروع ہو کر ۲۱۰ صفحہ پر ختم ہوتا ہے، جس میں دیگر امور کے ساتھ ساتھ سندھ، گجرات، ملتان، کشمیر، سدھانت کا عربی میں ترجمہ، سندھ و ہند اور عجم کے بادشاہوں کو مہدی کی دعوت اطاعت اسلام، سوراشٹر کی فتح، ہندی علوم کی ترویج واشاعت اور طب و حکمت کی منتقلی، دوسرا باب "امارت بحر بصرہ اور بحری ڈاکوؤں سے جنگ پر ہے اور ڈاکوؤں سے ۱۵ جنگوں کی تفصیلات مہیا کی ہیں۔ تیسرا باب امارت اور ملکی و شہری انتظامات پر ہے جس میں ہر عہد کے انتظامات سے بحث کی گئی ہے۔ اسی باب میں "ذمی، اسلامی فوج میں، ہندی سپاہی، مذہبی آزادی، راجوں مہاراجوں کا برضاء ورغبت قبول اسلام، ہندی حکماء واطباء کا برضاء ورغبت قبول اسلام" پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کا سب سے اہم باب "عرب و ہند کے تعلقات" کا ہے جس میں اسلام اور مسلمان اہل ہند کی نظر میں، عربی و ہندی تہذیب و تمدن کا امتزاج، شعرائے عرب اور ہندوستان کا طبعی و تکوینی حسن و جمال شامل ہے۔ اگلا باب عرب ہند کے درمیان تجارت پر ہے پھر "ہندی علوم و فنون اور علماء ہند" جیسے اہم موضوع پر روشنی ڈالی ہے (۱۹)۔

"اسلامی علوم و فنون اور علمائے اسلام" کے نام سے ایک نیا باب قائم کر کے

علمائے اسلام اور علمائے ہند عباسی عہد کے علماء ہند کا اجمالی تعارف کرایا ہے اور ہندوستانی علماء کی ایک طویل فہرست دی ہے جس میں ۷۷ ایسے علماء کا ذکر کیا گیا ہے، پھر ہندوستان کے مختلف شہروں کا ذکر کر کے ہر شہر کے مشہور علماء کا ذکر کیا گیا ہے جیسے علمائے دیبل، علمائے منصورہ، علمائے مکران، علمائے لاہور، علمائے مالا بار اور علمائے سندھ و ہند۔ اس دور میں ہندوستان میں علم حدیث کے ارتقاء سے بھی بحث کی گئی ہے۔ ہندوستان میں فقہ و فقہا، مفسرین اور قراء، قضاۃ اور معدلین کے باقاعدہ نام گنوائے ہیں۔ پھر اس دور میں جو علماء ہندوستان میں تشریف لائے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ "ہندی موالی اور ممالیک" کے باب میں موالی علماء، فقہاء اور ائمہ حدیث کا کافی مفصل اور معلومات افزا تذکرہ کیا گیا ہے جو صفحہ ۵۰۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۵۲۲ تک چلتا ہے۔

اسی باب میں مختلف علوم و فنون میں جامعیت کے نام سے ایک عنوان مقرر کر کے، حدیث میں امامت، سیر و مغازی، اصول حدیث، فقہ اور فقہا، علم کلام اور متکلمین، عباد و زہاد، علمائے لغت و عربیت کا تذکرہ ہے۔ پھر ان کی تصانیف کا ذکر ہے اور ان کو جو جاہ و منزلت حاصل تھی اس کی تفصیل دی گئی ہے۔ تعلیم و تدریس کیسے ہوتی تھی۔ ان علماء کے ذاتی کاروبار کیا تھے، اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

"شعر و شعراء" کے نام سے ایک دوسرا عنوان مقرر کر کے ہندوستان کے عربی شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی باب کے آخر میں "امراء و حکام" کے عنوان کے تحت ہندوستانی امراء و حکام کے نام دیے گئے ہیں۔ مصنف نے جزوی تفصیلات تک پر نظر رکھی ہے اور آخر میں ہندوستان کی چند نامور کنیزوں اور

باندیوں کا تذکرہ کیا ہے جو اپنی کسی نہ کسی خاصیت کی وجہ سے تاریخی حیثیت اختیار کر گئی ہے جیسے خمار قندھاریہ جو مغنیہ تھی۔ سکر سندھیہ، طلہ سندھیہ، شہدہ طحانہ سندھیہ اور عجوز سندھیہ۔

غرض یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنے بعض مشمولات کی بنا پر اس موضوع پر اپنی پیشرو کتابوں پر سبقت لے گئی ہے۔

خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

مترجم : مولانا احتشام الحق کاندھلوی

یہ کتاب علامہ جار اللہ زمخشری کے الموافقه بین اهل البیت و الصحابه کے مختصر رسالہ کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ کتاب کا موضوع بہت نازک اور حساس ہے خصوصاً شیعہ روایات نے ایک عام فہم اور بدیہی چیز کو وجہ نزاع بنا ڈالا ہے۔ جب قرآن خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ محمد رسول الله و الذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم (سورہ فتح نمبر ۴۸ آیت نمبر ۲۹) (محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلے میں بڑے سخت لیکن آپس میں بہت رحم والے ہیں) تو اس موضوع پر کسی شبہ کا اظہار ناانصافی پر مبنی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ خلفائے راشدین ہوں یا دیگر صحابہ کرامؓ۔ اہل بیت سے ان سب کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے بالخصوص خلفائے راشدین سے تو عزیزداریاں تھیں۔ پھر تاریخ میں ان کے اختلافات کا بیان، عدل و انصاف کے خلاف

ہے۔ ان کی باہمی رواداریاں، ایک دوسرے کا احترام، ایک دوسرے کے فضائل کو تسلیم کرنا اور اس کا اعلان واقرار کرتے رہنا، تاریخی کتابوں سے ثابت ہے اور ان تعلقات کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنا یا ان کی غلط تعبیر کرنا غلط بیانی اور غلط فہمی پھیلانے اور انتشار امت کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ علامہ زمخشری نے حدیث و تاریخ کی کتابوں سے ان تمام واقعات وحالات کو یکجا کر دیا ہے جن سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ صحابہ کرام اور خلفائے ثلاثہ اور اہل بیت کے درمیان کتنے مخلصانہ اور مبنی بر محبت تعلقات تھے۔

علامہ زمخشری نے اپنی بات کی تائید وحمایت کے لئے مستند روایات کے ساتھ ویسی دیگر بہت سی روایات بھی لے لی تھیں جو درجہ استناد سے گری ہوتی تھیں، بعض بالکل بے اصل بھی تھیں۔ مترجم بھی اس سے باخبر تھے اور ان کو اس کا احساس تھا لیکن بعض موانع کی وجہ سے وہ ان کو الگ نہ کر سکے اور چونکہ ان کی نظر میں اس کتاب کا افادی پہلو زیادہ اہم تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی حال میں کتاب شائع کر دی حالانکہ انہیں حاشیہ میں اس پر روشنی ڈالنی چاہیے تھی۔ بہر حال اس سے کتاب کی خوبی پر اثر نہیں پڑتا۔

مترجم نے ترجمہ میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ کتاب ترجمہ نہیں لگتی۔ زبان سادہ، ترجمہ رواں اور شستہ ہے۔ اصل عربی رسالہ بھی مختصر ہی تھا اور اس کا ترجمہ بھی مختصر، یعنی صرف ۴۰ا صفحات پر مشتمل ہے۔

خلافت راشدہ اور ہندوستان

قاضی اطہر مبارکپوری

یہ کتاب مصنف کی عربی تصنیف "العقد الثمین فی فتوح الھند و من ورد فیھا من الصحابۃ و التابعین" کا اردو ترجمہ ہے جو خود مصنف نے کیا ہے۔ زیر نظر کتاب اس کے پہلے حصہ کا ترجمہ ہے اور نئی تقسیم اور اضافے کے بعد اس نام سے شائع ہوئی ہے۔ دوسرے حصے عہد بنی امیہ اور بنو عباس سے تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب کی خصوصیت کے لئے سرورق کی یہ عبارت کافی ہے کہ "خلافت راشدہ میں ہندوستان میں اسلامی غزوات و فتوحات، امارت و انتظامات عرب کے مسلمان ہندوستان میں، ہندوستان کے مسلمان عرب میں صحابہ و تابعین کی آمد اور انکے حالات، عرب و ہند کے گوناگوں تعلقات اور اس موضوع سے متعلق نادر و نایاب معلومات و مباحث سیر و مغازی اور تاریخ و طبقات کی قدیم مستند کتابوں سے یوں جمع کئے گئے ہیں کہ اس ملک میں خلافت راشدہ کے مقدس دور کا صحیح اور واضح نقشہ پہلی بار نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔"(۲۰)

کتاب کا پہلا باب "عہد رسالت و ہندوستان" ہے جس کی اکثر و بیشتر چیزیں مصنف کی ایک کتاب "عرب و ہند عہد رسالت میں" میں بیان کی جاچکی ہیں۔ دوسرا باب "خلافت راشدہ اور ہندوستان" کے نام سے ہے، جس میں ہندوستان کے بارے میں خلفائے راشدین کی پالیسی، ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ کا اسلام، ہندوستان کے راجے مہاراجے، اسلامی فوج کے مقابلہ میں مرتدین عرب کی مدد،

مسلسل خروج و بغاوت اور بد عہدی اور خلافت راشدہ کی ہندوستان میں فتوحات کی تعداد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

غزوات و فتوحات کے باب میں جن اہم موضوعات کو لیا گیا ہے وہ ہیں فتنہ ارتداد میں عرب کے ہندوستانیوں کی شرکت عرب اور ہندوستان میں اس کے اثرات و نتائج، ایران کے ہندوستانیوں پر فتح و غلبہ، تھانہ بھڑوچ اور دیبل کی فتح، مکران کی پہلی فتح، مکران کی دوسری فتح، بلوچستان کی فتح، بری اور بحری راستوں سے قافلۂ اسلام کی آمد، دعوت توحید و رسالت۔

انتظامات و تعلقات کے نام سے جو باب قائم کیا گیا ہے اس میں ہندوستان کے بصری امراء و حکام کے تحت حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبد اللہ ابن عامر کریز، حضرت عثمان بن حنیف انصاری اور حضرت عبد اللہ ابن عباس کے نام دیے ہیں۔ اسی باب کے کچھ اہم موضوعات یہ بھی ہیں : انتظامی امور میں خلفاء سے خط و کتابت اور ہدایت، مذہبی فکری اور معاشی آزادی، ہندوستان کے مذاہب اور بت خانے، ذمیوں اور معابدوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم، شرائط اور عہد و پیمان کا احترام، ذمیوں پر چند معمولی ذمہ داریاں اور ان کے مصالح، مذہبی فکری اور معاشی آزادی، نیز ہندوستان کے مذاہب اور بت خانے والے مضامین پڑھ کر اس وقت کے مسلمانوں کی رواداری کا احساس ہوتا ہے اور اس جھوٹ کی حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ ہندوؤں، بدھوؤں اور ذمیوں کے بارے میں مسلمانوں کا طرز عمل فراخدلی کا نہ تھا۔ مصنف نے اپنی بات کی تائید میں احادیث اور خلفائے راشدین کے فرمودات بھی نقل کیے ہیں۔

اگلے تین ابواب بہت اہم اور عرب وہند کے تعلقات پر ایک حد تک انکشافات کا درجہ رکھتے ہیں۔ "عرب کے مسلمان ہندوستان میں، ہندوستانی مسلمانوں کی پہلی آبادی، افتاء، قضاء، فقہی و دینی تعلیم، ہندو سندھ میں علم حدیث اور علماء و محدثین، لسانی علوم اور شعراء و ادباء، اعیان و اشراف اور ارباب حیثیت اور عباد و زہاد کے نام گنوائے گئے ہیں"۔

"ہندوستان کے مسلمان عرب میں" کے تحت وہاں بسنے والوں کی تفصیلات دی ہیں۔ مصنف کے بقول تین قسم کے ہندوستانی مسلمان بسے ہوئے تھے۔ زط (جاٹ)، سیابجہ اور جنگی قیدی، فوجی اور شہری ملازم بھی ہوتے تھے (۲۱) کوفہ اور بصرہ میں بھی ہندوستانی مسلمانوں کی آبادیاں تھیں۔ پھر ان کی روایات و تقالید کا ذکر کیا ہے۔ اسلامی علوم اور علمائے اسلام کا بھی ذکر ملتا ہے۔ علاقہ سرندیپ کے ایک دینی و علمی وفد کا بھی ذکر ہے۔ آخر میں مصنف نے ہندوستان کے چند علمی و دینی خانوادوں اور افراد سے بھی مفصل بحث کی ہے اور اس سے پہلے تجارتی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کا آخری باب "ہندوستان میں صحابہ و تابعین" بڑا معلومات افزا ہے، جس میں ان صحابۂ کرام اور تابعین کے نام گنوائے گئے ہیں جن کی ہندوستان میں آمد تاریخی طور سے ثابت ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں مصنف نے ۱۷ صحابہؓ کے نام گنوائے ہیں۔ اس کے بعد تابعین کی فہرست دی ہے جس میں ان کی تفصیلات بھی مہیا کی گئی ہیں۔ ایسے تابعین کی تعداد ۹ تھی۔ آخر میں ان ہندوستانی تابعین و عورتوں کے نام مع حالات کے دیے ہیں جو عرب میں تھے،

جیسے ابو سالمہ زطی، طبیب زطی مدنی، خولہ سندیہ حنفیہ جو حضرت علیؓ کی کنیز تھیں اور جن کے صاحب زادے محمد بن حنیفہ تھے۔ ان میں طبیب زطی مدنی کے متعلق روایت ہے کہ جب حضرت عائشہؓ پر سحر کا اثر ہوا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کا علاج کیا تھا۔

خلافت امویہ اور ہندوستان

قاضی اطہر مبارکپوری

زیر نظر کتاب میں ''اموی دور کے اسلامی ہند کی نوّے سالہ تاریخ میں غزوات و فتوحات اور اہم واقعات، اداری اور سرکاری انتظام، حربی اور فوجی انتظام، ملکی اور شہری انتظامات، اموی امراء و حکام اور راجے مہاراجے، ہندوستان کے مسلمان، ہندی الاصل مسلمان، عربی الاصل مسلمان، اسلامی علوم و فنون، علم حدیث و محدثین، مسلموں اور غیر مسلموں کے گوناگوں تعلقات، باہمی مراعات، اموی دور کے واردین و صادرین، عرب و ہند کے درمیان تمدنی، ثقافتی، علمی فکری اور معاشی و معاشرتی میل جول اور ہر طبقہ کے اعیان و رجال کے حالات نہایت مستند طور پر بیان کئے گئے ہیں جس سے اموی دور کے اسلامی ہند کی صحیح اور مفصل تاریخ پہلی بار سامنے آتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک صدی سے بھی کم مدت میں اسلام اور مسلمانوں نے اس ملک میں کیا کیا خدمات انجام دی ہیں (۲۲)، شکر ہے کہ قاضی اطہر مبارکپوری کی یہ کتاب پڑھ کر یہی تاثر برقرار رہتا ہے۔ ۱۷۶ صفحات کی یہ کتاب ہر پہلو اور ہر گوشے سے اپنے موضوع کا احاطہ کر لیتی ہے اور مذکورہ بالا سطور کا یہ دعویٰ ہے کہ اموی دور کے اسلامی ہند کی صحیح

اور مفصل تاریخ پہلی بار سامنے آئی ہے، صحیح نظر آتا ہے۔ کتاب کے پہلے باب کے مشمولات مصنف کی دوسری کتابوں میں بھی وقتاً فوقتاً جگہ پاتے رہے ہیں، یعنی اصل کتاب دوسرے باب کے "ادارتی اور سرکاری نظام" سے شروع ہوتی ہے۔ مصنف نے اپنی تحقیق کے مطابق صحیح لکھا ہے کہ اصل حاکم عراق کا گورنر ہوا کرتا تھا۔ آگے چل کر صاحب کتاب نے اموی خلفاء، عراقی امراء، ہندی حکام اور ان کی کیفیت کا ایک نقشہ بھی دیا ہے۔ انہوں نے ہندی امراء کی تعداد ۳۴ لکھی ہے۔ یعنی پہلا امیر حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا اور آخری امیر آخری خلیفہ مروان بن محمد مروان (۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ) کے زمانہ میں مقرر کیا گیا۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں غیر مسلموں کے طبقاتی اور معاشرتی پس منظر کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے (۲۳)۔ مسلمانوں نے ان کو جو مذہبی آزادی دی۔ اس میں شدھی ہونے کی بھی آزادی تھی، ہندوستانی اپنے رسوم و رواج کو برقرار رکھنے میں بھی آزاد تھے۔ وہ لوگ امارت و حکومت میں باقاعدہ حصہ دار تھے۔ مال کی وصولی انہیں کے ذمہ تھی۔ ان کے لئے فوجی ملازمت کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اراضی کے انتظام میں بھی انہیں کا دخل تھا۔ مسلمانوں کے نام پر نئے شہر بسائے گئے۔ سندھ اور ملتان کے راجاؤں اور اموی خلفاء کے درمیان روابط بھی موجود تھے۔

قاضی صاحب کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی بنیادی ماخذ کی مدد سے لکھی گئی ہے جو ان کے وسعت مطالعہ کی دلیل ہے۔ اس عہد کے عرب و ہند تعلقات پر اتنی تفصیل سے پہلے کوئی کتاب نہیں آئی تھی۔

صدیق اکبرؓ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

علامہ شبلی کی کتاب ''الفاروق'' اردو کی تاریخ ادب اسلامی میں ایک ایسا اضافہ تھا جس سے حضرت عمرؓ کی تاریخ ساز اور مدبرانہ شخصیت کی تقریباً مکمل عکاسی ہوتی تھی، لیکن اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ خلیفہ اول کی شخصیت پر بھی ایک ایسی ہی جامع تصنیف منظر عام پر آنی چاہیے کیونکہ حضرت عمرؓ کی بہت سی کامیابیاں، حضرت ابو بکرؓ کے نقوش و آثار کا نتیجہ تھیں۔ آں حضورؐ کی وفات کے بعد امت مسلمہ اور خلافت راشدہ کے سامنے جو مسائل اور فتنے آ کھڑے ہوئے تھے ان کا تدارک جس فراست، سیاسی بصیرت اور تدبر سے کیا گیا، وہ حضرت ابو بکرؓ ہی جیسی شخصیت سے ممکن تھا کیونکہ اس دور میں ایسا ہی رہنما کامیاب ہو سکتا تھا جس کی شخصیت ریشم و فولاد دونوں کا آمیزہ ہو۔ زیادہ سختی امت میں انتشار کا موجب ہوتی اور بہت زیادہ نرمی سے اسلام مخالف قوتوں پر گرفت کمزور ہو جاتی۔ یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات تھی جس نے ہر آزمائش کے وقت میں اپنی قوت ایمانی اور نبی اکرمؐ کی اتباع کر کے امت کا شیرازہ بکھرنے سے بچالیا۔ خلافت کی مرکزیت کو برقرار رکھا اور اٹھنے والے نو بہ نو فتنوں کا سد باب کیا۔

ندوۃ المصنفین نے مولانا اکبر آبادی کے قلم سے یہ کتاب لکھوا کر اس اہم ضرورت کو پورا کیا اور حضرت ابو بکرؓ کے تمام کارنامے منظر عام پر آئے، چاہے وہ فتنہ ارتداد کا تدارک ہو یا شام کی سرحدوں کی طرف سے حفاظت و چوکسی، زکوٰۃ کی

وصولیابی ہو یا اسلامی ریاست کی توسیع اور اس کا استحکام یا جمع قرآن کی اولین کوشش۔

زیرِ نظر کتاب میں "حضرت ابو بکرؓ کے ذاتی حالات و سوانح، اخلاق و سیرت، فضل و کمال، اجتہاد و تفقہ، ان کی اسلامی خدمات، علمی و دینی و سیاسی کارناموں وغیرہ اور حضرت ابو بکرؓ کی شخصیت اور عہد صدیقی کے تمام پہلوؤں پر اس تفصیل اور جامعیت کے ساتھ بحث کی ہے کہ اس کا ہر رخ سامنے آجاتا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کی عظمت اور ان کے کارناموں کی اہمیت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ کتاب میں جا بجا علمی و دینی مباحث اور بعض قابل تحقیق، سیاسی و تاریخی مسائل پر سیر حاصل بحث ہے۔ ان مسائل میں اگرچہ فاضل مصنف کی ہر تحقیق اور رائے سے اتفاق ضروری نہیں لیکن بحث نہایت قابل قدر اور فاضل مصنف کی تحقیق اور ژرف نگاہی کی آئینہ دار ہے۔

مجموعی حیثیت سے کتاب نہایت مبسوط و محققانہ اور عہد صدیقی کا جامع مرقع ہے اور الفاروق کی تصنیف کے بعد سیرۃ الصدیق کی جو کمی محسوس ہوئی تھی وہ اس سے پوری ہو گئی ہے۔ (۲۴)

المعارف میں اس کتاب پر ایک بہت مفصل تبصرہ بھی شائع ہوا تھا جس میں اس کتاب میں مذکور بہت سے تاریخی واقعات وغیرہ پر مصنف سے اختلاف کیا گیا تھا اور کتاب کی تعریف کیساتھ ساتھ اس پر ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی تھی۔ (۲۵)

عثمان ذوالنورینؓ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین کے زیر اہتمام بہت سی کتابیں بڑے اہم موضوعات پر شائع

کی گئی ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے مصنف
مولانا سعید احمد اکبر آبادی ہیں۔ کتاب کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس موضوع پر
اردو میں اس سے پہلے کسی اور کتاب میں تحقیق و جستجو کا یہ معیار نظر نہیں آتا۔

کتاب اپنے موضوع کی تمام تفصیلات کو سمیٹے ہوئے ہے، حضرت عثمانؓ کے
ذاتی حالات، ان کے اخلاق و فضائل، ان کی سخاوت بتفصیل بتائے گئے ہیں جس
میں ان کے اس دور کی بھی تفصیلات ملتی ہیں جن کا تعلق آنحضورؐ اور شیخین کے
زمانہ سے ہے کہ اس مبارک عہد میں حضرت عثمانؓ نے کیا خدمات انجام دیں اور
اسلام کے نازک دور میں کس طرح مدد دی، اپنا دست تعاون بڑھایا اور اسلام کو مضبوط کیا۔

پھر انہوں نے خلیفۂ ثالث کی حیثیت سے جو دینی اور سیاسی خدمات انجام دی
ہیں ان کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ ان کا عہد فتنوں کی ابتداء کا عہد تھا، ان فتنوں،
شورشوں اور بغاوتوں کے محرکات و اسباب کیا تھے ان کی شہادت کن حالات کا
نتیجہ تھی اور کن کن ریشہ دوانیوں کا انہیں سامنا کرنا پڑا، یہ تمام حالات ایک
مؤرخانہ اور حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کئے گئے ہیں جس میں جانبداری یا غلط
بیانی کا گزر کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

مولانا ایک صاحب طرز مصنف تھے اور ان کے انداز بیان کی روانی اور زبان
کی خوبیاں بار بار نظر آتی ہیں۔ ان کی جو بات ہوتی ہے وہ مستند اور معتبر ماخذ سے
حاصل کی ہوئی ہوتی ہے جس میں قدیم و جدید کا امتزاج ہوتا ہے۔ یہ تمام خوبیاں،
ان کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی نظر آتی ہیں اور اس طرح حضرت
عثمانؓ کے عہد اور خود حضرت عثمانؓ کی عظمت واضح ہو جاتی ہے۔

۳۴۴ صفحات کی یہ کتاب اپنے موضوع پر اردو کی تاریخ ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔

عرب اور اسلام

مترجم: مبارزالدین رفعت

فلپ کے ہتی کی History of the Arabs اپنی متوازن خصوصیات کی وجہ سے اس قابل تھی کہ اردو خواں طبقہ کے لئے اس کا ترجمہ کیا جائے، ندوۃالمصنفین کے سر یہ سہرا جاتا ہے کہ اس نے مبارزالدین رفعت اور محمد معین خاں سے اس کی مترجم تلخیص شائع کروائی۔ کتاب اپنی گوناگوں خصوصیات کے لئے مشہور ہے اور مستشرقین کی طنز آمیز اور اسلام دشمن ذہنیت اس میں کم سے کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ ہتی نے مستند تاریخی کتابوں سے کم اور اغانی کی حکایات سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، جبکہ اغانی تاریخ کی کتاب نہیں ہے اور بقول خود صاحب اغانی، انہوں نے ان واقعات پر زیادہ توجہ دی ہے جو دلچسپ اور ادبی چاشنی رکھتے ہیں۔ کتاب تاریخ اسلام کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتی ہے اور اب تک اس کے ۱۲۔ ۱۳ اڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن کی ضخامت ہر پچھلے اڈیشن کے مقابلہ میں زیادہ رہی ہے۔

ظاہر ہے یہ کتاب چونکہ تلخیص ہے اس لئے بہت سی باتوں میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

کتاب مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہے: عرب اور مسلمان، اصلی عرب،

بدوی طلوع اسلام کے کچھ پہلے۔ اللہ کے رسولؐ، کتاب اور ایمان، اسلام کا عروج، خلافت، اسپین کی فتح، معاشرتی اور ثقافتی زندگی کا آغاز، شوکت بغداد، عوام کی زندگی، ادب اور سائنس، فنون لطیفہ، قرطبہ، مغرب پر مسلمانوں کے احسانات، ہلال پر صلیب کا سایہ، صلیبی لڑائیاں وغیرہ۔

ہم چونکہ اپنی تاریخ کو عقیدت کے جذبات کے ساتھ پڑھتے ہیں اور غیر مسلم جب انہیں باتوں کو لکھتا ہے تو اس کا کوئی جذباتی تعلق نہیں ہوتا ہے اس لئے بعض امور وواقعات کے بیان سے ہم چونک جاتے ہیں۔ ان حالات میں اس کتاب اور اس قسم کی دیگر دوسری کتابوں کا مطالعہ ذہنی تحفظات کے ساتھ کرنا چاہیے۔ ایک دشواری اور ہوتی ہے کہ غیر مسلم مؤرخین بہت ساری صحیح روایت سے غلط نتائج اخذ کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ کسی ایک واقعہ کے لئے اگر مستند اور ضعیف راویات موجود ہوتی ہیں تو مستشرقین ضعیف روایات کو لے لیتے ہیں۔

کتاب کا ترجمہ سادہ ہے عمدہ طریقہ سے مفہوم کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔ اگر یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہے تو اس کا پہچاننا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ مترجم کی دونوں زبانوں پر قدرت کی دلیل ہے۔

عرب دنیا

مولانا محی الدین الوائی

یہ کتاب عالم اسلام کے ممالک پر لکھی گئی ہے اور اگر اس میں نقشے بھی شامل ہوتے تو اس کی حیثیت اپنے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی ہوتی۔

چھوٹے سائز کے ۱۱۶ صفحات میں بیس مسلم یا بالفاظ دیگر، عرب ممالک کی ایک ایک تفصیل مہیا کر دی گئی ہے جس میں ان ممالک کے جغرافیائی اور معاشرتی حالات جمع کر دیے گئے ہیں۔ ہر ملک کے نام کے بعد اس کا رقبہ، محل وقوع، آبادی، آب و ہوا، پیداوار، معدنیات، مشہور شہر اور بندرگاہوں وغیرہ سے متعلق معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔

جن ممالک کا ذکر کیا گیا ہے ان کی مجموعی تعداد بیس ہے۔ یعنی مراکش، الجیریا، تیونس، لیبیا، مصر، سوڈان، لبنان، شام، مشرقی اردن، فلسطین، سعودی عرب، یمن، کویت، بحرین، قطر، عراق، مسقط، عمان، عدن اور حضرموت کے حالات کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ خلیج فارس سے مراکش تک پھیلے ہوئے مسلم ممالک اس کتاب میں شامل کر لئے گئے ہیں۔

جغرافیہ جیسے موضوع پر لکھتے ہوئے زبان کے حسن، سادگی اور روانی کا التزام مشکل ہو جاتا ہے اور زبان بہت خشک ہو جاتی ہے لیکن مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ زبان سادہ اور عام فہم ہو اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ کتاب مختصر ضرور ہے لیکن بہت جامع ہے اور اپنی افادیت کے لحاظ سے طالب علموں اور عام قاریوں کے لئے بہت مفید ہے۔

کتاب ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس درمیان وہاں کی تاریخ اور جغرافیہ دونوں میں تبدیلیاں آچکی ہیں اور معاشی حالات یکسر بدل چکے ہیں اور یہ ممالک بہت سیاسی اہمیت حاصل کر گئے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ نئے اضافوں کے ساتھ اس کا نیا اڈیشن آئے تاکہ اس کی افادیت برقرار رہے۔

عرب و ہند عہدِ رسالت میں

قاضی اطہر مبارکپوری

کتاب تو جنوری ۱۹۶۵ء میں منظر عام پر آئی لیکن اس سے پہلے یہ مضامین ۱۹۶۲ء میں معارف اعظم گڑھ میں بالاقساط شائع ہوتے رہے ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں مفتی عتیق الرحمان صاحب نے بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ "عرب و ہند کے تعلقات پر مرحوم مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کی کتاب مشہور و مقبول ہے اور اس کو پڑھ کر عرب و ہند کے عام روابط و علائق کا بصیرت افروز نقشہ سامنے آجاتا ہے، مگر زیر نظر کتاب کا موضوع اچھوتا ہے اور اس میں خاص زمانۂ نبوت کے عرب و ہند سے بحث کی گئی ہے۔"(۲۶)

خود مصنف کے مطابق "یہ موضوع جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر نادر اور دقت طلب بھی ہے مگر الحمد للہ کہ جب احادیث و سیر اور تواریخ رجال کی کتابوں کی چھان بین کی گئی تو اس موضوع میں توقع سے بہت زیادہ کامیابی نظر آئی اور عجیب و غریب انکشافات سامنے آئے"۔

مصنف نے کتاب کو مندرجہ ذیل ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ نارجیل سے نخیل تک

اس باب میں "سندھ اور ہندوستان عربوں کی نظر میں" ہندوستان اور عرب کے درمیان بحری اور ساحلی راستے اور سواحل عرب کے قدیم بری اور بحری راستوں سے بحث کی ہے۔

دوسرا باب عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات سے متعلق ہے جس میں بتفصیل یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان کے کس کس مقام سے کیا کیا چیز عرب میں جاتی تھی، عرب میں ہندوستانی مال کی منڈیاں کون سی تھیں، ساتھ ہی عرب کے خاص خاص مقامات سے منسوب ہندوستانی اشیاء کا ذکر ہے۔ عرب میں کون سی ہندوستانی قومیں آباد تھیں۔ اس سلسلہ میں جاٹوں سے متعلق بہت دلچسپ تفصیلات دی ہیں۔ آگے چل کر یہ بھی بتایا ہے کہ عرب میں کہاں کہاں ہندوستانی بستیاں آباد ہیں اور عربوں کی زبان اور زندگی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟ ان ہندوستانیوں میں اسلام کی تبلیغ کیسے کی گئی؟ ان ہندوؤں کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کیا گیا؟ اوران کی مذہبی حیثیت کیا تھی؟ (۷۔۲)

آنحضورؐ کے زمانہ میں کن ہندوستانی اشیاء کا استعمال ہوتا تھا؟ اس سلسلہ میں ہندوستانی مصالحے، ہندوستانی لکڑی، تلواریں، کرنہ، مرغی اور ہندستانی نیزوں کا ذکر ہے۔

کتاب کا آخری باب ہندستان میں مسلمانوں کی آمد سے متعلق ہے اس سلسلہ میں علامہ ابن حجر کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے مصنف نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے کہ قنوج کے راجہ سرباتک کے دربار میں صحابہ کرامؓ آئے تھے اور وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

پھر جوامع الجوامع کے قلمی مجموعے کی اس روایت کو بھی رد کیا ہے کہ سندھ میں پانچ صحابہ کرامؓ تشریف لائے تھے۔ خود مصنف کے خیال میں ۶ ہجری یا ۷ ہجری تک یا اس سے پہلے کی اس قسم کی کوئی روایت معتبر نہیں ہے۔ البتہ اس کے آٹھ نو سال بعد خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں عرب سے مسلمانوں کے

ہندوستان آنے کی مستند روایت موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے ۱۵ ہجری میں حضرت ابوہریرہؓ کی جگہ حضرت عثمان ابن ابی عاص ثقفیؓ کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا جنھوں نے ہندوستان پر فدائیان اسلام کے ذریعہ تین طرف سے فوج کشی کروائی اور ۱۵ ہجری میں تھانہ بڑوچ اور دیبل پر حملے ہوئے (۲۸)۔ اس ضمن میں مصنف نے بلاذری اور یاقوت حموی سے حوالے دیئے ہیں مصنف کا اسلوب سادہ اور کتاب حشو و زوائد سے پاک ہے، بعض باتوں میں تکرار کا عیب آگیا ہے لیکن خود مصنف نے اپنے مقدمہ میں اس کا اعتراف کیا ہے، ایک بڑا وصف اس کتاب کا یہ ہے کہ اس میں اصل مراجع سے زیادہ سے زیادہ استفادہ نظر آتا ہے۔

ہندوستان اور مشرکین عرب کی مذہبی یکسانیت پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ جامع اور قابل تعریف ہے۔ یہی حال عربی اور ہندوستان میں اس وقت رائج زبان کے ایک دوسرے سے استفادہ کا ہے اور مصنف کی وسعت مطالعہ پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ بابو کی تحقیق، عرب اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں پھر حدیث و اقوال سے اس کی شہادت لانے میں بڑی دقت نظر اور باریک بینی کا ثبوت دیا گیا ہے۔

سید سلیمان صاحب کی عرب و ہند کے تعلقات، اس موضوع پر پہلی اور جامع ترین کتاب تھی، مصنف نے کہیں کہیں اس سے استفادہ کیا ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

ڈاکٹر خورشید احمد فارق

نویں اور دسویں صدی کے ہندوستان کے تمدن، مذہب اور معاشرت پر عرب مؤرخین اور مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، خورشید احمد فارق صاحب نے تحقیق و تنقید کے بعد انہیں ترجمہ کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ ان کے ترجمے سادہ اور رواں ہیں۔ ہندی ناموں کی بھی تحقیق کی ہے اور بعض دیگر مصنفین کی اس روش کو نہیں اپنایا ہے کہ جو نام جس طرح نظر آیا، اسی طرح لکھ دیا گیا۔

انہوں نے مقدمہ میں بالواسطہ مراجع کی تفصیل دی ہے (۲۹) چنانچہ۔

۱۔ کتاب ملل الھند وادیانہا

۲۔ کتاب الآراء والدیانات (لو بختی)

۳۔ کتاب المسالک والممالک (جیہانی)

۴۔ تالیف اہر انشہر ی

۵۔ عیون المسائل والجوابات (ابو القاسم بلخی)

۶۔ شرائع الادیان (ابو زید بلخی)

۷۔ کتاب المقالات فی اصول الدیانات (مسعودی)

۸۔ مقالات اہل الملل والنحل (صاعد اندلسی)

کے نام دئے ہیں، بلاواسطہ مراجع میں رسائل جاحظ، کتاب الممالک والمسالک ابن خرذ سلسلۃ التواریخ (ابو زید اسراقی) تاریخ لیعقوبی، الاعلاق النفسیۃ ابن رشد۔

کتاب البلدان ابن فقیہ، کتاب مسالک الممالک اصطخری، سفر نامہ ابو رلف، مروج الذہب مسعودی، کتاب البدء والتاریخ ابن طاہر مقدسی، احسن التقاسیم مقدسی، فہرست ابن ندیم، عجائب الہند بزرگ بن شہریار، کتاب الہند البیرونی، طبقات الاسم قاضی صاعد الاندلسی، کتاب الملل والنحل شہرستانی، نزہتہ المشتاق الادریسی، معجم البلدان یاقوت، عجائب المخلوقات قزوینی، نخبتہ الدہر دمشقی، مسلک الابصار عمری، نہایتہ الادب نویری، صبح الاعشیٰ قلقشندی، کشف الظنون کے نام دیے ہیں اور ان لوگوں کی تصنیفات کے مترجم اقتباسات استعمال کیے ہیں۔ سب سے زیادہ اقتباسات البیرونی کے ہیں کیونکہ ہندوستان کے موضوع پر اس نے الگ سے ایک کتاب ہی تصنیف کی ہے۔ اس طرح موضوعات کی جو فہرست سامنے آتی ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

ہندوؤں کا تعارف، خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ، رسول کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ، آواگون، جنت و جہنم، دنیا سے نجات پانے کا طریقہ، عمدہ کردار، روزہ، حج یاترا، مبارک اوقات، تہوار، ذات پات، برہمن کی واجبات زندگی، بت پرستی اور اس کے اسباب، ہندوستان کے مشہور بت خانے، شادی بیاہ، ستی، حلال و حرام، مقدمات و عدالت، میراث، کریا کرم، پرانا ہندوستان نویں اور دسویں صدی عیسوی، شمالی وسطی اور جنوبی ہندوستان کی ریاستیں اور شہر کشمیر، قنوج، ملتان، سندھ، سندھ کے شہر، منصورہ، سندھ کی بدھ اور میو قومیں، مغربی ہندوستان کے اہم شہر، بحر ہند اور اس کے جزیرے، لنکا، انڈومان، نکوبار ہندوستان کا جانور گینڈا، گھڑیال، زہریلے سانپ، ہاتھی۔

دریا: دریائے سندھ، گنگا۔

پیداوار: صندل، کافور، لونگ، ناریل، ساگوان، پان، باٹ، پیمانے، سکے، ٹیکس، ہندی فولاد، الائچی، قسط، عنبر، مشک، عود، سیاہ مرچ، ہندو حاکم اور مسلمان، صیمور میں، نہرواره میں، چول اور تھانہ میں مذاہب اور فرقے۔

توحید رسالت، براہمہ، فکری ریاضت کے قائل برہمن، وید فرقے؟ ناشد یہ مہادیویہ، کپالیہ رشیہ، مہاکالیہ، شکتیہ، اگنی ہوتری، مادھویہ، چندر بھکتہ۔ سادھو، فقیر، سنیاسی، جوگی، ہندو فلسفی ہندوستان کا کاغذ اور رسم الخط، ہندوؤں کے علامہ جن سے مسلمانوں نے استفادہ کیا۔ برہما سدھانت کے اہم ابواب، کلیلہ ودمنہ، ہندو طب کی کتابیں جن کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ فلکیات سے متعلق تراجم، متفرق موضوعات پر سنسکرت کی کتابوں کے عربی تراجم، ہندو علماء، طب، فلکیات وفلسفہ۔

اس طرح کتاب صفحہ ۳۴۴ پر ختم ہو جاتی ہے اور آخر میں ۸ صفحات انڈکس کے لئے رکھے گئے ہیں۔

مصنف نے ہندوستان سے متعلق عربوں کی تمام معلومات کو یکجا کر دیا ہے اور قاری کو ہندوستان کی دینی، تمدنی اور علمی وفنی حالات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مصنف نے جس محنت سے یہ کتاب ترتیب دی ہے وہ قابل تعریف ہے۔

غلامانِ اسلام (حصہ دوم)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

موجودہ کتاب مولانا اکبر آبادی کی کتاب اسلام میں غلامی کی حقیقت کا تتمہ ہے اور اس کا دوسرا حصہ بھی ہے۔ اسلام نے غلاموں کو جو مساویانہ حقوق عطا کئے تھے، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو، میں چاہے وہ سیاسی ہو، تاریخی ہو، اجتماعی ہو، ثقافتی ہو یا علمی ہو ہم کو ایسے نام مل جاتے ہیں جو تھے تو غلام لیکن اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کی وجہ سے ان کو وہی درجہ دیا گیا جو ایک آزاد مسلمان کو دیا گیا تھا چنانچہ اس طبقہ سے تاریخ اسلام میں جو نمایاں نام ہیں ان میں عباد و زہاد، شاعر و ادیب، فقیہ و عالم، صاحبانِ تخت و تاج غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں بڑے نام مل جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تحقیق و جستجو کے بعد مصنف نے نمایاں افراد کی ایک فہرست بھی دی ہے اور ایسے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، صوفیاء شعراء اور مغنیوں کی فہرست دے کر ان کے حالات بیان کئے ہیں۔ مولانا نے صرف منتخب و معروف لوگوں پر قلم اٹھایا ہے ورنہ یہ نام اتنی کثرت سے ہیں کہ انکے ذکر کے لئے بھی کئی کتابیں درکار ہوں گی۔

کتاب کے سلسلہ میں مولانا نے بڑی تحقیق کی ہے اور تمام اہم ماخذ کا استعمال کیا ہے اور غلام صحابہ، تبع تابعین اور دیگر باصلاحیت اشخاص کا ذکر کیا ہے جس میں مؤذن اول بلال اور مکحول، نیز دوسرے ممتاز لوگوں کا ذکر ہے۔

یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ایک شافی جواب کی حیثیت رکھتی ہے جو اسلام

پر اس سلسلہ میں بیکار اعتراض کرتے رہتے ہیں اور اپنی کم علمی و ناواقفیت کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے اس غیر انسانی رسم کی ہمت افزائی کی ہے۔

کتاب کی زبان اور مصنف کا اسلوب عام فہم اور سادہ ہے اور یہ کتاب نئی و پرانی دونوں نسلوں کے مزاجوں سے ہم آہنگی رکھتی ہے اور قدیم و جدید دونوں مکاتب فکر کے لئے اس میں بڑی کشش ہے۔

شکر ہے کہ ندوۃ المصنفین نے اس موضوع پر بھی اپنی اولیت اور سبقت بر قرار رکھی ہے، کچھ دوسرے اداروں نے ان بزرگ حضرات کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ضرور ہے لیکن اسی نام کے ساتھ یا اس تخصیص کے ساتھ نہیں کیا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ یا تابعین و تبع تابعین کے نام سے کیا ہے۔

قرن اول کا ایک مدبر

خورشید احمد فارق

۱۳۶ صفحات کی یہ کتاب تاریخ اسلام کی ایک اہم لیکن مقابلتاً کم معروف شخصیت کا تذکرہ ہے اور ان کی سوانح، خدمات اور ان کی تاریخ کے موضوع پر ہے جس میں پہلی صدی ہجری کی ایک تاریخی شخصیت مختار ابن ابو عبید (وفات ۶۷ ہجری) کے کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پوری کتاب میں ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں، ان کی خوبیوں، خامیوں، عزم و ہمت، بلند حوصلگی، سیاسی بصیرت، قید و بند کی مشقت، ان کے خطبات، ان کی فتوحات اور ہزیمتوں غرضیکہ ہر چیز کا احاطہ کر لیا گیا ہے اور ان کی موت تک ان پر جو کچھ گزری سب کی تفصیلات بے کم

وکاست بیان کردی گئی ہیں نیز جنگ کوفہ، جنگ جزیرہ، جنگ رقیم وغیرہ میں ان کی شرکت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ محمد بن حنیفہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے ان کے تعلقات کی نوعیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ کتاب کے نام سے جو تاثر ابھرتا ہے اس کے بارے میں پڑھ کر بھی وہی تاثر قائم رہتا ہے کہ وہ ایک مدبر اور سیاسی بصیرت کی حامل شخصیت تھے اور ان کی سیاسی وفاداریاں وقتی نہیں تھیں نہ ہی وہ کسی مصلحت کا نتیجہ تھیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ حکومت وقت کے ساتھ ہوتے۔ تاریخ اسلام کے اولین دور سے متعلق تاریخی کتب میں اس کتاب کا اضافہ ایک ضروری اضافہ ہے۔

قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

مولوی عبدالرحمٰن خاں

ندوۃ المصنفین نے جہاں مسلمانوں کے ہر دور حکومت کی سیاسی تاریخیں لکھوائیں ہیں وہیں ان کی علمی اور تمدنی تاریخ بھی لکھوائی ہے قرونِ وسطیٰ کی اس قسم کی تاریخیوں بھی ضروری ہے کہ متعصب غیر مسلم مورخین نے یہی تصور دیا ہے کہ مسلمانوں کا عہد حکومت، ہر جگہ ظلم وزیادتی کا عہد تھا اور اس عہد میں کسی قسم کے علمی و تمدنی کارنامے ظہور پذیر نہیں ہوئے بلکہ مسلمانوں نے مفتوح قوموں کا تمدن تباہ کر دیا کتب خانے جلادیے اور تمدنی ادارے ختم کر دیے۔

مذکورہ بالا کتاب اسی غلط بیانی اور غلط فہمی کے ازالے کے لیے لکھی گئی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا دور، تہذیب و تمدن کے فروغ کا دور تھا

اور اس پورے دور میں مسلمانوں نے دنیا کی تہذیبی، علمی اور سائنسی ترقی میں سب سے زیادہ ہاتھ بٹایا، ورنہ دنیا اب بھی دور تاریکی میں بھٹک رہی ہوتی، ظاہر ہے موضوع بہت وسعت اور طوالت چاہتا تھا لیکن مصنف نے اختصار سے کام لے کر تمام ضروری تفصیلات مہیا کر دی ہیں۔

یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تمہید اور قدیم سائنس اور عہد وسطیٰ کی سائنس کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

دوسرے باب میں مذہبی پس منظر، علم ہیئت، فلکیات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسرا باب ساتویں صدی کے نصف آخر کی تفصیلات پر ہے جن میں مذکورہ بالا علوم کی تفصیل ہے۔ چوتھا باب آٹھویں صدی کے نصف اول کی تفصیلات پر ہے۔ پانچواں باب آٹھویں صدی کے نصف آخر کی علمی اور سائنسی ترقیوں کا احاطہ کرتا ہے جس میں علم کیمیا، علم طب، حیاتیات، تاریخ نویسی، لسانیات، علم ریاضی اور علم ہیئت وغیرہ میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیے ہیں یا اضافے کئے ہیں ان کا بیان ہے۔

چھٹے باب میں نویں صدی کے نصف اول کی اہم علمی شخصیات کا ذکر ہے جس میں الخوارزمی، علی عباس، ابن سعد الجواہری اور ابو سعید کے ساتھ مسلم تاریخ نویسی، علم لسانیات، طبعی سائنس، ارضیات اور علم جغرافیہ وغیرہ کا بیان ہے جس میں مسلمانوں کی خدمات گنوائی گئیں ہیں۔

ساتواں باب نویں صدی کے نصف دوم کے مذہبی اور فلسفیانہ پس منظر اور مختلف علوم، نیز مسلمان سائنس دانوں سے بحث کرتا ہے۔ آٹھواں باب "دور

المسعودی" پر مشتمل ہے جس میں مسلمان علماء کی ان سائنسی تحقیقات کو پیش کیا گیا ہے جو دسویں صدی کے نصف اول میں وقوع پذیر ہوئیں۔

نواں باب دسویں صدی کے نصف دوئم سے متعلق ہے جس میں اس وقت کے مذہبی اور تمدنی پس مطر کا خصوصی ذکر ہے، یہاں مسلمان علماء کے ساتھ ساتھ غیر مسلم علماء کے مذہبی خیالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دسواں باب دور البیرونی کے نام سے منسوب ہے اور گیارہویں صدی کے نصف اول کا احاطہ کرتا ہے۔ یہاں انہوں نے طبیعیات، کیمیا، ٹکنالوجی، نیچرل ہسٹری، جغرافیہ، معدنیات، ارضیات، طب، تاریخ نویسی میں مسلمانوں کی خدمات کا ذکر اختصار سے کیا ہے اور مذہبی پس منظر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ گیارہویں باب میں گیارہویں صدی کے نصف دوم میں سائنس کی عمومی حالت سے بحث کی ہے، ساتھ ہی دنیا کا مذہبی اور فلسفیانہ پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ ایک خاص بات اس کتاب کی یہ بھی ہے کہ مسلمان علماء اور سائنس دانوں کی خدمات کے ذکر کے ساتھ ہی غیر مسلم سائنس دانوں اور حکماء کی خدمات کا ذکر بھی بغیر کسی تعصب یا جانبداری کے کیا گیا ہے۔ جہاں جہاں کتابوں کے نام دیے ہیں ان کے موضوعات بھی مختصراً بیان کر دیے گئے ہیں۔

مولوی عبد الرحمٰن خاں صاحب نے یہ کتاب بڑی محنت اور بے تعصبانہ انداز سے مرتب کی ہے۔ کتاب کو دیکھنے پر ان کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے ندوۃ المصنفین کی یہ کتاب مسلمانوں کے تمدنی ورثہ کے موضوع پر ایک اہم اور مفید کام ہے۔

مسلمانوں کی بحری سرگرمیاں

ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی

یہ بات بار بار لکھی گئی ہے کہ ندوۃ المصنفین نے اکثر و بیشتر نت نئے موضوعات پر کتابیں پیش کی ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ۴۵۶ صفحات کی یہ کتاب اگست ۱۹۷۴ء میں منظر عام پر آئی یہ بھی ایسا موضوع ہے جس پر اردو میں معدودے چند کتابیں ملتی ہیں۔

مصنف نے مسلمانوں کی اس فن سے دلچسپی اور اس کی مفصل تاریخ اس کتاب میں سمیٹ دی ہے جس کے اظہار کے لیئے عالمانہ انداز بیان اختیار کیا ہے۔ پوری محققانہ دیانت داری اور لگن سے انہوں نے جہاز رانی اور بحری سرگرمیوں سے متعلق تمام بنیادی معلومات ضروری تشریح و توضیح کے ساتھ تحریری کی ہیں، ساتھ ہی اس فن کی تاریخ اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں کو باتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں مسلمانوں کی بحری کارگزاریوں اور سرگرمیوں سے بحث کرنے کے بعد مختلف عنوانات قائم کر کے ایک ایک تفصیل مہیا کی ہے۔ عربی اور فارسی کی قدیم کتابیں جو اس فن سے تعلق رکھتی تھیں، ان سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے اور جابجا اقتباسات دئے گئے ہیں۔ درج ذیل عنوانات قائم کر کے ہر عنوان پر الگ الگ روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً اسمائے جہاز و کشتی، القاب جہاز، اجزائے جہاز، جہاز کا عملہ، افعال متعلقہ جہاز و کشتی، متعلقات جہاز رانی، متفرق متعلقہ موضوعات، فہرست مصادر اور جہاز و کشتی سے

متعلق ضرب الامثال وغیرہ کا بیان دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ اصطلاحات کے ذکر اور ان کی تشریح و توضیح میں مصنف نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ انہوں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ اس سلسلہ میں تمام جزئیات کی تفصیل دے دی جائے اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہیں۔

کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس فن میں بھی مسلمانوں نے کتنے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں اور کتنی ایجادات کی ہیں۔ اگر یہ کتاب نہ آتی تو بالخصوص اس فن میں مسلمانوں کی خدمات سے اردو خواں حلقہ ایک حد تک ناواقف رہتا۔

مصنف نے جہاں جہاں اصطلاحات کی وضاحت کی ہے وہاں تقابلی انداز اپنایا ہے۔ چنانچہ ایک اصطلاح سے متعلق جتنی آراء ہیں ان کو بیان کر کے خود اپنی رائے بھی پیش کردی ہے اس طرح کتاب صرف اقتباسات کا مجموعہ نہیں رہ جاتی بلکہ ہم ان کی رائے سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب کا وہ حصہ جو جہاز کے تختوں کی سلائی میں ناریل کی رسی سے متعلق ہے اور جسے مشہور سیاح ابن جبیر قنبار اور ابن بطوطہ قنبر لکھتا ہے، اسی لفظ نے ہمارے یہاں کھمبر اور کھمبار اور کنہار کی شکل اختیار کرلی ہے۔

کتاب چونکہ فنی اور تکنیکی نوعیت کی ہوگئی ہے اس لئے ممکن ہے کہ عام قاری اس کا مطالعہ بہت دلچسپی سے نہ کریں، صرف وہی لوگ دلچسپی لے سکتے ہیں جو اسی مزاج سے مطابقت رکھتے ہوں۔ پھر انداز بیان عالمانہ اور محققانہ ہے اس لئے بھی انداز تحریر نہ تو تاریخی کتابوں کی طرح کا ہے اور نہ ہی داستان، قصے اور سفرناموں جیسا۔ بلکہ خالص علمی اور فنی ہوگیا ہے جس میں بہرحال زبان کی

خوبصورتی ضروری نہیں ہوتی۔

بحر احمر، بحر ہند اور بہت حد تک بحر روم سب ہی مسلمان ملاحوں یا مسلمان جہاز رانوں کی دسترس میں تھے اور بحر احمر یا بحرِ عرب میں مسلمان تاجروں کی کشتیاں اور جہاز ہر طرف آتے جاتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ عربوں کی نو آبادیات انڈونیشیا تک پہنچ گئی تھیں، صلیبی جنگوں میں مسلمان بحری بیڑوں بڑی خدمات انجام دی تھیں جب کہ ان بحری بیڑوں کی شروعات ابتدائے دور اسلامی سے ہی ہو چکی تھی۔ اس لئے نہ تو سمندر مسلمانوں کے راستہ میں رکاوٹ بن سکا اور نہ جہاز رانی ان کے لئے کوئی نئی اور انوکھی چیز ثابت ہو سکی۔ بحری کپتانوں کی مدد کے لئے مسلمان جغرافیہ دانوں نے بھی ایسے نقشے اور آلات تیار کر دئے تھے جن سے سمندری سفر میں رات ودن کی قید کے بغیر مدد لی جاسکتی تھی۔ اسلامی حکومت کے تمام ساحلی شہروں پر، جہازوں اور کشتیوں کی صنعت بہت ترقی پر تھی۔ غرضیکہ یہ کتاب ہر صورت سے نہایت معلومات افزا اور اپنے موضوع پر مکمل کتاب ہے جس سے اردو قاری اب تک ایک حد تک ناواقف تھے۔ یہ تمام معلومات مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی تھیں اور اب تک کتابی شکل میں اس صورت سے ان کو جگہ نہیں ملی تھی۔

ادارہ ندوۃ المصنفین قابل ستائش ہے کہ اس نے موضوعات کی تلاش کرنے اور پھر ان پر مناسب و موزوں مصنفین سے کتاب ترتیب دینے اور تصنیف کروانے کی اپنی روایات کو برقرار رکھا ہے۔

مسلمانوں کا عروج وزوال

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

۴۴۷ صفحات پر مشتمل ندوۃ المصنفین کی یہ کتاب مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ موصوف کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی قدیم مصنفین اور جدید طرز کا ایک خوبصورت امتزاج ہے جس میں مسلمانوں کے عروج اور پھر ان کے زوال کا المیہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ داستان ایک ایسی قوم کی ہے جس نے قلیل مدت میں دنیا کی مضبوط اور ناقابل شکست حکومتوں کو زیر کر لیا تھا اور ایک صدی کے اندر اندر ایشیا اور افریقہ کے بیشتر حصوں پر چھا گئی تھی۔ ساتھ ہی یورپ کے ایک حصے کو بھی زیر نگیں کر لیا تھا، پھر وہاں مسلم حکومتیں قائم ہوئیں جنہوں نے صدیوں تک دنیا کو درس تہذیب دیا اور علوم وفنون سے آشنا کر لیا۔

مصنف نے خلافت راشدہ، بنو امیہ، بنو عباس، اندلس، آل عثمان اور ہندوستان میں مسلم حکومتوں کے عروج کی داستان ایک باشعور مورخ کی حیثیت سے پیش کی ہے، ان کے تہذیبی اور تمدنی کارنامے بیان کیے ہیں۔ پھر ان کے زوال کا المیہ بھی سنایا ہے۔ ان کے زوال کے اسباب اور نتائج سے بھی بحث کی ہے۔ ظاہر ہے اتنی لمبی مدت کی تاریخ کے لئے صرف ۴۴۷ صفحات ناکافی تھے اس لئے کئی جگہ مصنف نے اختصار سے کام لیا ہے۔ بہر حال یہ کتاب بھی ندوۃ المصنفین کی مشہور کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اور اسلامی تاریخ کی کتابوں کے سلسلے کی ایک اہم کتاب ہے۔

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

مولانا مناظر احسن گیلانی

مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتابیں ان کے بے پناہ اور وسیع مطالعہ کی گواہ ہیں اور ان کے قلم کو اظہار کی جو بے اندازہ قوت ملی ہے اس کی بھی گواہ ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی ایک اہم موضوع پر ہے جس میں مولانا نے فرقہ بندیوں کی پوری تاریخ ۱۲۸ صفحات میں سمودی ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کی تحریک مولانا گیلانی کو المقدسی کے اس قول سے ملی تھی کہ :

> "یہ تنگ نظریاں جنہیں تم دیکھتے ہو، دراصل یہ شورش جاہلوں کی پھیلائی ہوئی ہے اور قصہ گو واعظوں کی بے اعتدالیوں کے یہ نتائج ہیں۔ امت اسلامی کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔"

مولانا نے اپنی کتاب کا خاتمہ بھی اسی قول پر کیا ہے۔ مولانا کے خیال میں فرقہ بندیوں کی ابتدا حکومت وقت کی اپنی سیاسی مصلحتوں کی پروردہ اور درپردہ ان کی تائید ہے۔ علاوہ ازیں جب اسلام کے خزانہ علم میں دیگر مذاہب اور اقوام کے علوم کا بھی دخل ہونے لگا اور اس کا لا محالہ نتیجہ ان گروہ بندیوں کی صورت میں ظاہر ہوا، مثلاً مولانا نے یہ بھی لکھا کہ حضرت عبید اللہ ابن سلام کا توراۃ کا مطالعہ ایسی چیزیں تھیں جن سے ابتداء ہوئی۔ بعد میں مولانا نے اموی اور عباسی عہد کے مختلف فتنوں کا تذکرہ کیا ہے اور گروہ بندیوں کے سلسلہ میں

معتزلہ، جبریہ، قدریہ وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ حکومت کے زوال کے بعد ہندوستانی مسلمان جس ذہنی صدمے سے دوچار ہوئے اور جس ذہنی تنزل کا شکار ہوئے، مولانا نے اس سے بھی بحث کی ہے۔ مولانا گیلانی کا خاص مقصد ہندوستانی مسلمانوں کی گروہ بندیوں کو ختم کرنا ہے۔ ان کے درمیان عقائد اور مسلک کے باہمی اختلاف کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے کیونکہ تمام اختلاف وافتراق کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان تمام دنیا میں الگ تھلگ اور غیر متحد ہیں۔ یہ کتاب اس سلسلہ میں اتحاد اسلامی کا نعرہ بن سکتی ہے کہ ہم کو اپنے تمام سیاسی، مسلکی، فقہی اختلافات کو بھلا کر صرف اور صرف قرآن وسنت پر یکجا ہو جانا چاہیے۔

معارف الآثار

خواجہ عبدالرشید

ندوۃ المصنفین کی بہت سی دیگر مطبوعات کی طرح یہ کتاب بھی لائق صد تحسین ہے، اس لئے بھی کہ ابھی اردو میں اس قسم کی کتابیں معدودے چند ہیں اور اثریات (تاریخی یادگار) کے سلسلہ میں ہمارا ادب بہت غریب ہے اور قارئین میں بھی اس کا ذوق بہت کم ہے لیکن لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب نے اپنے اسلوب اور شوق تحقیق وتلاش کی وجہ سے اس کتاب کو بہت دلچسپ اور مفید بنادیا ہے۔

وہ چونکہ عراق میں رہ چکے ہیں اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تربیت کی وجہ سے انکے مزاج پر اسلامی اور قرآنی رنگ غالب ہے اس لئے انھوں نے اکثر چیزوں کو قرآنی تناظر میں دیکھا ہے۔ یہ ۱۹۴۴ء کے درمیان اس علاقے میں تھے

جو ہلال اخضر کہا جاتا ہے ، وہ نہ صرف یہ کہ گہوارۂ تمدن رہ چکا ہے بلکہ ہماری اسلامی تاریخ کی ابتداء بھی یہیں سے ہوتی ہے جہاں نہ جانے کتنے پیغمبر آئے۔ اس موضوع پر دنیا کی دوسری مشہور زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا تھا، خواجہ صاحب نے ان کا مطالعہ کیا اور دریائے سندھ اور بحر اسود کے آس پاس پروان چڑھنے والی تہذیبوں اور ان کی باقیات کا بذات خود مشاہدہ کیا۔ ان کی تاریخ اور انکے جغرافیائی حالات اور سیاسی نشیب و فراز سب دوران مشاہدہ ان کے سامنے رہے۔ ان علاقوں میں آباد قدیم اقوام، جن کا ذکر قرآن نے کیا ہے، مصنف نے جا بجا اسناد کے طور پر قرآن کے ان حوالوں کا ذکر کیا ہے اور اپنی بات کو اعتبار کا درجہ عطا کیا ہے۔

یہ مصنف کے وسعت مطالعہ اور اسلامی مزاج کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں مستشرقین اور مغربی ماہرین، نیز آثار قدیمہ کے ان بیانات پر بھی کھل کر اور بے دریغ تنقید کی ہے جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔

اس کتاب کی تعریف و توصیف کے سلسلہ میں مشہور ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر ٹوچی نے جو خط لکھا ہے، وہ اس کی اہمیت ، معیار اور اعتبار کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہ خط ان کو روم سے لکھا گیا تھا۔ فن تعمیر پر لکھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اس فن کی نزاکت اور سنگ و خشت میں چھپی تاریخ اور داستان پر ہر مؤرخ کی نگاہ نہیں جاپاتی ۔ یہ کتاب ہمارے تاریخی ادب میں اپنی نوعیت ، مواد اور موضوع کے لحاظ سے بڑی انفرادیت کی حامل ہے۔ ہاں ابراہیم ، برہمن اور ہندوستان سے متعلق ان کے بعض خیالات محل نظر ہیں اور ان کی رائے صرف اجتہادی رائے کہی جاسکتی ہے۔

تاریخ ہند پر برہان میں شائع ہونے والے مضامین

	نام مضمون	صاحب مضمون	ماہ سال
۱۔	مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں	حامد الانصاری غازی	جولائی ۱۹۳۸ء
۲۔	پدمنی اور سلطان علاء الدین خلجی	مشتاق احمد زیدی بھاولپوری	مارچ ۱۹۴۰
۳۔	مغلوں کا تعلق گجرات سے	ہدایت الرحمٰن محسنی	نومبر ۱۹۴۰ء
۴۔	دلی کا آخری مغل تاجدار تحقیق کی روشنی میں	ہدایت الرحمٰن محسنی	اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۱ء
۵۔	بانی سلطنت بہنیہ کا نام و نسب	ڈاکٹر محمد اللہ چغتائی	دسمبر ۱۹۴۱ء
۶۔	سلطان محمد غزنوی کی وفات پر ایک نظم	مولوی عبدالرحمٰن خاں	اپریل ۱۹۴۲ء
۷۔	سلیمان شکوہ اور اورنگزیب	ڈاکٹر عبداللہ چغتائی	جنوری ۱۹۴۵ء
۸۔	لاہور	خواجہ عبدالرشید	مارچ ۱۹۴۵ء
۹۔	سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات	خلیق احمد نظامی	مارچ ۱۹۴۶ء
۱۰۔	سلطان علاء الدین خلجی کے مذہبی رجحانات	ایضاً	مئی، جون ۱۹۴۸ء
۱۱۔	مرزا مغل اور جنگ آزادی	مفتی انتظام اللہ شہابی	دسمبر ۱۹۴۸ء
۱۲۔	نانا راؤ پیشوا	ایضا	جنوری ۱۹۴۹ء
۱۳۔	ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی	ایضا	فروری، مارچ ۱۹۴۹ء
۱۴۔	ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی	ایضا	اپریل، مئی، جون ۱۹۴۹ء
۱۵۔	امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ	ایضا	اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۹ء، جنوری، فروری، مارچ ۱۹۵۰ء، جنوری، فروری، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۵۱ء

۱۶۔ سلطان محمود غزنوی کی تصویر کا حقیقی رخ، سید محبوب رضوی اگست ۱۹۵۴ء

۱۷۔ سلاطین مغلیہ کی حیات معاشقہ قاضی محمد ابراہیم جون ۱۹۵۵ء

۱۸۔ سلطان محمود غزنوی کی ادب نوازی سیدہ شبیر فاطمہ اگست ۱۹۵۶ء

۱۹۔ سومنا تھ کا مندر اسلامی تاریخوں میں مبارز الدین رفعت جون ۱۹۵۷ء

۲۰۔ جہاں نامہ ہند تاریخ ہند کا ایک گم شدہ ماخذ محمود حسن قیصر امروہوی

فروری ۱۹۶۹ء

۲۱۔ اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء محمد اطہر علی اکتوبر ۱۹۸۶ء

۲۲۔ تاریخ جہانگیر عبد الرؤف خاں جون ۱۹۸۷ء

۲۳۔ اورنگ زیب اور سیکولرزم ایضا جنوری، فروری ۱۹۸۸ء

حواشی باب پنجم (الف)

۱۔ میرٹھی قاضی زین العابدین، تاریخ ملت، حصہ اول دیباچہ طبع اول ص ۷ تا ۲۵
ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۰ء

۲۔ ایضا ایضا حوالہ بالا ۱۵۰ تا ۱۵۴ ایضا

۳۔ ایضا حصہ دوم ص ۷ ایضا ۱۹۴۲ء

۴۔ ایضا ص ۳۴۰ تا ۳۷۵ ایضا

۵۔ میرٹھی زین العابدین سجاد، تاریخ ملت حصہ سوم ص ۹۷، ایضا ۱۹۴۳ء

۶۔ شہابی مفتی انتظام اللہ، تاریخ ملت جلد ششم، ص ۱۰ تا ۴۰ ایضا ۱۹۴۹ء

۷۔ حوالہ بالا ص ۱۴۱ تا ۱۶۴ ایضا

۸۔ ایضا ص ۲۲۱ تا ۳۰۴ ایضا

۹۔ ایضا جلد نہم ص ۴۸ ایضا ۱۹۵۴ء

۱۰۔ ایضا حوالہ بالا ص۸۴ ایضا

۱۱۔ اسلام اور عصر جدید، جلد ۳، شمارہ ۱، ص ۸۴، ۱۹۷۱ء

۱۲۔ ندوی احتشام، برہان اردو بازار دہلی، فروری ۱۹۷۹ء

۱۳۔ نظامی خلیق احمد، تاریخی مقالات، ص ۱۱ تا ۳۸، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۵ء

۱۴۔ حوالہ بالا ص ۱۱۷ تا ۲۰۹ ایضا

۱۵۔ ایضا ص ۲۰۷ ایضا

۱۶۔ ایضا ایضا ص ۲۹۸ ایضا

۱۷۔ الفرقان لکھنؤ ص ۹۸ دسمبر ۱۹۶۰ء

۱۸۔ مبارکپوری اطہر، خلافت عباسیہ اور ہندوستان، سرورق، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۱ء

۱۹۔ ایضا ص ۴۰۰ تا ۴۲۱ ایضا

۲۰۔ مبارکپوری قاضی اطہر، خلافت راشدہ اور ہندوستان، سرورق، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۷۱ء

۲۱۔ ایضا ایضا ص ۲۰۳ تا ۲۰۵ ایضا

۲۲۔ مبارکپوری قاضی اطہر، خلافت امویہ اور ہندوستان، سرورق، ایضا ۱۹۷۴ء

۲۳۔ حوالہ بالا ص ۲۴۷ تا ۲۴۹ ایضا

۲۴۔ معارف نمبر ۲، جلد ۸۲، ص ۱۷۴، اعظم گڑھ، ۱۹۵۸ء

۲۵۔ المعارف، جلد ۴۹، نومبر و دسمبر، حیدر آباد ۱۹۵۸ء

۲۶۔ مبارکپوری قاضی اطہر، عرب و ہند عہد رسالت میں، مقدمہ، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۶۴ء

۲۷۔ حوالہ بالا ص ۱۴۳ تا ۱۵۰ ایضا

۲۸۔ ایضا ص ۱۹۲ ایضا

۲۹۔ فارق خورشید احمد، عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان، ایضا، ص ۱۴ تا ۳۰، ۱۹۷۲ء

تاریخ اسلام کے میدان میں ندوۃ المصنفین کی خدمات

(ب) تاریخ اسلام ہندوستان سے متعلق

اسلامی ہند کی عظمت رفتہ

قاضی اطہر مبارکپوری

قاضی صاحب نے وقتاً فوقتاً متعدد مقالات بھی تحریر فرمائے تھے جن کا تعلق اسلامی ہند سے ہے، انہیں مقالات کو کتابی شکل میں یکجا کر کے ندوۃ المصنفین سے شائع کر دیا گیا ہے۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل مقالات ہیں۔

(۱) اسلامی ہند پر متقدمین و متاخرین علمائے اسلام کی تصنیفات۔
(۲) فاتحین ہند حضرات عثمان و حکم اور مغیرہ بنو ابی العاص ثقفی۔
(۳) فاتح ہند حضرت محمد بن قاسم ثقفی۔
(۴) امیر ہند عمرو بن محمد بن قاسم ثقفی۔
(۵) امام ربیع بن صبیح بصری ہندی۔
(۶) امام ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری ہندی۔
(۷) عرب و ہند کے سیاسی و ثقافتی تعلقات۔
(۸) راجہ رہمی اور ہندوستان کے دوسرے چند راجے۔

پہلے مقالے میں جن موضوعات کو لیا گیا ہے وہ بہت اہم ہیں، یعنی غزوات و فتوحات پر متقدمین کی عام کتابوں میں ہندوسان کی اسلامی فتوحات کا ذکر، ہندوستان کی اسلامی فتوحات پر متقدمین کی مستقل کتابیں ہندوستان کے سیاسی،

تمدنی، اخلاقی، معاشی، علمی فنی خالات پر خاص اور عام کتابیں۔

جغرافیہ کی عام کتابوں میں ہندوستان کا ذکر ہندوستان کے علماء و فضلاء کے تذکرے بیرونی علماء کی کتابوں میں یہ مضمون ہم کو بہت ساری کتابیں چھاننے سے بے نیاز کر دیتا ہے اور ہند و عرب سے متعلق تمام اہم ماخذ یکجا مل جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مضمون کے آخر میں مولانا نے ایک اہم چیز جو لکھی ہے وہ ان کتابوں کے نام ہیں جن میں ہندوستان کے علماء رجال کے حالات پائے جاتے ہیں۔ ان کتابوں میں خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد، سمعانی کی کتاب الانساب، یاقوت کی معجم البلدان، ابن عساکر کی تاریخ دمشق، ابن ندیم کی الفہرست، قفطی کی کتاب الحکما، ابن صاعد اندلسی کی طبقات الامم اور دیگر مشہور کتابوں کے نام گنوائے ہیں(۱)۔

صرف اسی ایک مضمون کو پڑھ کر ان کی کثرت مطالعہ، باریک بینی اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، یہ ان کی کثرت مطالعہ ہی کا نتیجہ ہے جس نے ان سے یہ لکھوایا کہ نزہۃ الخواطر اپنی جامعیت اور افادیت کے باوجود اس موضوع سے پورا پورا انصاف نہیں کر پائی ہے اور وہ سب سے زیادہ جامع ہونے کے باجود مکمل کتاب نہیں ہے۔

بعد کے مضامین کا تعلق بھی تاریخ کے موضوع سے ہے اور بعض موضوعات بڑے اچھوتے ہیں اور اپنے اندر معلومات کا خزانہ رکھتے ہیں۔ اس موضوع پر اس طرح پہلے کسی نے نہیں لکھا۔

ساتواں مضمون یعنی ''عرب وہند کے قدیم سیاسی و ثقافتی تعلقات، مولانا کا خاص موضوع ہے اور سید سلیمان ندوی صاحب کی ''عرب وہند کے تعلقات'' کی

جامعیت کے باوجود قاضی اطہر صاحب کی کتابیں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالتی ہیں۔ ظاہر ہے انہیں سید صاحب کا منجھا ہوا قلم نہیں ملا اور نہ ہی وہ اسلوب، اس لئے زبان سادہ اور کہیں کہیں بے رنگ ہو جاتی ہے لیکن اس سے موضوع کی افادیت پر فرق نہیں پڑتا جو تھوڑا بہت فرق پڑتا بھی ہے وہ صرف قاری کی دلچسپی کا ہوتا ہے۔

قاضی اطہر صاحب کے یہاں موضوعات و بیانات کی تکرار بہت ہوتی ہے جو کبھی کبھی گراں گزرتی ہے۔

کتاب کا آخری مقالہ "راجہ رہمی اور ہندوستان کے دوسرے چند راجے" بھی معلوماتی مقالہ ہے۔ مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ عرب مؤرخین نے اپنی کتابوں میں جن راجاؤں اور مقامات کے نام دئے ہیں ان کی تحقیق کر کے ان کے موجودہ نام دئے جائیں یا ان کے موجودہ محل وقوع کا تعین کیا جائے لیکن وہ اس سلسلہ میں بہت کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ڈاکٹر حمید اللہ کے ایک مضمون کا جواب بھی دیا ہے جو راجہ رہمی سے تعلق رکھتا ہے۔ (۲)

ہندوستان سے متعلق بیانات میں عرب مؤرخین کے یہاں کبھی کبھی جو تضاد پایا جاتا ہے قاضی صاحب نے حتی الامکان اس کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے اور ان مقامات کی نشاندہی کر دی ہے۔

مجموعی طور پر عرب و ہند کے سلسلہ میں یہ کتاب ایک اچھا اضافہ ہے اور تحقیق و مطالعہ اور انکشافات کے دور میں قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں کتاب اس موضوع پر حرف آخر ہے اور اس پر کوئی اضافہ ناممکن ہے۔

تاریخ ہند پر نئی روشنی

ڈاکٹر خورشید احمد فارق

ندوۃ المصنفین نے عرب و ہند کے تعلقات کے سلسلہ میں جو کتابیں شائع کی ہیں وہ ایک طرح سے بڑی علمی خدمات ہیں، حسن قسمت سے ندوۃ المصنفین کو ایسے رفقائے کار ملے جنہوں نے ان موضوعات کا حق ادا کر دیا چنانچہ وہ کتابیں جو قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے ان موضوعات پر رقم کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں اور سید صاحب کی "عرب و ہند کے تعلقات" کے باوجود اپنی جگہ اہم ہیں۔

خورشید احمد فارق صاحب کی کتابوں کے سلسلے بھی اسی گرانقدر خدمات کے ضمن میں آتے ہیں۔ موصوف نے ہندوستان سے متعلق تمام عربی مواد کو حاصل کر کے کئی کتابیں ترتیب دی ہیں، ان کی نئی کتاب تاریخ ہند پر نئی روشنی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اصل میں یہ کتاب ابن فضل اللہ العمری کی مسالک الابصار فی ممالک الابصار کے اس باب کا ترجمہ ہے جو ہندوستان سے متعلق ہے (۳) اس کے بارے میں خورشید صاحب کا یہ تبصرہ پوری کتاب کے مشمولات کا احاطہ کر لیتا ہے کہ "مؤلف نے ہندوستان پر ایک مستقل باب قلمبند کیا ہے جس میں اپنے ہمعصر سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ ہجری تا ۷۸۲ھ چودہویں صدی عیسوی) کے حالات اور سیرت پر سیاحوں، معلموں اور سفیروں کی زبانی روشنی ڈالی گئی ہے، ممکن ہے ان لوگوں کے بعض بیانات مثلاً وہ جن کا تعلق تغلق شاہ کی فیاضی اور فوج کے اعداد و

شمار اور تنخواہوں سے ہے، مبالغہ یا سہو سے آلودہ ہوں، تاہم بحیثیت مجموعی یہ باب نہایت اہم ہے کیونکہ اس میں ایسی نادر تاریخی، اجتماعی اور اقتصادی معلومات جمع ہو گئی ہیں جن سے خود ہندوستان میں لکھی تاریخوں کا دامن خالی ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں تغلق شاہ کی آئین جہانداری اور عوامی روابط کی ایک ایسی تصویر بھی نظر آتی ہے جو اس تصویر سے بہت مختلف ہے اور جو بعض ہمعصروں نے ان سے ذاتی ناراضگی یا فقہی و مسلکی اختلاف کی بنا پر پیش کی ہے۔ اس مستقل باب کے علاوہ کتاب میں اور خاص طور پر اس کے دوسرے حصے میں ایسی دلچسپ معلومات ہیں جو عینی شاہدوں یا موجودہ وقت میں نایاب کتابوں سے لی گئی ہیں اور جن سے قرون وسطیٰ کے رسم ورواج، کلچر و عقائد کے چہرے کے بہت خدو خال واضح ہو جاتے ہیں۔ (۴)

یہ باب کہنے کو تو مختصر ہے لیکن ہندوستان کے کم و بیش ہر پہلو کا احاطہ کر لیتا ہے۔ واقعات کے راوی نہ صرف یہ کہ خواص ہی کے حلقہ میں محدود رہے ہیں بلکہ عوام سے بھی ملے ہیں اور سڑکوں اور بازاروں کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔

یہ کتاب درج ذیل کے خاص خاص موضوعات کے بارے میں ہے۔

سلطنت ہندوستان شاہ ہند کا خلیفہ عمرو بن عنریز کو مراسلہ، تغلق شاہ کی سلطنت کے حدود، تغلق شاہ کی فتوحات، تغلق شاہ کے صوبے، ملتان، دربار، آب و ہوا، غلہ، پھل پھول، چرند و پرند، کھانے اور مٹھائیاں، پیشے، شہر دہلی، عمارتیں، باغ، اسکول، شفا خانے، کنویں، حوض، فوجی عہدیدار اور فوج، ریشمی کڑھائی اور بنائی کا کارخانہ، وزیر سیکریٹری، چیف جسٹس، درباری شاعر،

دستر خوان، باورچی خانہ، حاضری اور اس کے آداب، شاہی عدالت، سلطان کی فروتنی اور علم، علمی مباحثے، دادودہش، سلطان اور علماء، غلام اور کنیزیں، لباس، لڑائی کے میدان میں فوجی تربیت، طور طریق جنگ، دربار خاص اور آداب حاضری، خبر رسانی، ڈاک، چوکیاں، ارزانی، سکے، لباس، دہلی کے لوگ، ہند مین دولت کی فراوانی۔

ہند کے کچھ متفرق حالات کے نام سے بھی ایک باب ہے جس میں ہند کی کسبیاں، زہریلے سانپ، ایک مندر، جنوبی ہند میں قرض وصولنے کا طریقہ، ایک بھیانک خودکشی، سدھائے ہوئے ہاتھی، ستی کی رسم، تناسخ پر اعتقاد، مردہ خوری، ٹھگ، ایفائے عہد، ملک "را" کا خفیہ اسلام، ایک مسلمان تاجر کے قاتلوں کو سزا۔

مؤلف نے ترجمے کے بعد اصل باب جو عربی میں ہے اسے بھی ساتھ ساتھ پیش کر دیا ہے اور اس پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کے مخطوطہ کی کیا حالت ہے، اس کی فوٹو کاپیاں کہاں کہاں ہیں اور خود مخطوطہ کس حالت میں ہے۔

بہر حال یہ باب ہندوستان پر اچھی روشنی ڈالتا ہے اور فارق صاحب کی یہ کتاب اس موضوع پر ان کی دوسری کتابوں کی طرح معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی تلاش و تحقیق قابل تعریف ہے۔ ہاں بعض عربی الفاظ کے لئے انگریزی الفاظ کا استعمال اجنبی لگتا ہے۔ مثلاً وہ اسٹیل کی جگہ فولادیالوہا بھی لکھ سکتے تھے۔ یہ کتاب بھی حوالہ کی کتاب کی طرح استعمال کی جا سکتی ہے۔

تاریخ گجرات

ابو ظفر ندوی

سید ابو ظفر ندوی کی یہ کتاب بھی ندوۃ المصنفین کی اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اور اپنے موضوع پر بہت جامع کتاب ہے۔

مصنف نے کتاب کو ایک فاضلانہ مقدمہ کے بعد شروع کیا ہے۔ مقدمہ میں تصنیف کے محرکات و اسباب سے بحث کی ہے۔ ۷۵ صفحہ کے اس مقدمہ میں گجرات کے محل وقوع، جغرافیائی تفصیلات، وہاں کے باشندوں اور وہاں رہنے والوں کی مختلف آبادیوں کا تذکرہ ہے۔ ساتھ ہی گجراتی زبان کی اصل، اس کی نشوو نما اور اسکی ادبی میراث پر روشنی ڈالی ہے، کتاب میں شری کرشن کے دور سے محمد شاہ تغلق سے ظفر خاں کے دور تک کے سیاسی نشیب و فراز کی تفصیلات درج ہیں۔

مصنف نے کتاب کو مندرجہ ذیل چار ابواب میں تقسیم کیا ہے اور پھر ہر باب پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

۱۔ باب اول میں ہندوؤں کے زمانۂ حکومت سے بحث کی ہے۔

۲۔ باب دوم عرب و ہند کے قدیم تجارتی و ثقافتی تعلقات کے لئے ہے جس میں وہاں مسلمانوں کی آمد کی تفصیلات بھی درج ہیں۔

۳۔ تیسرے باب میں گجرات پر مسلمانوں کے حملوں کا ذکر ہے۔

چوتھے باب میں اس زمانہ کی تفصیلات مذکور ہیں جب گجرات دہلی کے ماتحت تھا۔

ہندوؤں کے دور حکومت پر مولانا نے اختصار کے باوجود تقریباً ۱۰۰ صفحات

تحریر کیے ہیں۔ [illegible]

سب سے زیادہ تفصیل سے وہ باب لکھا گیا ہے جو محمود غزنوی کی لشکر کشی سے متعلق ہے، یہ باب "سومناتھ" کی وجہ سے بہت اہم بھی تھا اس لئے انہوں نے محمود غزنوی کے حملوں کے محرکات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور تمام جزویات کو سمیٹ لیا ہے۔

آخری باب میں پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ اس دور سے متعلق ہے جب گجرات، تغلق اور لودھی خاندان کے زیر حکومت رہا۔

گجرات کی تاریخ پر اردو میں کوئی کتاب نہیں تھی۔ ندوۃ المصنفین نے اس اہم ضرورت کی تکمیل کر کے تاریخ کا ذوق رکھنے والوں کے لئے بڑی دلچسپی کا سامان مہیا کیا ہے۔ خود مصنف کا خیال تھا کہ یہ کتاب ۳ جلدوں میں شائع ہو جس میں مرہٹوں کی تاریخ بھی آجاتی لیکن پہلی جلد کی اشاعت سے پہلے ہی مولانا کا انتقال ہو گیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

خورشید مصطفیٰ رضوی

یہ کتاب اس موضوع پر ہے جسے ہم اپنی نا سمجھی ور انگریزوں کی چالاکی کی وجہ سے غدر کا نام دیتے تھے۔

۱۹۵۷ء میں اس جنگ آزادی کی صدی منائی جارہی تھی اس سلسلہ میں جہاں دیگر بہت سی کتابیں منظر عام پر آئیں وہیں ندوۃ المصنفین نے ۵۷۶ صفحات پر مشتمل اس تاریخی ریکارڈ کی پیشکش کی ہے۔ کتاب کی اہمیت اس لئے بھی

بڑھ جاتی ہے کہ اس پر تارا چند، ڈاکٹر اشرف اور مولانا محمد میاں کے دیباچے اور تعارف بھی شامل ہیں۔ کتاب بقول ڈاکٹر تارا چند، اردو لٹریچر مین ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں مصنف نے تمام ممکن الحصول ماخذ سے استفادہ کیا ہے اور بالخصوص انگریزی کتابوں سے۔ اس جنگ آزادی کے سلسلہ مین انگریزوں کے جھوٹ اور ان کی غلط بیانیون سے پردہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ یہ ہماری سو سالہ تاریخ ہی نہیں بلکہ ہماری جنگ آزادی کی داستان بھی ہے، جس مین بار بار ایسے مواقع آئے ہیں کہ مصنف کے دلچسپ انداز تحریر نے واقعات کو ڈرامائی شکل دے دی ہے۔ مثال کے طور پر رانا کنور سنگھ کے بیان میں مصنف نے جو انداز تحریر اپنایا ہے ہم اسے تصویر کشی کا نام دے سکتے ہیں۔

کتاب صرف ایک تاریخی داستان نہیں ہے بلکہ جنگ آزادی کے پس منظر اور اس کے محرکات و عوامل سے بھی بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ صرف چند سر پھروں کی بغاوت نہیں تھی بلکہ ایک عوامی جنگ تھی جس میں انہوں نے آزادی کے حصول کے لئے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اس لڑائی میں ملک کے تمام طبقوں نے حصہ لیا تھا اور اسے صرف فوجیوں کی بغاوت سے تعبیر کرنا تاریخی دروغ بیانی ہے۔ مصنف نے س جنگ کے ہمہ گیر اثرات کے ساتھ ساتھ ان تمام مقامات کا ذکر بھی کیا ہے جہاں سے جنگ آزادی کے شعلے بھڑکے تھے۔ بادشاہوں اور شاہزادوں کے ذکر میں ان کا قلم ضرورت سے زیادہ بھٹک گیا ہے اور مورخ کا قلم نہیں لگتا۔

کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر چند تاریخی دستاویزات بھی شامل کردی گئی ہیں۔ اس طرح اس کتاب کی تاریخی حیثیت بھی مسلّم ہو جاتی ہے۔ اس موضوع پر جو دیگر کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، خورشید مصطفیٰ صاحب کی کتاب ان سے منفرد اور الگ نظر آتی ہے حالانکہ یہ ان کی پہلی تصنیف ہے لیکن ان کا قلم ایک مشاق مصنف کا قلم نظر آتا ہے۔

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ

مرتب: خلیق احمد نظامی

۱۹۵۷ء میں ہماری جنگ آزادی کو ایک سو سال ہو گئے۔ اس جنگ کی یادگار کے طور پر بہت سی کتابیں شائع کی گئیں۔ ۱۹۵۹ء میں ۱۸۵۷ء سے متعلق ایک روزنامچہ شائع ہوا تھا جس کے مصنف "عبداللطیف" ہیں۔ مصنف ان تمام واقعات و حوادث کے عینی شاہد تھے۔ یہی چیز اس کتاب کو ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت عطا کرتی ہے۔

اصل کتاب فارسی میں تھی، خلیق احمد نظامی صاحب نے مقدمہ کے ساتھ اس کا ترجمہ کر کے ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع کروایا ہے۔ خود مقدمہ اتنا اہم ہے کہ اسے ایک تصنیف کی حیثیت دینی چاہیے۔ ترجمہ نظامی صاحب نے کیا ہے اتنا لکھنا ہی کافی ہے۔ مترجم نے مقدمہ کے ساتھ ساتھ ایک فرہنگ بھی دی ہے اور جہاں جہاں ضرورت پڑی ہے، حواشی بھی دے دیۓ ہیں۔ اس طرح کتاب کی افادیت دگنی ہو جاتی ہے اور اسکی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

۲۱۲ صفحات کا یہ مترجم روزنامچہ جنگ آزادی کی تاریخی ادب میں ایک اضافہ سمجھا جاسکتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اردو، فارسی اور انگریزی کتابوں اور ماخذ کی فہرست بھی دی ہوئی ہے۔(۵)

"دین الٰہی" اور اس کا پس منظر

ڈاکٹر محمد اسلم

اکبر کے دین الٰہی نے اکبر کی شخصیت کو مسلم مؤرخین کی نظر میں بہت متنازع شخصیت بنادیا ہے اور نہ صرف اکبر بلکہ اس کے کئی دربار نشیں اس سلسلہ میں کافی بدنام ہیں جن مین شیخ مبارک، ابوالفضل، فیضی اور اس وقت کے مؤرخ سبھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر اسلم نے اس موضوع سے گفتگو کرتے ہوئے، اکبر کی ابتدائی زندگی، اس کی ذہنی نشوونما کے ماحول، پھر خود اکبری دور کے مذہبی اور سیاسی فتنوں سے سیر حاصل بحث کی ہے جس میں مفاد پرست درباری علمائے سوء اور غلط خیالات و عقائد کے حامل صوفیاء کی اکبر کی مجالس میں بحثیں اور مناظرے، سبھی آگئے ہیں جن کی وجہ سے اکبر کا ذہن انتشار کا شکار ہوا، شیخ مبارک کی دربار میں آمد، اس کے غلط نتائج اور اکبر پر اس کے غلط اثرات مرتب ہونے کی تفصیل بھی بیان کی ہے، نیز اکبر کی وحدۃ الوجود سے دلچسپی اور تحریف قرآن پر اسکے ایمان سے بھی بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر اسلم سلجھے ہوئے مؤرخ ہیں اس لئے ان کا انداز بیان بھی سلجھا ہوا ہے انہوں نے موضوع سے انصاف کیا ہے۔

دیار پورب میں علم اور علماء۔

قاضی اطہر مبارکپوری

کتاب کے سرورق کی یہ تحریر بالکل صحیح ہے کہ "شیراز ہند پورب کی ۷۰۰ سالہ اسلامی تاریخ کے چار علمی ادوار قائم کرکے ہر دور کی علمی و دینی سرگرمی اور ارباب فضل و کمال کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے، اس کے بعد اس دیار کے کئی خانوادہائے علم و فضل کے علماء مشائخ، ان کے اساتذہ، تلامذہ، معاصرین اور متعلقین کا تذکرہ درج ہے جس سے سرزمین پورب میں غلام سلطنت کے قیام سے لے کر نواب اودھ کے خاتمہ تک کی علمی و دینی تاریخ معلوم ہوتی ہے (٦)۔" مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی رائے میں "زیر نظر تالیف بھی مختلف حیثیتوں سے ایک اہم تاریخی تالیف ہے۔ اس میں ملک کے پوربی علاقوں الہ آباد، صوبہ اودھ، جون پور وغیرہ کے اصحاب علم و فضل اور ان کے علمی و اصلاحی کارناموں کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے (۷)۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ علمائے پورب کے سوانح حیات اور ان کے زمانہ کے خاص حالات اور ماحول کی خصوصیات پر اردو میں اب تک کوئی مفصل و مستند کتاب وجود میں نہیں آئی تھی۔ سرزمین پورب کے صاحبان علم و فضل کا پہلا باقاعدہ تعارف آزاد بلگرامی کے سبحۃ المرجان اور مآثر الکرام سے ہوا۔ بعد میں اور متعدد کتابیں تحریر کی گئیں جو غالباً طبع نہیں ہوئیں اور اب ناپید ہیں۔ اس طرح مشرقی ہندوستان کی تاریخ کا یہ اہم ترین باب زاویہ خمول ہی میں رہا اور یہ تشنگی برابر محسوس ہوتی رہی۔ فاضل مؤلف مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں

نے سالہا سال کی محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد ایک نفیس تحقیقی کتاب مرتب کر دی۔ کتاب کے ماخذ کی تفصیل دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے کتنی محنت کی ہوگی۔ اس طویل فہرست میں کشف الظنون، اخبار الاخیار، گلزار ابرار، تاریخ فرشتہ، سبحۃ المرجان، مآثر الکرام اور نزہۃ الخواطر جیسے اہم ماخذ سے لے کر اعظم گڑھ گزیٹر تک کو کھنگال ڈالا گیا ہے۔(۸)

کتاب میں "پورب کے لئے چار علمی ادوار مقرر کئے ہیں۔ پہلے علمی دور میں غلام خاندان، خلجی خاندان اور تغلق خاندان کی حکومتوں کے زمانہ میں موجود علماء کا ذکر کیا ہے۔ اس دور کے مشہور شیوخ اور علماء میں شیخ الاسلام فرید الدین اودھی، مولانا علاء الدین نیلی اودھی، شیخ قدوہ،، شرف الدین یحیٰ منیری، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔

دوسرا علمی دور ۷۷۲ ہجری میں شہر جونپور کی تاسیس سے شروع ہوتا ہے جس کی بنیاد فیروز شاہ تغلق نے رکھی تھی۔

تیسرے دور کی ابتداء خاندان تیموریہ کی سلطنت سے ہوتی ہے۔ آخر میں مصنف نے اودھ کے نوابی دور سے چوتھے دور کو شمار کیا ہے۔ مشہور علماء میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی، سید اشرف سمنانی، شیخ احمد عبد الحق ردولوی، شاہ مدار وغیرہ کی تفصیلات دی ہیں اور اس عہد کی تصانیف گنوائی ہیں۔ بزرگوں کے ذکر میں راجہ سید شاہ مانک پوری، میر علی عاشقان سرائے میری، ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ، مولانا حافظ امان اللہ بنارسی، مولانا غلام نقشبند گھوسوی، مولانا شاہ ابو الغوث گرم دیوان، حسن علی ماہلی اور ان تمام کے تلامذہ

اوران کی تفصیلات کا مفصل تذکرہ ہے۔

غرضیکہ اس کتاب کی تصنیف میں اطہر صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے جس کا کتاب پڑھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ مصنف نے ہندوستانی شیوخ، صوفیاء اور علماء کے بارے میں صرف فارسی ماخذ پر بھروسہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے وہ مواد بھی جمع کر دیا ہے جو نزہۃ الخواطر کے علاوہ دیگر عرب مصنفین کی کتابوں میں موجود تھا اور جس سے ہمارا اچھا خاصا پڑھا لکھا طبقہ ناواقف تھا۔ چنانچہ کشف الظنون اور شامی کی کتابوں سے کئی جگہ حوالے دیئے گئے ہیں اور ہندوستانی علماء کی بابت عرب مصنفین کے بیانات نقل کئے ہیں۔ اس طرح دیار پورب کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور وہاں کی علمی اور دینی سرگرمیوں کی ایک واضح تصویر سامنے آجاتی ہے اور یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اسے "شیراز ہند" کیوں کہا گیا تھا۔

کتاب پڑھ کر یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ شطاری سلسلہ کی مقبولیت مشرقی ہندوستان اور پورب میں زیادہ تھی۔ مغربی ہندوستان میں یہ مقبولیت اس درجے کی نہیں تھی۔ پورب کے صوفیاء نے اپنی ریاضتوں میں ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں سے بہت سی چیزیں مستعار لے لی تھیں اور اپنی روحانی بلندی کے لئے ان پر عمل کرتے تھے۔ ظاہر ہے یہ چیز ان کی وسیع المشربی پر دلالت کرتی ہے۔

سرکشیٔ ضلع بجنور (سر سید احمد خاں)

مرتب شرافت حسین مرزا صاحب

انقلاب ۱۸۵۷ء سے متعلق موضوع پر سرسید کی ایک اہم تصنیف ہے جسے ایک اہم دستاویز بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس میں سرسید نے ضلع بجنور کی تاریخ اور وہاں رونما ہونے والی مختلف بغاوت بالخصوص ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں ان حکمرانوں اور جنگ آزادی کے ہیروز کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کا تعلق سرزمین بجنور سے تھا۔

کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب سرسید خود بجنور میں موجود تھے اور صدر امین کے عہدے پر فائز تھے، اس لئے ان کی معلومات مستند اور معتبر ہیں۔ وہ بہت سے واقعات کے عینی شاہد ہیں اس لئے ان کی صداقت شبہ سے بالاتر ہے۔

کتاب کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں وہ تمام خط و کتابت جو بہادر شاہ ظفر اسلامی رہنماؤں اور انگریزوں کے درمیان ہوئی تھی، دے دی گئی ہے، کتاب کے مرتب شرافت حسین مرزا صاحب نے ضروری حواشی اور توضیحی نوٹس کے ساتھ ایک مفید مقدمہ کا بھی اضافہ کیا ہے جس میں بغاوت اور ہماری پہلی جنگ آزادی کے محرکات اور اسباب و عوامل کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور جس میں انہوں نے عالمانہ سنجیدگی اور مؤرخانہ تحقیق و جستجو کا ثبوت دیا ہے۔ اس طرح اس کتاب کی دستاویزی حیثیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

"سرکشیٔ ضلع بجنور" کا ایک اور اڈیشن ڈاکٹر معین الحق کے قلم سے بھی آچکا ہے لیکن ہمارے خیال میں شرافت حسین مرزا صاحب والا اڈیشن اپنے مقدمے، توضیحی نوٹس اور حواشی کی وجہ سے زیادہ مستند اور مفید ہے۔

۳۶۰ صفحات کی اس کتاب میں متعدد ضمیمے بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات

خلیق احمد نظامی

مذکورہ بالا کتاب ندوۃ المصنفین اور خود نظامی صاحب کی مشہور کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ کتاب ایک بہت علمی انداز کے مقدمہ سے شروع ہوتی ہے اور اس میں عہد سلاطین ہند کے قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن، و معز الدین کیقباد، جلال الدین خلجی، علاء الدین خلجی، غیاث الدین تغلق، محمد شاہ تغلق، فیروز شاہ تغلق، بہلول لودی اور سکندر لودی وغیرہ کے مذہبی رجحانات و افکار، دینی شخصیتوں سے ان کا تعلق اور ان بادشاہوں کی مذہبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

مصنف نے اس کتاب کی تیاری میں بڑی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اور مطبوعہ مواد کے ساتھ ساتھ مخطوطات سے بھی مدد لی ہے۔ ہر عہد کے علماء کے نام گنوائے ہیں، علماء کی قسموں سے بحث کی ہے، جن علماء کا طرز عمل قابل اعتراض نظر آیا ہے ان پر تنقید بھی کی ہے۔ نفس موضوع کے علاوہ اس کتاب سے دیگر اور بہت سی چیزوں کا علم ہوتا ہے، مثلاً عوفی کے منظوم اقتباس سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے آنے والے علماء یا غیر ملکیوں میں کس کس قسم کے لوگ شامل تھے، غیر مسلموں کو کتنی اور کس قسم کی آزادی حاصل تھی۔ اس عہد کے بعض موٴرخین کے غیر محتاط تاریخی انداز بیان پر ان کی تنقید بھی بہت صحیح ہے کیونکہ اس وقت یہ انداز بیان اور مبالغہ آمیز تحریریں تو قابل تعریف رہی ہوں گی لیکن مستقبل میں انہیں کی بنیاد پر غلط تاریخ بیان کی گئی جس کا نتیجہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے درمیان غلط فہمی اور ایک دوسرے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

مصنف نے بڑے واضح انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ سلاطین کی مذہبی پالیسی حالات کے تقاضے کے تحت تھی۔ علماء کچھ اور کہتے تھے لیکن سلاطین کا عمل اس پر ہوتا تھا جسے وہ ملک، اور عوام کے لئے مفید سمجھتے تھے خود صوفیاء اور شیوخ کی تعلیمات سبھی کے لئے تھیں، مسجدوں کی تعمیر میں ہندو معماروں کی شرکت ناپسندیدہ نہیں تھی۔ گنگا جل کے اہتمام و احترام کو بادشاہ برا نہیں سمجھتے تھے، بادشاہ ہولی بھی کھیلتے تھے۔ صوفیاء جوگیوں سے ان کی ریاضت کے طریقے سیکھتے تھے، میاں طاہا جیسے صوفیاء، دونوں مذاہب کی تعلیمات پر عبور رکھتے تھے۔ شطاری سلسلے کے صوفیاء پر ہندو سنیاسیوں اور جوگیوں کا اثر تھا اور دینی لحاظ سے یہ بات معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی۔

نظامی صاحب کی یہ کتاب ہمارے موجودہ مسائل کے لئے ایک مشعل راہ بھی ہے اور قومی یکجہتی کی پیش رفت کی کوششوں میں کافی مدد کرتی ہے، نیز مسلمان سلاطین کے سر سے بہت سے الزامات کو دور کرتی ہے۔

علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اول

مولانا محمد میاں

مولانا محمد میاں کی پہلی کتاب ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں، موجودہ کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی کے مقدمہ کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی گویا کہ مصنف نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن جب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" نامی کتاب آئی تو اس تسلسل کا اندازہ ہوا۔

کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی، ان کے خلفاء، ان کے حالات۔ اس وقت کے سیاسی حالات اور ان کے خلفاء وغیرہ کے سیاسی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی مغلیہ عہد کے مشہور دور کے حکمرانوں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانہ کے سیاسی حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے، نیز اس عہد کے نظام سلطنت سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ بوریہ نشین علماء صرف نام کے علماء نہیں تھے بلکہ مسلم عوام کی سماجی اور دینی زندگی کے قائد بھی تھے ان کا کام مسلم امت کی ذہنی تربیت کا بھی تھا۔ ان کی سیاسی بصیرت، آنے والے فتنوں کو محسوس کر لیتی تھی اور جب بھی کوئی اسلام مخالف بات ہوتی تھی تو یہ علماء ہی ہوتے تھے جو کسی مصلحت کے بغیر اس مخالفت اور سازش کی راہ میں ایک مضبوط دیوار کی صورت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس معاملہ میں ہمارے علماء نے ہر دور میں بڑے کارنامے انجام دئے ہیں اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی ہے۔

کتاب کی ترتیب و تالیف میں مولانا محمد میاں نے بڑی محنت کی ہے اور پچھلی کتاب کی طرح اس کتاب میں بھی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ زبان سادہ اور عام فہم رہے۔ اتنا ضرور ہے کہ قلم ایک مورخ کا نہیں لگتا بلکہ اس کے بجائے اسلوب ایک مقرر اور خطیب کا ہو جاتا ہے۔

ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں

مولانا سید محمد میاں

مولانا محمد میاں کی یہ کتاب بھی ندوۃ المصنفین کے تاریخی سلسلوں کی مقبول کتاب ہے جو عام قاری کے علاوہ طلباء کے لئے بھی بہت مفید ہے اس میں موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اجمال کے ساتھ ساتھ مثبت نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ مغلیہ حکومت کا نظام، منصب داری نظام، تعلیمی حالات، شہری حقوق، اکثریت و اقلیت یا بالفاظ دیگر ہندو مسلم تعلقات اس عہد کی صنعت و حرفت اور ان میں عوام و حکومت کی دلچسپی، انگریزوں کی آمد، عہد مغلیہ اور یوروپین، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے حالات، مغلوں کے زوال کی داستان، ان کے زوال کے اسباب، دہلی پر روہیلوں کی یلغار، نوابی اودھ، بنگال اور بہار، نظام دکن، نادر شاہ درانی کا قتل عام، غرض کہ موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کسی جگہ احتیاط اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔

انداز بیان ایسا ہے کہ کتاب صرف تاریخ بن کر نہیں رہ جاتی، بلکہ اس میں

درس عبرت بھی نظر آتا ہے۔ کتاب جہاں مسلمانوں کی باہمی آویزش، ساز شوں اور ریشہ دوانیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے وہیں اس میں ایک یہ سبق بھی پنہاں ہے کہ نظام خداوندی کے تحت جب تک حکمراں عدل وانصاف اور خدا ترسی کے ساتھ حکمرانی کرتے ہیں خدا انہیں عروج بخشتا ہے، ترقی اور خوش حالی سے نوازتا ہے لیکن جب وہ ظلم وزیادتی اور عیش وعشرت میں پڑ جاتے ہیں تو خدا کی طرف سے ان پر ایسے لوگ مسلط کردئے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ باصلاحیت اور طاقتور ہوتے ہیں۔ یہ اصل میں عذاب الہٰی ہوتا ہے لیکن ہم ان کے مادی اسباب تلاش کر کے خود کو مطمئن کر لیتے ہیں۔

بہر حال عہد وسطیٰ کی تاریخ اور دوسری اور کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی اپنی جامعیت اور اختصار سمیت ایک مفید کتاب ہے جو عام فہم انداز میں لکھی گئی ہے اور زبان بھی سادہ استعمال کی گئی ہے۔ ان کی دوسری کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" پڑھنے پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس کے ایک مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے اور "علمائے ہند کا شاندار ماضی" سے تسلسل بر قرار رہتا ہے۔

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں

قاضی اطہر مبارکپوری

عرب وہند کے تعلقات پر قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کی جو دیگر تصنیفات ہیں ان میں مذکورہ بالا کتاب بھی ہے۔ کتاب کے مشمولات کو سرورق پر ان سطور میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے "تیسری صدی سے پانچویں صدی تک کی

دولت ماہانیہ، سندان، دولت ہباریہ منصورہ، دولت سامیہ ملتان، دولت معدانیہ مکران اور دولت متغلبہ طوران کے عروج وزوال، نظام حکومت اور ملکی حالات کو عرب مورخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی تصریحات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسلام کے اس زرّیں عہد میں ان حکومتوں نے مرکز خلافت بغداد سے وابستہ رہ کر ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون اور تہذیب و ثقافت کی کیا شاندار خدمات انجام دی ہیں اور اپنے کارناموں سے اس ملک کو اقوام عالم کی صف میں کیسا باعزت مقام بخشا ہے (۹)۔ اس کتاب کی اہمیت اور اسقیت کے ثبوت میں مفتی عتیق الرحمان صاحب کی یہ سطور کافی ہیں کہ "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" اپنی خاص نوعیت کے لحاظ سے پہلی مفصل اور تحقیقی تصنیف ہے جس میں سندھ اور اس کے قرب وجوار کی ان مملکتوں کی جن کو عام مؤرخ صرف مقامی اور صوبائی درجہ دیتے ہیں، مرتب اور تفصیلی معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ ہماری مشہور ومعروف اور معتبر ومستند تاریخوں میں سلطان محمود غزنوی کی حکومت سے پہلے کے حالات نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ ان مؤرخوں کی رائے اسلامی حکومت قائم ہی اس وقت ہوئی جب کہ پرتھوی راج کی شکست کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کو مفتوحہ علاقوں کا نائب مقرر کیا اور جس کی تکمیل علاء الدین خلجی کے عہد میں ہوئی۔ انتہا یہ ہے کہ تاریخ فرشتہ جیسی مفصل اور محققانہ تاریخ بھی ان مملکتوں کے ذکر سے اسی شکوے کے ساتھ خالی ہے کہ صاحب کتاب کو محمود غزنوی سے پہلے کے واقعات فارسی تاریخوں میں نہیں ملے"۔

"اصل یہ ہے کہ ہماری بڑے بڑے مورخ غزنویوں، غوریوں، خلجیوں اور مغلوں کی شاہانہ شان و شوکت اور ظاہری آب و تاب میں کچھ اس طرح گم ہو گئے کہ انکے حافظہ سے اس کر و فر اور شان و شوکت کا اصل سرچشمہ ہی محو ہو گیا، فاضل مؤلف کے شوق و جستجو اور ذوق تحقیق کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے عربی کی سینکڑوں تاریخی کتابوں کے سمندر میں غوطے لگا کر یہ گوہر تابدار فراہم کئے اور مہبط اول سندھ کی عظمت و سطوت کی ایک اعلیٰ درجے کی تاریخ مرتب کر دی ہے۔(۱۰)

خود مصنف نے اصلی کتاب ص ۲۳ سے شروع کی ہے۔ انہوں نے ص ۲۱ پر لکھا ہے کہ "ہند و سندھ کی ان آزاد و خود مختار حکومتوں میں پانچ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ دولت ماہانیہ ۱۹۸ء تا حدود ۲۲۷ھ مدت حکومت ۳۰ سال

۲۔ دولت ہباریہ ۲۴۷ھ سے ۴۱۶ھ مدت حکومت ۱۷۰ سال

۳۔ دولت سامیہ ۲۸۰ھ سے ۳۶۰-۷۰ھ مدت حکومت ۷۵ سال

۴۔ دولت معدانیہ ۳۴۰ھ سے ۴۷۱ھ مدت حکومت ۱۳۰ سال

۵۔ دولت متغلبہ ۲۴۰ سے ۴۷۱ھ مدت حکومت ۱۳۰ سال

دولت ماہانیہ کے عنوان کے تحت جو پہلا موضوع ہے اس میں بعض اہم چیزوں سے بحث کی گئی ہے جیسے "سندھ سے پہلے جنوبی ہند کے مسلمانوں سے تعلقات، مجاہدین اسلام کی پہلی مہم، سندان میں جامع مسجد کی تعمیر، سندان میں اسلامی ثقافت کے اثرات و برکات، مسلم شخصیتوں کی یادگاریں، سندان کے دور و نزدیک کے چند ارباب علم و فن۔

دوسرا عنوان "دولت ہباریہ، منصورہ سندھ" کا ہے جس میں ذیلی موضوعات کے تحت نظام حکومت اور ملکی انتظامات، حدود سلطنت اور مشہور مقامات، اسلامی علوم اور علمائے اسلام، دیبل کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء، محدثین۔ بوقان کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء، محدثین، الور کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء و محدثین۔

تیسرے عنوان دولت ساسامیہ ملتان کے تحت، پہلے بنو سامہ کی تاریخ سے بحث کی گئی ہے۔ مؤرخین اور ماہرین علم الانساب کے بیانات نقل کر کے حدود سلطنت، مشہور مقامات اور عام حالات سے بحث کی ہے جس میں ملتان کی تفصیلات دی ہیں، ساتھ ہی لاہور اور قنوج کے بارے میں بھی کہا گیا ہے۔ ملتان کے سلسلہ میں وہاں کے طبعی حالات، بود و باش طرز زندگی اور زبان، تجارت اور خوشحالی، مسلمانوں کے دینی اور اخلاقی حالات، غیر مسلم رعایا اور ذمیوں کے شہری حقوق اور ان کی مذہبی آزادی، مملکت ملتان، سامی دور کے اسلامی علوم اور علمائے اسلام کا تذکرہ ص ۱۶۹ سے ص ۲۵۳ تک کیا ہے، مکران کی دولت معدانیہ کے موضوع کے تحت ان کی مختصر تاریخ، ان کا نظام مملکت، حدود سلطنت، مشہور مقامات اور عام حالات طبعی حالات اور صنعت و تجارت باشندوں کے عام دینی و اخلاقی حالات، بود و باش اور زبان صنعت و حرفت، تجارت اور مکران کے علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دولت متغلبہ طوران کی تفصیلات میں طبعی حالات، آبادی، طرز زندگی، دینی اخلاقی حالت، دینی علوم اور علماء کا ذکر موجود ہے۔ پھر ۲۹۷ سے ۳۳۸ تک عمومی تبصرہ اور تجزیے کا باب ہے جس میں ایسے اکابرین

سندھ کے نام دیے ہیں جو بغداد میں اہم مناصب پر مقرر کیے گئے تھے[1] سندھ و ملتان کی ان حکومتوں کی خارجہ پالیسی کیا تھی اور پاس پڑوس کی ہندو ریاستوں سے ان کے تعلقات کس نوعیت کے تھے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تاریخ اسلام پر برہان میں شائع ہونے والے

مضامین

(عربوں سے متعلق)

۱۔ مسلمانوں کے تعلقات غیر قوموں کے ساتھ   سعید احمد اکبر آبادی   اگست، ستمبر ۱۹۳۸ء

۲۔ قبۃ الصخرۃ   ایضا   مئی ۱۹۳۹ء

۳۔ شرق عربی کی بیداری مغرب کی نگاہ میں تلخیص و ترجمہ   ایضا   جولائی ۱۹۳۹ء

۴۔ سر من رای   م۔ا   دسمبر ۱۹۳۹ء

۵۔ معاہدہ یہود علمی نقطہ نظر سے   شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن   جنوری ۱۹۴۰ء

۶۔ نوح اور طوفان نوح   مولانا حفظ الرحمٰن   فروری ۱۹۴۰ء

۷۔ معاہدہ یہود علمی نقطہ نظر سے (تصویر کا دوسرا رخ)   ایضا   مارچ ۱۹۴۰ء

۸۔ عبداللہ بن مبارک   مولانا سعید احمد اکبر آبادی   اپریل ۱۹۴۰ء

۹۔ نوح اور طوفان نوح   مولانا حفظ الرحمان   مئی ۱۹۴۰ء

۱۰۔ معاہدہ یہود عمومی نقطہ نظر سے   شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن

اگست، ستمبر ۱۹۴۰ء

۱۱۔ ہرات کے آثار قدیمہ   عظمت اللہ پانی پتی   اپریل، مئی ۱۹۴۱ء

۱۲۔ جنگ قادسیہ کا ایک باب   مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی   مئی ۱۹۴۱ء

۱۳۔ اسباب عروج وزوال امت سعید احمد اکبر آبادی جنوری ۱۹۴۲ء

۱۴۔ عربوں کی قومی تحریک مولوی علیم اللہ صدیقی فروری ۱۹۴۲ء

۱۵۔ اسباب عروج وزوال امت سعید احمد اکبر آبادی جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون ۱۹۴۲ء

۱۶۔ علماء ہندو عرب اور مہاجرین کا مختصر تذکرہ عبدالماجد دریابادی مارچ، اپریل ۱۹۴۲ء

۱۷۔ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی رجحانات سعید احمد اکبر آبادی۔ ستمبر، اکتوبر ۱۹۴۲ء

۱۸۔ حضرت بلالؓ کے نام ونسب ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اکتوبر ۱۹۴۲ء

۱۹۔ اسلامی تمدن مولانا حفظ الرحمٰن جولائی، اگست ۱۹۴۳ء

۲۰۔ یمن کا قدیم تمدن سید زاہد الرضوی قیصر اکتوبر ۱۹۴۳ء

۲۱۔ اسلام میں رواداری کی تعلیم اور آنحضرت کا سلوک غیروں کے ساتھ۔ شیخ اسماعیل پانی پتی جولائی ۱۹۴۴ء

۲۲۔ بیت المقدس پر اجمالی نظر منشی عبدالقدیر فروری ۱۹۴۶ء

۲۳۔ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے علمی خدمات مولوی عبدالرحمٰن مئی ۱۹۴۷ء

۲۴۔ مغرب پر مسلمانوں کا احسان مبارزالدین رفعت دسمبر ۱۹۵۰ء

۲۵۔ مسلمان حکومتوں کی موجودہ زبوں حالی مولوی ظفیر الدین، فروری مارچ ۱۹۵۳ء

۲۶۔ اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں خورشید احمد فارق مئی، جون،

جولائی، ستمبر، دسمبر، ۱۹۵۴ء، فروری ۱۹۵۵ء

۲۷۔ حضرت عثمانؓ صرف تاریخ کی روشنی میں مولانا عبدالحمید نعمانی جنوری، اپریل، نومبر ۱۹۵۵ء

۲۸۔ حضرت عمرؓ کی آخری زندگی کے چند واقعات خورشید احمد فارق جنوری ۱۹۵۵ء

۲۹۔ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط خورشید احمد فارق جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر دسمبر ۱۹۵۵ء

۳۰۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے حضرت علیؓ کی بیعت سعید احمد اکبر آبادی فروری ۱۹۵۶ء

۳۱۔ مکتوب نبوی اور قیصر روم کا اعتراف سید محبوب رضوی مارچ ۱۹۵۶ء

۳۲۔ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط خورشید احمد فارق جنوری، فروری، مارچ، اپریل، اگست، ستمبر اکتوبر نومبر، دسمبر ۱۹۵۶ء

۳۳۔ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات، عبدالرحمٰن خاں دسمبر ۱۹۵۶ء

۳۴۔ حضرت عمرؓ کے سرکای خطوط خورشید احمد فارق جنوری ۱۹۵۷ء

۳۵۔ حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۷ء

۳۶۔ مصری انقلاب کی کہانی انور سادات کی زبانی عابد رضا خاں بیدار فروری ۱۹۵۸ء

۳۷۔ عربی کی ایک علمی کتاب سے تاریخ ہند پر روشنی خورشید احمد فارق جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۵۸ء

۳۸۔ دنیائے اسلام پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر اگست، ستمبر، ۱۹۵۸ء

۳۹۔ مصر ۱۸۹۸ء۔۱۸۹۳ میں ایک ہندوستانی سیاح کا سفر نامہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار، اکتوبر ۱۹۵۸ء

۴۰۔ علیؓ صرف اسلام کی روشنی میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین مترجم عبدالحمید نعمانی نومبر، دسمبر ۱۹۵۸ء

۴۱۔ اسلام ان موڈرن ہسٹری ایک باب کا ترجمہ، پروفیسر W.C.Smith مترجم ضیاء الحسن فاروقی، نومبر ۱۹۵۸ء، جنوری ۱۹۵۹ء

۴۲۔ سندھ کی تسخیر اور اس پر اسلامی فرمانروائی کی پہلی دو صدیاں مولوی ابوالقاسم رفیق دلاوری، جنوری ۱۹۵۹ء

۴۳۔ نظام چھنہ اور سلاطین ہند شیخ وحید احمد اپریل ۱۹۵۹ء

۴۴۔ تاریخ رِدّہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق اپریل، مئی، جون جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر، ۱۹۵۹ء

۴۵۔ یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ شبیر احمد خاں غوری جولائی اگست، نومبر ۱۹۵۹ء

۴۶۔ خلافت معاویہ و یزید مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دسمبر ۱۹۵۹ء

۴۷۔ یونانی علوم میں مسلمانوں کا داخلہ، شبیر احمد خاں غوری جنوری ۱۹۶۰ء

۴۸۔ تاریخ الرِدّہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق جنوری ۱۹۶۰ء

۴۹۔ محمد علی، جدید مصر کا بانی مولوی محمود الحسن ندوی مارچ ۱۹۶۰ء

۵۰۔ ابن الحنفیہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق مئی، جون ۱۹۶۰ء

۵۱۔ تاریخ رِدّہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق مئی، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۰ء

۵۱۔ سیرۃ النبی پر ایک اہم اردو کتاب یعنی فوائد بدریہ مولوی سید نصیر الدین ہاشمی اکتوبر ۱۹۶۰ء

۵۲۔ تاریخ ردہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق جنوری، مارچ ۱۹۶۱ء

۵۳۔ اندلس میں اسلامی تہذیب مولوی خالد کمال اپریل ۱۹۶۱ء

۵۴۔ قاہرہ کا اسلامی میوزیم جو ستر ہزار شاہکاروں پر مشتمل ہے، ایضا جون ۱۹۶۱ء

۵۵۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ڈاکٹر خورشید احمد فارق اگست، نومبر ۱۹۶۱ء، مارچ، اگست، دسمبر ۱۹۶۲ء

۵۶۔ انڈونیشیا اور اسلام محمد فیاض جنوری، فروری ۱۹۶۳ء

۵۷۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ڈاکٹر خورشید احمد فارق مارچ ۱۹۶۳ء

۵۸۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سماج میں عورت کا مقام سید نصیر الدین ہاشمی اپریل ۱۹۶۳ء

۵۹۔ ترکوں کی فتح کے اسباب جمال محمد صدیقی مئی ۱۹۶۳ء

۶۰۔ عثمان غنیؓ پر اعتراضات اور ان کا جائزہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق اپریل مئی ۱۹۶۴ء

۶۱۔ ایک علمبردار حریت کے نمایاں کارنامے اور بے لوث خدمات حکیم عزیز الرحمن رونق اعظمی اپریل، مئی ۱۹۶۴ء

۶۲۔ واقعات سیرت نبویؐ میں توقیتی تضاد اور اس کا حل مولوی اسحاق النبی علوی مئی، جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۶۴ء

۶۳۔ موسیو سدیو کی تاریخ عرب پر ایک نظر، شبیر احمد خاں غوری ستمبر ۱۹۶۴ء

۶۴۔ تاریخ طبری کے ماخذ مترجم نثار احمد فاروقی فروری، مارچ، مئی ۱۹۶۵ء

۶۵۔ ولادت خیر الانام یعنی پیغمبر اسلام محمدؐ کی تاریخ ولادت کا نظریہ علوی کی روشنی میں مولانا حبیب الرحمٰن خان اپریل ۱۹۶۵ء

۶۶۔ خلفاء راشدین اور اجتہاد و تشریح ڈاکٹر خورشید احمد فارق نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء

۶۷۔ تاریخ طبری کے ماخذ جواد علی مترجم نثار احمد فاروقی اپریل مئی، جون جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۶ء

۶۸۔ عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان ڈاکٹر خورشید احمد فارق جنوری، فروری، مارچ، اپریل، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر ۱۹۶۷ء، جنوری ۱۹۶۸ء

۶۹۔ عرب جاہلیت کے اخلاقی تصورات ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری فروری، مارچ، اپریل ۱۹۶۸ء

۷۰۔ عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان ڈاکٹر خورشید احمد فارق جولائی، ستمبر ۱۹۶۸ء

۷۱۔ تاریخ طبری کے ماخذ جواد علی مترجم نثار احمد فاروقی فروری، مارچ، مئی، جون ۱۹۶۹ء

۷۲۔ عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان ڈاکٹر خورشید احمد فارق مارچ، اپریل، جولائی ۱۹۶۹ء

۷۳ عہد فاروقی کا اقتصادی جائزہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق جون، جولائی، اگست ۱۹۷۰ء

۷۴۔ عہد عثمانی کا اقتصادی جائزہ ایضا ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۰ء

۷۵۔ ایران کی ناقابل فراموش تحریک مشروطہ ڈاکٹر آفتاب اختر اکتوبر ۱۹۷۰ء

۷۶۔ صحابہ کرامؓ کا مقام و مرتبہ مولانا تقی الدین ندوی، نومبر ۱۹۷۰ء

۷۷۔ دور حیدری کا اقتصادی جائزہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق دسمبر ۱۹۷۰ء

۷۸۔ دور علوی میں مسلمانوں کے اقتصادی حالات ڈاکٹر خورشید احمد فارق، جنوری ۱۹۷۱ء

۷۹۔ قدیم عربوں کے یہاں چمڑے کی تجارت احمد خاں مارچ ۱۹۷۱ء

۸۰۔ تاریخ طبری کے ماخذ جواد علی مترجم نثار احمد فاروقی اگست ۱۹۷۳ء

۸۱۔ مقالات رسولؐ کے اجداد ڈاکٹر خورشید احمد فارق اگست ۱۹۷۳ء

۸۲۔ مقالات رسول کے اجداد کی ولادت، بچپن وشادی ایضا ستمبر ۱۹۷۳ء

۸۳۔ لیبیا میں سرقبہ وحرابہ کی حدود مولانا حبیب الرحمٰن ندوی ستمبر نومبر ۱۹۷۳ء

۸۴۔ مقالات رسول کی ولادت (اعلان نبوت) ڈاکٹر خورشید احمد فارق اکتوبر ۱۹۷۳ء

۸۵۔ عہد نبوی کا تاریخی جائزہ، ایضا، نومبر، دسمبر ۱۹۷۳ء، جنوری فروری ۱۹۷۴ء

۸۶۔ خلافت راشدہ کے دور کی اہمیت اور اس کی مشترک روح سید ابوالحسن علی میاں

مئی ۱۹۷۴ء

۸۷۔ عہد نبوی کے غزوات وسرایا اور ان کے ماخذ پر ایک نظر

مولانا سعید احمد اکبر آبادی جون، ۱۹۷۴ء

۸۸۔ کچھ المامون کی اولیات کے بارے میں شبیر احمد خاں غوری جون، جولائی،

ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۴ء

۸۹۔ عہد نبوی کے غزوات وسرایا اور ان کے ماخذ پر ایک نظر مولانا سعید احمد

اکبر آبادی اگست، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۴ء، فروری، مارچ، مئی، جون ۱۹۷۵ء

۹۰۔ آثار عمرین ڈاکٹر ابونصر محمد خالدی مارچ، اپریل، ۱۹۷۵ء

۹۱۔ ادبی مصادر میں آثار عمرینؓ، ایضا مئی، جون، جولائی، اگست ۱۹۷۵ء

۹۲۔ عہد نبوی کے غزوات وسرایا اور ان کے ماخذ پر ایک نظر مولانا سعید احمد

اکبر آبادی جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، دسمبر ۱۹۷۵ء

۹۳۔ ادبی مصادر میں آثار عمرین ڈاکٹر ابونصر محمد خالدی ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء

۹۴۔ عہد نبوی کے غزوات و سرایا اور ان کے ماخذ پر ایک نظر مولانا سعید احمد اکبر آبادی جنوری، مئی، جون، جولائی ۱۹۷۶ء

۹۵۔ عقیدت عصمت انبیاء وائمہ تاریخ کی روشنی میں سید محمود حسن قیصر امروہوی اپریل، جنوری ۱۹۷۶ء

۹۶۔ غزوات و سرایا کرنل خواجہ عبدالرشید جنوری، فروری ۱۹۷۷ء

۹۷۔ حسان بن ثابتؓ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ستمبر ۱۹۷۷ء

۹۸۔ معراج نبوی پر ایک غیر مطبوعہ حیرام بانی فخر الزماں ستمبر ۱۹۷۷ء

۹۹۔ حسان بن ثابتؓ مولوی عبدالرحمان پرواز اکتوبر، نومبر دسمبر ۱۹۷۷ء، جنوری، فروری، مارچ، ۱۹۷۸ء

۱۰۰۔ تاریخ تعمیر کعبہ غلام مرسلین نومبر ۱۹۷۷ء

۱۰۱۔ الفخری کا تنقیدی مطالعہ سید احتشام ندوی فروری ۱۹۷۹ء

۱۰۲۔ میرے شیخین اور حضرت عثمانؓ ایک عہد آفریں شخصیت مولانا سعید احمد اکبر آبادی اگست ۱۹۷۹ء

۱۰۳۔ مؤذن رسول بلالؓ کا صحیح لہجہ اور تلفظ حبیب ریحان ایضاء نومبر ۱۹۷۹ء

۱۰۴۔ بنوہاشم اور بنوامیہ کی رقابت ڈاکٹر لیٰسین مظہر صدیقی جنوری ۱۹۸۰ء

۱۰۵۔ بنوہاشم اور بنوامیہ میں ازدواجی تعلقات، ایضاً، مئی، جون، جولائی ۱۹۸۰ء

۱۰۶۔ پیغمبر اسلام کے تعمیراتی معجزے ایضا اگست ۱۹۸۰ء

۱۰۷۔ سرجری اسلام کے قرون اولیٰ میں طارق عبداللہ ستمبر، دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۰۸۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہین محرکات مسائل اور مقاصد ایضا دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۰۹۔ شریف التواریخ پروفیسر اسلم نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۱۰۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہین محرکات مقاصد اور مسائل ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست ۱۹۸۳ء

۱۱۱۔ سرجری اسلام کے قرون اولیٰ میں طارق عبداللہ جنوری، فروری، مارچ ۱۹۸۳ء

۱۱۲۔ شریف التواریخ پروفیسر محمد اسلم جنوری، فروری ۱۹۸۳ء

۱۱۳۔ عہد نبوی کی ابتدائی مہیں محرکات مقاصد اور مسائل و تعلیقات و حواشی۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ستمبر ۱۹۸۳ء

۱۱۴۔ کیکاؤس کا نظریہ اقتدار اعلیٰ احمد حسن ستمبر ۱۹۸۳ء

۱۱۵۔ فرعون تاریخ و تحقیق کی روشنی میں مولانا ابوالکلام قاسمی جون، جولائی ۱۹۸۴ء

۱۱۶۔ شریف التواریخ پروفیسر محمد اسلم جون ۱۹۸۴ء

۱۱۷۔ فرعون تاریخ و تحقیق کی روشنی میں عبدالرحمٰن مومن بمبئی ستمبر ۱۹۸۵ء

۱۱۸۔ سرجری اسلام کے قرون اولیٰ میں طارق عبداللہ دہلوی جنوری ۱۹۸۶ء

۱۱۹۔ غزوہ بنی نضیر سبب اور زمانہ کا تعین مولانا ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی جنوری، فروری، مارچ، اپریل ۱۹۸۷ء

۱۲۰۔ تاریخ اسلام، خلافت راشدہ اور بنوامیہ (تبصرہ) عبدالرؤف خاں مئی، جون ۱۹۸۷ء

۱۲۱۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ہزیمت کے اسباب سید امین الحسن رضوی مارچ ۱۹۸۸ء

۱۲۲۔ تاریخ اسلام، خلافت راشدہ و بنوامیہ عبدالرؤف خاں جولائی ۱۹۸۸ء

۱۲۳۔ اسلامی عہد میں اسپین کی علمی و تاریخی کیفیت محمد علی جوہر ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۸ء، جنوری، فروری، ۱۹۸۹ء

۱۲۴۔ برامکہ تحقیق کی روشنی میں مقصود احمد بڑودہ مارچ ۱۹۸۹ء

۱۲۵۔ اخوان المسلمون کی تحریک کے اثرات دنیائے عرب پر ڈاکٹر محمد راشد ندوی دسمبر ۱۹۸۹ء، جنوری ۱۹۹۰ء

۱۲۶۔ بنی اسرائیل اپنی تاریخ و کردار کے آئینے میں مولانا سمیع اللہ بمبئی اپریل، مئی، جون ۱۹۹۰ء

۱۲۷۔ قیام امن کی نبوی جدوجہد سعید الرحمٰن پاکستان اگست، ستمبر ۱۹۹۰ء

حواشی (ب)

۱۔ مبارکپوری قاضی اطہر، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ص ۲۲۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۶۸ء

۲۔ ایضا ایضا ص ۲۳۸ ایضا

۳۔ فارق خورشید احمد، تاریخ ہند پر نئی روشنی، ص ۳، ایضا، ۱۹۶۱ء

۴۔ حوالہ بالا ص ۳ ایضا

۵۔ مرتبہ نظامی خلیق احمد، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ۲۰۹ تا ۲۱۲، ایضا، ۱۹۵۹ء

۶۔ مبارکپوری قاضی اطہر، دیار پورب میں علم اور علماء، سرورق ایضا ۱۹۷۸ء

۷۔ حوالہ بالا ص ۱۵ ایضا

۸۔ ایضا ایضا ص ۱۶ ایضا

۹۔ مبارکپوری قاضی اطہر، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، سرورق، ایضا، ۱۹۶۶ء ندوۃ المصنفین، دہلی

۱۰۔ حوالہ بالا ص ۱۳ تا ۱۴ ایضا

صوفیاء و تصوّف کے میدان میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

"صوفیاء اور تصوف" ایسا موضوع ہے جس پر ندوۃ المصنّفین کی سب سے کم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اس کے اسباب جو بھی رہے ہوں ان کا علم منتظمین کو ہوگا لیکن اگر ہم تصوف کے ساتھ، روحانیت اور تربیت روحانی وغیرہ جیسے موضوعات کو اکٹھا کر دیں تو اس ذخیرہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک اہم کتاب "تاریخ مشائخ چشت" تھی جس کی صرف جلد اول ندوۃ المصنّفین سے شائع ہوئی لیکن اس کتاب کے اولین ابواب میں اتنا اہم مواد فراہم کر دیا گیا تھا جو تصوف سے متعلق بہت سارے موضوعات کا احاطہ کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر ولی الدین کی "قرآن اور تصوف" بھی اس سلسلہ کی اہم کتاب ہے۔ یہی حال "مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط اور "خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک" کا بھی ہے۔ بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب کی کتاب "وحدۃ الوجود" کا ترجمہ مولانا ابو الحسن زید فاروقی صاحب نے کیا ہے اور حتی الامکان اس مشکل موضوع کو آسان فہم بنانے کی اچھی کوشش ہے۔ ان کتابوں کے ساتھ ساتھ برہان میں اکثر و بیشتر تصوف پر مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور صوفیاء پر بھی لکھا گیا ہے، اس باب کے آخر کے اشاریہ میں ان کا تذکرہ مع مصنف اور ماہ و سال کے کر دیا گیا ہے۔

امداد المشتاق

مرتبہ : مولانا اشرف علی تھانوی

مقدمہ : ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

''امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق'' کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۹۲۵ء میں ''تھانہ بھون'' سے شائع ہو چکی ہے۔ یہی کتاب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے منشی مشتاق احمد پٹواری کیرانوی کی فرمائش پر ترتیب دی تھی جس میں مولانا تھانوی نے اپنے پیر و مرشد مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، کے حالات و کوائف درج کیے تھے اور جن کے ساتھ ان کے ملفوظات و اقوال بھی شامل کیے گئے تھے۔ یہ کتاب اب نایاب ہونے لگی تھی لیکن ندوۃ المصنفین کی علم و معرفت شناسی کی بدولت پھر اسے نئی شکل مل گئی ہے۔

موجودہ کتاب میں پہلی اشاعت کی فوٹو کاپی بھی موجود ہے۔ ہر چند کہ اس کتاب کی ترتیب و اندراجات سے قدیم طرز و انداز کی جھلک آتی ہے لیکن چونکہ اس کی ترتیب و تالیف مولانا تھانوی کی ہے، اس لئے ہر چیز مستند ہے۔ کتاب میں نہ صرف یہ کہ حاجی صاحب مرحوم کے حالات موجود ہیں بلکہ ان کے باطنی اور روحانی کمالات کا بھی ذکر ہے اور سلوک و تصوف کے نکتے سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کیے گئے ہیں جو مولانا تھانوی کا خاصہ ہیں۔ ان اہم مندرجات نے طالبین اور سالکین کے لئے کتاب کو ایک گرانقدر تحفہ کی حیثیت دے دی ہے۔

کتاب کی اہمیت اور افادیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اس کا مقدمہ نثار احمد

فاروقی صاحب نے تحریر کیا ہے اور اپنی تحقیقی روایت کو بر قرار رکھا ہے۔ چنانچہ مقدمہ میں انھوں نے اس کتاب کی ترتیب، اس کی تالیف اور اس کے ماخذ کی مختصر تاریخ و تشریح کے ساتھ ان بہت سے مسائل کا بھی ذکر کر دیا ہے جن میں مولانا امداد اللہ کے خلفاء تشدد برتتے تھے لیکن خود مولانا کا طرزِ عمل ایسا نہیں تھا۔ مثال کے طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے معاشرے میں عرس، سماع، میلاد، نیاز اور تکریم قبور وغیرہ جیسی مروجہ چیزیں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا تھانوی کی نظر میں ناپسندیدہ تھیں، نثار احمد فاروقی صاحب نے بعض امور کے بارے میں وضاحت کر دی ہے۔ کتاب کے مقدمہ کی اہمیت اس لئے بھی ہو گئی ہے کہ اس میں حاجی صاحب کے خاندان کے شجرے کے ساتھ ان کا شجرہ طریقت بھی موجود ہے۔ پھر اس سلسلہ کے بعض بزرگوں اور ان کے مشہور خلفاء کے حالات زندگی بھی دے دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان غیر مطبوعہ خطوط کی عکسی تصویریں، مساجد اور ان کی رہائش گاہوں کی تصاویر بھی موجود ہیں۔ ضمیمے میں مولوی ظہور الحسن راشد صاحب کے قلم سے مولانا امداد اللہ صاحب کے چار اساتذہ یعنی مولانا سید محمد قلندر محدث، مولانا عبد الرزاق جھنجھانوی، مولانا ابو الحسن کاندھلوی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے تذکرے بھی درج ہیں۔ اور مقدمہ میں مذکورہ چند شخصیات پر حاشیے بھی دیے ہیں۔ ہاں مولانا امداد اللہ کی صحیح تاریخ انتقال کے متعلق انھوں نے کچھ نہیں تحریر کیا ہے۔

بیماری اور اس کا روحانی علاج

میر ولی الدین

ندوۃ المصنفین سے میر ولی الدین صاحب کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو فلسفے اور روحانیت و تصوف سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ دونوں ہی ان کے محبوب موضوع ہیں۔ زیر نظر کتاب بیماریوں کے روحانی علاج پر ہے اور الا بذکر الله تطمئن القلوب کی تائید میں ہے۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں، تہذیب و تمدن کی تمام آسائشوں کے باوجود لوگ ایک طرح تنہائی کا شکار ہیں اور طمانیت قلب عنقا ہے جس کا واحد سبب یہ ہے کہ لوگ مادہ پرست ہو گئے ہیں اور بندے اور خدا کا جو تعلق ہے اس میں کمی آگئی ہے ایمان کمزور ہو گیا ہے چنانچہ وہ سکون جو خدا کو یاد کر کے ہوتا ہے لوگ اس سے لذت آشنا نہیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ لوگوں میں خودکشی کا تناسب بڑھتا جا رہا ہے۔ لوگ نشہ آور دوائیں اور مخدرات کا استعمال کرنے لگے ہیں، حالانکہ ان سب کا بہتر علاج خدا سے لو لگانا ہے۔

"بیماری اور اس کا روحانی علاج" اسی موضوع سے بحث کرتی ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جس کا پہلا حصہ "شفا" اور فکر و مراقبہ سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ شفا اور ذکر و دعا پر ہے جس میں آیات قرآنی اور "ادعیہ ماثورہ" سے علاج و شفا کے طریقے بتائے گئے ہیں کہ ان دعاؤں کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ قلبی سکون اور ذہنی طمانیت حاصل ہو سکتی ہے بلکہ امراض کی گرفت اور ان کے نفسیاتی و جسمانی اثرات سے بھی نجات حاصل ہو سکتی ہے، پھر انسان حالات اور افکار و

حوادث کا مقابلہ پامردی سے کر سکتا ہے۔

۲۱۲ صفحات کی یہ کتاب بڑے فائدے والی کتاب ہے۔

تاریخ مشائخ چشت (جلد اول)

خلیق احمد نظامی

یہ کتاب خلیق احمد نظامی صاحب کی مشہور تصانیف میں سے ایک ہے جو ان کی ابتدائی تصانیف میں ہوتے ہوئے بھی اب حوالے کے کام آتی ہے۔ کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر ذاکر صاحب کے قلم سے ہے اور تعارف مشہور مورخ پروفیسر محمد حبیب صاحب نے لکھا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ۸۷۷ صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب میں ۳۶۵ صفحات تمہید کے طور پر ہیں۔ صفحہ ۱ سے ۱۵ تک مصنف کا مقدمہ ہے، پھر "تصوف اسلام پر ایک نظر" کا عنوان قائم کر کے لفظ صوفی کی تشریح کی ہے، تصوف کے ماخذ بتائے ہیں، تصوف کتاب سنت کی روشنی میں اور تصوف اور صوفیاء کا مقصد حیات بتایا ہے (۱) تصوف اسلامی کی تاریخ میں صوفیاء کے تمام طبقات، تصوف مختلف صدیوں میں اور صوفی سلسلوں کی وضاحت کی ہے۔ (۲) اس کے بعد ہندستان میں چشتیہ سلسلہ کی نشو نما بیان کی ہے جس میں اس سلسلے کے صوفیاء کے نام، ان کی خانقاہیں، سترہویں اور سولہویں صدی میں چشتیہ سلسلہ کی حالت، اس کی نشاۃ ثانیہ، مشائخ چشت کا نظام اصلاح و تربیت وغیرہ سے بحث کی گئی ہے جو ص ۳۰۵ پر ختم ہوتی ہے۔ پھر اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان سے مفصل بحث کی گئی ہے جس میں ہندوستان کے

سیاسی حالات، سلاطین وامراء، سکھوں کی تحریک، مرہٹوں کی تحریک، جاٹوں کی تحریک، بیرونی حملے، انگریزوں کا تسلط اور اس ماحول میں مسلمانوں کی حالت بتلائی گئی ہے۔ اقتصادی حالت، معاشرہ اور تمدن اخلاق اور مذہب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس میں ہندو مسلم تعلقات عام مسلمانوں کی دینی زندگی اور شیعہ سنی اختلافات کو بھی لے لیا گیا ہے۔

کتاب کا پہلا باب حضرت شاہ کلیم اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ باب دوم حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی پر ہے، کتاب کا تیسرا باب حضرت فخر الدین دہلوی پر ہے اسی میں میاں کالے صاحب، غلام نظام الدین صاحب وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

باب چہارم خواجہ نور محمد مہاروی کے ذکر سے شروع ہوتا ہے، پانچواں باب شاہ نیاز احمد بریلوی صاحب پر ہے، اسی میں ان کی شاعری کا ذکر ہے، وحدت ادیان اور وحدت وجود پر روشنی ڈالی گئی ہے، مصحفی اور شاہ صاحب کے تعلقات کا ذکر ہے، پھر ان کے خلفاء اور مریدین کا بیان ہے۔

چھٹا باب خواجہ عاقل کے لئے ہے جس میں ان کے حالات کے ساتھ ان سے شاہان مغلیہ کی عقیدت، انکے سجادہ نشینوں کے نام دئے ہیں اور تمام کی تفصیلات دی ہیں۔ کتاب کا آٹھواں باب شاہ محمد سلیمان تونسوی پر ہے جس میں غیر مسلموں سے تعلقات، عیسائی اور شاہ صاحب، نواب بھاولپور، والیان ریاست اور شاہ شجاع وغیرہ کی عقیدت کا ذکر ہے۔

کتاب کا نواں باب حافظ محمد علی خیر آبادی سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں ان سے بہادر شاہ ظفر اور ہندوؤں کی عقیدت بھی بتلائی گئی ہے۔ انگریزوں سے ان کی

نفرت کا بھی ذکر ہے اور واجد علی شاہ کا تذکرہ ہے۔

دسویں باب میں حاجی نجم الدین صاحب کا ذکر ہے اور ان کی مختصر سوانح کے ساتھ ان کے خلفاء کا ذکر کیا گیا ہے۔

گیارھواں باب خواجہ شمس الدین سیالوی پر ہے اس کے آخر میں ان کے خلفاء کا تذکرہ ہے اور پیر سید غلام حیدر علی شاہ صاحب اور پیر مہر علی صاحب (گولڑہ شریف) کا بھی ذکر ہے۔

بارھواں باب خواجہ اللہ بخش تونسوی صاحب کے ذکر سے شروع ہوتا ہے ان کی مختصر تاریخ کے ساتھ دیگر تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں کتاب کے آخر میں صفحہ ۷۲۹ سے ۷۴۵ تک ماخذ کی فہرست ہے اور پھر ۷۴۶ سے ۷۷۸ تک اشاریہ ہے۔

یعنی اس کتاب میں ۸ اویں اور ۹ اویں صدی کے ۱۲ صوفیائے کرام کے حالات آگئے ہیں۔ اس طرح بزرگان چشتیہ پر ایک اہم کتاب سامنے آگئی ہے اس کتاب پر معارف میں ایک مفصل تبصرہ بھی شائع ہوا تھا جس میں اس کتاب کی فروگزاشتوں اور کمزوریوں پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ حوالوں وغیرہ میں جو ثانوی ماخذ استعمال کئے گئے ہیں اور فارسی عبارتوں کے ترجمے میں جہاں جہاں لغزشیں ہوئی ہیں اس کی طرف اشارہ تھا۔

لیکن ان تمام کے باوجود اس کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ مصنف نے جس محنت سے اس علمی سرمایہ کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات

خلیق احمد نظامی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نہ صرف یہ کہ ہندوستانی مسلمانوں کی فکری اور علمی تاریخ میں بلند مقام پر فائض ہیں بلکہ اپنی دینی بصیرت اور عبقریت کی وجہ سے عالم اسلام کی ان ممتاز شخصیات میں ہیں جو عہد ساز کہے جانے کی مستحق ہیں۔ اسلام اور علوم اسلامیہ کے لئے ان کا لامتناہی خلوص ان کے پورے خاندان تک سرایت کر گیا تھا اور جس طرح ان کے خانوادے نے قرآن و حدیث، معاشرتی اصلاح، اصلاح عقائد کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں بہت کم گھرانوں کو اس کا شرف حاصل ہوا ہے۔

زیر نظر کتاب حضرت شاہ صاحب کے ۴۲ فارسی مکتوبات کا مجموعہ ہے جو خلیق احمد نظامی صاحب جیسے لائق اور موزوں ترین محقق کے ترجمے اور مقدمہ کے ساتھ قارئین کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ یہ خطوط اس سے پہلے منظر عام پر نہیں آئے تھے اور جیسا کہ مترجم نے لکھا ہے چاند پور ضلع بجنور کے مولانا مرتضیٰ حسین صاحب مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھے۔ ان خطوط کی دریافت پر مولانا آزاد نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس مجموعہ کا انتساب بھی مولانا آزاد کے نام ہے۔

کتاب کا دیباچہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جس میں نظامی صاحب نے حضرت شاہ صاحب کے طرز فکر کی وضاحت کی ہے کہ کس طرح حضرت شاہ

صاحب کی بہت سی باتوں مین بادی النظر میں تضاد محسوس ہوتا ہے لیکن جب ان کا بنظر غائر مطالعہ کیا جاتا ہے تو وہ تضاد از خود زائل ہو جاتا ہے۔ کتاب شاہ صاحب کے ایک فارسی خط کی فوٹو کاپی سے شروع ہوتی ہے۔ پھر ۴۲ خطوط دئے گئے ہیں اور پھر ان کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

ان خطوط کے مطالعہ سے حضرت شاہ صاحب کی معاملہ فہمی، فراست، ان کی سیاسی بصیرت، قوت مشاہدہ اور مستقبل بینی کی صلاحیت واضح ہوتی ہے۔ مکتوبات کی غرض و غایت اور منشاء و مقصود کو لائق مصنف نے اپنے دیباچہ میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس زمانے کے حالات، زبوں حالی، اس کے عوامل اور اسباب پر ان خطوط سے بہت اچھی طرح روشنی پڑتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ ان خطوط کا لکھنے والا نہ صرف یہ کہ ایک روشن دماغ کا مالک ہے بلکہ اس کے پاس ایک قلب منور بھی ہے جو حال سے مستقبل کو دیکھ لیتا ہے اور آنے والے دن اس کے دل کے آئینے میں اپنا عکس پیش کر دیتے ہیں۔ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ہندوستان کے ماضی کی واپسی کے خواہاں ہیں۔ مقدمہ میں شاہ صاحب کے فکر کا اجمالی خاکہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ بہر حال یہ خطوط اس جاگیر دارانہ دور کی سماجی اور سیاسی بے چینی اس کے معاشی اسباب اور اثرات، سبھی کی بہت اچھی عکاسی کرتے ہیں۔

خواجہ بندہ نواز کا تصوف اور سلوک

ڈاکٹر میر ولی الدین

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب فلسفہ اور تصوف کا بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں جس کا اندازہ ان کی اکثر تصانیف سے ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب بھی ان کے اسی ذوق اور شغف کا نتیجہ ہے۔

یہ کتاب ایک مفصل مقدمہ سے شروع ہوتی ہے جس میں مصنف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ علم طریقت اور معرفت کی حقیقت اور اس کی اہمیت واضح کی جائے اور اس سلسلہ میں صوفیائے کرام اور مشائخ پر جو اعتراضات وقتاً فوقتاً اٹھائے جاتے رہے ہیں ان کا جواب دیا جائے جو صوفیاء اور مشائخ کی تائید و نصرت کرے۔ لیکن وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ مشکل ہے کیونکہ ان کے کچھ دلائل اور انکی تشریحات تشفی بخش نہیں ہیں۔ مثلاً مراقبہ سے متعلق انہوں نے بطور استشہاد جو آیات و احادیث پیش کی ہیں وہ مسئلہ سے تعلق نہیں رکھتی ہیں (۴) اسی طرح مشائخ کے بعض طریق کے بدعت نہ ہونے کا جواب بھی زیادہ واضح نہیں ہے بالکل اسی طرح امام احمد ابن تیمیہ کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ''سبحان اللہ'' کو مرکب کے بجائے مفرد بتانا بھی محل نظر ہے (۵) لیکن ان معمولی فروگذاشتوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے اور انہیں نظر انداز کر دینا بھی چاہیے، تو کتاب اپنی افادیت اور مقصد کے لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے اور وہ لوگ جو تصوف سے دلچسپی رکھتے ہیں نیز مشائخ

اور صوفیائے کرام سے ان کو بہت عقیدت ہے ان کے لئے یہ کتاب یقیناً دلچسپی کا باعث بنے گی۔ صوفیائے کرام کے سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ان کی وجدانیت اور شطحیات وغیرہ حسی چیزیں ہیں اور ہم اگر ان کی سائنسی توجیہ کرنا چاہیں تو فی الحال ہمارے پاس اس کے لئے اتنے ترقی یافتہ وسائل، آلات اور ساز و سامان نہیں ہیں کہ ان کی وضاحت ممکن ہو سکے۔

بہر حال میر ولی الدین صاحب کی یہ کوشش اپنی جگہ قابل تعریف ہے لیکن کتاب کا اصل موضوع حضرت خواجہ بندہ نواز کی شخصیت ہے جو خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلفاء میں سے تھے۔ مصنف نے ان کے تصوف کو بڑے پرکشش انداز میں پیش کیا ہے اور ان کے کمالات اور ان کی زندگی پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور کتاب و سنت کی روشنی میں، معرفت الٰہی، عشق الٰہی، ذکر و فکر اور رابطہ شیخ پر دلکش پیرائے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

رموز عشق

ڈاکٹر میر ولی الدین

"عشق" جیسے دریائے بے کنار کو ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے ۲۰۸ صفحات میں بند کر دیا ہے۔ کتاب اسی جذبہ عشق و محبت کی تفصیل و تفسیر ہے جو کتاب کے درج ذیل ۶ ابواب پر مشتمل ہے (۱) محبت یا عشق کی حقیقت (۲) اسباب محبت (۳) عشق حقیقی اور دلائل شرعیہ (۴) عشق اور صوفیہ وجودیہ (۵) عشق مجازی اور (۶) چھٹا باب آثار و ثمرات عشق پر ہے۔

مصنف نے خود فلسفہ کے آدمی ہیں اس لئے انہوں نے بڑے عارفانہ انداز میں عشق و محبت کی حقیقت، اس کی ماہیت، اسکے اسرار و رموز، اس کی کیفیات، اس کے مدارج اور اس کی علامات اور اسباب بیان کئے ہیں۔ اسی طرح عشق حقیقی کے بیان میں اس کی دینی حیثیت سے بحث کی ہے اور اپنی بات کی تائید و تصدیق کے لئے قرآن کی آیات، احادیث اور صوفیائے کرام کے اقوال دئے ہیں۔ مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ جذبۂ محبت ہی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور چونکہ انسان کسی سے محبت چار وجوہات کی بنا پر کرتا ہے (۱) احسان (۲) کمال (۳) حسن (۴) ہم آہنگی، لیکن کسی انسان میں ان چاروں چیزوں کی بیک وقت موجودگی ناممکن ہے لہذا اس محبت کا صحیح حقدار خدا ہے، اس کے علاوہ کسی بھی محبت میں رفعت نہیں ہوتی۔ ایک اسی کی محبت ہے جو انسان کی خودی اور خودداری کو بلند کرتی ہے ورنہ دوسری محبتوں میں خوف، اندیشے، رسوائی، نقصان ہر چیز کا خوف رہتا ہے۔

عشق مجازی کی تفصیل بھی دی گئی ہے اس کی حقیقت اور اس کی اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب میں بار بار صوفیا کے نام آئے ہیں اور ان کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، ساتھ ہی حواشی بھی دے دئے ہیں جن میں مختصر انداز میں ان کے متعلق معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔

موضوع چونکہ خالص وجدانی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ ایسے جذبات و احساسات کے بیان میں الفاظ ناکام ہو جاتے ہیں اس لئے کہیں کہیں اشکال نظر

آتا ہے لیکن مجموعی طور پر مصنف نے اپنی بات دلنشیں انداز میں واضح کی ہے۔ اردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں تھی، مصنف کی یہ کتاب اس کمی کو پورا کرتی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ جو اس تجربہ سے گزرا ہو وہی اس کتاب سے لطف اندوز ہوسکتا ہے دوسرا کوئی اور ان نازک احساسات کا ادراک نہیں کرسکتا۔

مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط

ترتیب و ترجمہ: ڈاکٹر خلیق انجم

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — وہی تو شہر میں قاتل رہا ہے

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے — اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

جیسے اشعار کے خالق مرزا مظہر جان جاناں اپنی شعری صلاحیتوں کے ساتھ اپنے روحانی مرتبہ کی وجہ سے زیادہ جانے جاتے ہیں۔ وہ اٹھارہویں صدی کے سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور صوفیوں میں سے ہیں۔

مکتبہ مجتبائی کی شائع کردہ کلمات طیبات میں بھی ان کے خطوط ہیں۔ زیر نظر مجموعہ ڈاکٹر خلیق انجم صاحب نے اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے اور وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ۳۱۰ صفحات کی کتاب میں پہلے تو مرزا صاحب کی سوانح بیان کی گئی ہے (٦) جس میں ان کی شہادت، تاریخ وفات، مرزا صاحب کا مزار، ان کی وصیت اور مرزا صاحب کے تصوف پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان کی خطوط نویسی پر تبصرہ ہے (٧)۔ شروع کے ۲۲ خطوط کے مکتوب الیہ کا نام نہیں دیا گیا یہاں خطوط بنام نامعلوم کا عنوان دیا گیا ہے (٨) پھر ۴۲ ان لوگوں کے نام دیے

گئے ہیں جن کو یہ خطو لکھے گئے ہیں۔ اس طرح ۹۱ خطوط ترجمے کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ یہ خطوط بڑی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان سے اس عہد کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، نیز یہ بھی علم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب حکومت وقت کی سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔

ان کا ایک خط مکتوب چہار دہم (خط نمبر ۱۴) ہے جو بہت اجتہادی اہمیت کا حامل ہے۔ مرزا صاحب نے اس خط میں ہندوؤں کے عقائد سے بحث کی ہے جسکو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دیگر مذاہب اور بالخصوص ہندومت سے بھی واقف تھے۔ یہ واقفیت صوفیہ کی وسعت نظر اور وسیع القلبی کی آئینہ دار ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عام علماء کی طرح ہندوؤں کے بارے میں متشددانہ رائے نہیں رکھتے تھے۔

خلیق انجم صاحب کا ترجمہ رواں ہے اور خطوط طبع زاد لگتے ہیں، ہاں جہاں جہاں تصوف کے مسائل کا ترجمہ ہوا ہے وہاں انکی زبان ثقیل اور بوجھل ہو جاتی ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے افکار و خیالات اور خود ان کی شخصیت کو سمجھنے میں ان خطوط سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ کتاب کے آخر میں شخصیات سے متعلق توضیحی نوٹس ہیں اور اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

مرقومات امدادیہ

مرتبہ : نثار احمد فاروقی

۶۱ مکتوبات پر مشتمل یہ مجموعہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ نے مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا یعقوب نانوتوی اور حاجی عابد حسین اور حکیم ضیاء الدین رامپوری صاحبان جیسے مریدین اور خلفاء کو لکھے تھے۔ یہ خطوط ۱۹۲۹ء میں اس سے پہلے شائع ہو چکے تھے ان خطوط میں سلوک و تصوف اور معارف و حقائق کو موضوع بنایا گیا تھا۔ خطوط فارسی میں لکھے گئے تھے اس وقت اس کتاب کے توضیحی حواشی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے قلم سے لکھے گئے تھے، خطوط میں کچھ وضاحت طلب واقعات بھی تھے جن کا پس منظر بتانا ضروری تھا۔ ایسے ہی کچھ اور اشخاص کے نام بھی آ گئے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے لئے یہ خدمت مولانا سعید الدین رامپوری نے انجام دیں اور تمام واقعات کی تفصیل، شخصیات کے مختصر بیان کے ساتھ مہیا کیں، خطوط چونکہ فارسی میں تھے اسلئے ان کے ترجمہ کے لئے حضرت مولانا کی نظر انتخاب مولانا عبدالحئی سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد پر پڑی جنہوں نے اس فرض کو بخیر و خوبی انجام دیا۔

یہ مجموعہ کمیاب ہو تا جا رہا تھا جب کہ اس کی افادیت کا تقاضہ تھا کہ اسے مزید تشریح و توضیح کے ساتھ از سر نو شائع کیا جائے۔ ندوۃ المصنفین نے اس کام کے لئے نہایت موزوں اور مناسب شخصیت نثار احمد فاروقی صاحب کا انتخاب کیا۔

فاروقی صاحب نے ۴۰ صفحات کے گرانقدر مقدمے کے ساتھ اس کتاب کی افادیت میں اضافے کی غرض سے، مولانا امداد اللہ مہاجر مکی کی مختصر سوانح بھی تحریر کی، ساتھ ہی جہاں جہاں واقعات اور روایات میں ان کو کوئی سقم نظر آیا یا غلط بیانی کا شبہ ہوا، انہوں نے اس کی تصحیح بھی کر دی ہے۔

جیسا کہ فاضل مقدمہ نگار کا خیال ہے، یہ مجموعہ خاص طور سے متوسلین سلسلہ چشتیہ صابریہ امدادیہ کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو تصوف سے دلچسپی رکھتے ہیں اور معرفت و طریقت کو سمجھنا چاہتے ہیں، یہ کتاب ان کے لئے بہت مفید ہے۔ فارسی مکتوبات کا اردو ترجمہ بھی صاف اور رواں ہے اور تصوف و معرفت کو سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں ہوتا، نثار احمد فاروقی صاحب کے مقدمے نے اس کی افادیت اور بڑھادی ہے نیز مولانا امداد اللہ مہاجر مکی کی سوانح حیات سے جو لوگ ناواقف تھے اب ان کے لئے یہ آسانی بھی فراہم ہو گئی کہ وہ اس کتاب کے ذریعہ مختصر طور پر ہی سہی ان کی زندگی اور انکے اثرات سے واقف ہو جائیں۔

کتاب کے آخر میں چند صفحات انڈیکس اور فہرست کے لئے بھی مخصوص رکھے گئے ہیں۔

قرآن اور تصوف

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین

میر ولی الدین اپنے فلسفیانہ اور صوفیانہ ذوق کے لئے جانی پہچانی شخصیت ہیں اور ان موضوعات پر پہلے بھی لکھتے رہے ہیں۔ موجودہ کتاب ان کے اسی قسم کے

موضوعات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے اسلام کے حقیقی تصورات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی تصورات صوفیائے کرام نے بھی پیش کی ہیں۔ شروع میں مصنف نے لفظ صوفی کی تاریخ سے بحث کی ہے جس کے لئے انہوں نے امام قشیری کے بیان سے استدلال پیش کیا ہے۔

آگے چل کر مصنف نے حقیقت تصوف کی تفسیر کے لئے اکابر صوفیاء کے اقوال و تعبیرات پیش کی ہیں، پھر انہوں نے قرآن و سنت سے بھی انہیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور عبادت واستعانت، قرب ومعیت، خیر وشر اور یافت و شہود کے موضوعات سے بحث کی ہے اور زمانہ حال کا خیال کرتے ہوئے انہیں منطقی ترتیب اور فلسفیانہ طرز استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ "یہ تصنیف جدید علم کلام کے سلسلہ کی ایک اچھی کڑی کہی جاسکتی ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی یونانی فلسفہ کے سوال وجواب پر ہونے کے بجائے کتاب و سنت کے حقائق پر رکھی گئی ہے۔" انہوں نے اس کتاب میں دکھایا ہے کہ "جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت و عشق کا جذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، تب وہ اس دنیا میں رہ کر جنت الفردوس میں داخل ہو جاتا ہے اور اپنی عبدیت کی تحقیق کے ساتھ ہی وہ جنت ذات میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر وقت چشمہ قرب سے محبت میں سرشار رہتا ہے۔ (۹)

وحدۃالوجود

مترجم: مولانا زید فاروقی

مسئلہ وحدۃالوجود پر یہ کتاب علامہ عبدالعلی انصاری کی "وحدۃالوجود" کا اردو ترجمہ ہے جو فارسی سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ مولانا ابوزید فاروقی صاحب کے قلم سے ہے جو اپنے علمی ذوق کے لئے شہرت رکھتے تھے۔

کتاب کے عنوانات پر نظر ڈالئے تو یہ عنوانات نظر آتے ہیں: وجود ماسوی اللہ، اللہ کا مشبہ و منزہ ہونا، اللہ کا ذاتی اسمائی و صفاتی کمال، تاویلات اشعریہ، تنزیہیہ و تشبیہیہ کا بیان۔ وحدۃالوجود کی مخالفت اور متکلمین کا رویہ۔ ۱۳۶ صفحات کے اس رسالہ میں مولانا ابوزید فاروقی صاحب نے حاشیے بھی دئے ہیں اور جا بجا حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب کا حوالہ بھی دیا ہے اور تحقیقی انداز اختیار کرتے ہوئے ان مکاتیب کے نمبر بھی دے دیے ہیں۔ مختصراً شیخ اکبر کا جو نظریہ تھا اس کا بھی ذکر کر دیا ہے جس کی اصل غرض یہ تھی کہ دونوں بزرگوں کے درمیان جو اہم اور بنیادی اختلافات ہیں انکو واضح کر دیا جائے۔ مترجم کی رائے میں شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے جو اختلافات ہیں وہ اصولی ہیں، چنانچہ ان کو مولانا نے تین نکتوں میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ۔

۱۔ شیخ اکبر صرف ایک وجود کے قائل ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات واجب الوجود ہے، وہ قادر مطلق ہے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ "اللہ کے لئے مرتبہ ذات میں غنا" ثابت ہے اور مرتبہ صفات و افعال میں غنا ثابت

نہیں ہے بلکہ وہ ممکنات کا محتاج ہے کیونکہ موضوعات کے بغیر صفات کا ظہور نہیں ہوتا جبکہ حضرت مجدد الف ثانی یہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہمہ وقت اور ہر حال میں غنی ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ مخلوق اس کی محتاج ہے۔ شیخ اکبر کے خیال میں ولایت کا اعلیٰ مقام بحر وحدت میں غوطہ لگانا ہے اور در توحید وجودی کو حاصل کرنا ہے جبکہ حضرت مجدد کے بقول "توحید وجودی مقام یک بینی ہے جو سکر و مدہوشی کا مقام ہے"۔

کتاب کا موضوع پیچیدہ اور نازک ہے۔ مترجم نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اس نازک مسئلہ کو عام فہم بنا کر پیش کر دیں۔ انہیں اس سلسلہ میں خاطر خواہ کامیابی بھی ملی ہے۔ کتاب توحید باری تعالیٰ پر ایمان کو مزید استحکام عطا کرتی ہے لیکن یہ کتاب یا رسالہ عام قاری کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان نازک مسئلوں کو گرفت میں لا سکتا ہے۔ اس کا اصل فائدہ علماء اور اس میدان میں دلچسپی رکھنے والوں کو پہنچے گا اور یہ ترجمہ اسی لئے کیا گیا ہے۔

تصوف پر برہان میں شائع ہونے والے مضامین

	عنوان	مصنف	تاریخ
۱۔	موسیقی اور روحانیت	ابوالنصر امروہوی	اگست ۱۹۳۸ء
۲۔	سائنس اور الوہیت	عقیل احمد	اکتوبر ۱۹۳۸ء
۳۔	توحید الوہیت	ڈاکٹر میر ولی الدین	ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۴۵ء
۴۔	حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی مکتوبات کے آئینے میں	خلیق احمد نظامی	اکتوبر ۱۹۴۶ء
۵۔	حضرت شاہ فخر الدین دہلوی	ایضا	فروری ۱۹۴۷ء
۶۔	حقیقت تصوف	قطب الدین احمد	جولائی ۱۹۵۴ء
۷۔	اسلامی تصوف کی نشاو نما	گوپی چند نارنگ	جولائی ۱۹۵۶ء
۸۔	جوگ بشٹ	ابو ظفر ندوی	مارچ، اپریل ۱۹۵۸ء،
۹۔	مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط	خلیق انجم	اکتوبر، نومبر دسمبر ۱۹۶۰ء، جنوری، فروری، مارچ، اپریل ۱۹۶۱ء
۱۰۔	جواہر خمسہ	محمد مسعود احمد	اپریل ۱۹۶۲ء
۱۱۔	حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	خلیق احمد نظامی	جون ۱۹۷۰ء
۱۲۔	شاہ ولایت کا نسب نامہ	سخی حسن	جنوری ۱۹۷۱ء
۱۳۔	حضرت نظام الدین اولیاء	ڈاکٹر نثار احمد فاروقی	ستمبر ۱۹۷۸ء
۱۴۔	حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ تاریخ کی روشنی میں	ایضا	دسمبر، ۱۹۷۸ء، جنوری ۱۹۷۹ء
۱۵۔	دکن میں چشتیہ سلسلہ کی ابتداء اور فروغ	سلمان صدیقی	ستمبر ۱۹۷۹ء

۱۶۔ وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام فضل الرحمٰن نومبر، دسمبر ۱۹۸۱ء

۱۷۔ حضرت نظام الدین اولیاء اور ہندوستانی سماج پر ان کے روحانی اثرات

محی الدین اظہر نومبر ۱۹۸۲ء

۱۸۔ اسلامی تصوف کا ارتقاء عبدالمبین نومبر ۱۹۹۰ء

حوالہ و حواشی تصوف کے باب میں

۱۔ نظامی خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، جلد ۱، صفحہ ۱۶ تا ۶۲، ۱۹۵۳ء ندوۃ المصنفین، دہلی

۲۔ ایضا ایضا صفحہ ۶۳ تا ۱۳۴، ایضا ایضا

۳۔ معارف نمبر ۶ جلد ۴۷، صفحہ ۴۶۳ تا ۴۷۴، ۱۹۵۲ء اعظم گڑھ

۴۔ معارف نومبر، ۱۹۶۵ء اعظم گڑھ

۵۔ معارف، فروری، ۱۹۴۷ء جلد ۵۹ اعظم گڑھ

۶۔ انجم خلیق احمد، مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، صفحہ ۷ تا ۷۷، ندوۃ المصنفین۔ دہلی

۷۔ ایضا ایضا صفحہ ۷۷ تا ۹۴ ایضا

۸۔ ایضا ایضا صفحہ ۹۵ تا ۱۰۴ ایضا

۹۔ معارف، فروری ۱۹۴۷ء، جلد ۵۹، اعظم گڑھ

دیگر علوم اسلامی کے میدان میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

تفسیر، حدیث اور تاریخ پر مہتم بالشان کتابوں سے قطع نظر ندوۃ المصنفین نے علوم اسلامیہ سے متعلق دیگر موضوعات پر بھی قابل ذکر کتابیں شائع کی ہیں اور ہر موضوع پر ادارہ کی اپنی انفرادیت اور شناخت کو برقرار رکھا ہے۔ ان موضوعات میں بعض ایسی کتابیں ہیں جو اسی موضوع پر دیگر اداروں مصنفوں اور علماء کی تصانیف کا سلسلہ بنیں۔

اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بعض ایسی کتابیں بھی منظر عام پر آئیں جن پر ہمارے علماء نے بہت کم لکھا تھا۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب مولانا حفظ الرحمٰن کی ''اسلام کا اقتصادی نظام'' تھی۔ یہ ایسا موضوع تھا جس پر ہمارے علماء نے بہت کم توجہ دی تھی لیکن اس کتاب نے ثابت کردیا کہ منبر و محراب کو رونق دینے والے اقتصادیات اور معاشیات جیسے موضوعات کو بھی اہم سمجھتے ہیں اور اس سلسلہ میں اسلام نے جو اصول بتائے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر موجودہ زمانہ کی اقصادی بدحالی اور کساد بازاری پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ کم و بیش یہی حال ''اسلام کا زرعی نظام'' کا بھی ہے، دونوں ہی کتابون میں قدیم و جدید کا امتزاج برقرار رکھا گیا ہے۔ ''اسلام کا نظام مساجد'' اپنے موضوع پر بالکل نئی کتاب تھی مسجد ایک ادارہ، ایک تربیت گاہ اور سماجی اہمیت کی بھی حامل عمارت ہو سکتی ہے۔ مساجد کے نظام پر اسلام مین ہمیشہ سے خاص توجہ دی گئی ہے اس طویل تاریخ کو اس کتاب

میں موضوع بنایا گیا ہے۔

"اسلام کا نظام حکومت" معلومات سے پر ایک کتاب ہے جسے پڑھ کر اسلامی نظام کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس موضوع پر مزید روشنی "مسلمانوں کا نظم مملکت" سے پڑتی ہے۔ "اسلام کا نظام عفت و عصمت" میں اس سلسلہ کے تمام مسائل کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے یہ معلومات متفرق جگہوں پر تھیں۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت مولانا مناظر احسن گیلانی کی دیگر کتابوں کی خصوصیات کی حامل ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کو کیا درجہ حاصل تھا، اس کتاب میں عہد بعہد اس کے ارتقائی مدارج کی تفصیل درج کر دی گئی ہے۔ "اسلام میں عروج و زوال کا الٰہی نظام" "اسلام میں غلامی کی حقیقت" اپنے موضوع پر اہم اور معلومات افزا کتابیں ہیں جو مولانا اکبر آبادی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

فلسفہ کے باب کی اہم کتابیں اخلاق و فلسفہ اخلاق اور امام غزالی کا فلسفہ مذہب اخلاق ہیں۔ اس سلسلہ کی دوسری کتاب سیاسیات پر ہے جس میں اسلام کے سیاسی نظریات و افکار کو جمع کر دیا گیا ہے ابن بطوطہ کے سفرنامے کی تلخیص ضروری تھی، کیونکہ طویل طویل بیانات کہیں کہیں غیر دلچسپ ہو گئے تھے۔ "مسلمانوں کی بحری سرگرمیاں" اپنے موضوع پر معلومات کے ایک خزانے کی طرح ہے جس میں فن ملاحی سے متعلق تمام جزئیات کو تشریح کے ساتھ اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

"دیگر علوم" میں سب سے اہم کتابیں وہ ہیں جو فقہ، تدوین فقہ کی تشکیل جدید، اجتہاد اور فقہ کو رواں دواں اور زندگی کی ہم رفتار و ہمسفر بنانے سے متعلق ہیں۔ یہ کتابیں تقی امینی صاحب کی ہیں اور ہم سب ان کی مقبولیت سے بھی بخوبی

واقف ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود کی فقہ ایک تحقیقی کام ہے اور اچھی کوشش ہے تہذیب کی تشکیل جدید ایک خاص نقطہ نظر کی حامل ہے اور ہم اس پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ میر کی آپ بیتی، نثار احمد فاروقی صاحب کی اولین مشہور کتابوں میں ہے اور علمی وادبی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

(i) فقہ کے میدان میں خدمات

احکام شرعیہ میں حالت وزمانہ کی رعایت

مولانا تقی امینی

مولانا تقی امینی صاحب کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے تقریباً اہم اور تازہ ترین موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب بھی ان کی اہم اور تازہ ترین موضوعات کی تصنیف میں شمار کی جاسکتی ہے۔ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں کہ: "معاشرہ کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، تبدیلی کبھی معمولی ہوتی ہے اور کبھی ہمہ گیر" اور "کیونکہ معاشرہ شریعت سازی (قانون) کی بنیاد ہے اور احوال ومصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں، جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکام شرعیہ کی شکل وصورت بدلے گی اور جب احوال ومصالح باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہو جائے گی۔"(۱) مولانا نے اپنی اسی بات کی تشریح کے لئے یہ کتاب تحریر کی ہے۔

کتاب مقدمہ کے بعد تین ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں قرآن مجید سے، دوسرے باب میں حدیث نبویؐ سے، تیسرے باب میں صحابۂ کرام اور شیخین کے تعامل سے احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کے دلائل مہیا کئے ہیں اور انھوں نے ثابت کیا ہے کہ ہر شریعت میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس زمانہ کے لوگوں کے مزاج، ان کے طبائع اور حالات کو مد نظر رکھا گیا ہے اور اس کے مطابق شریعت عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ جب تک دین کی تکمیل نہیں ہوئی اور انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، شرعی قوانین ایک خاص دور کے لئے ہوا کرتے تھے اور جب زمانہ بدلتا تھا اور حالات بدل جاتے تھے اور نئے پیغمبر تبدیل شدہ حالات کے مطابق نئی شریعت لاتے تھے۔ جب دین مکمل ہو گیا اور آخری کتاب ہدایت (قرآن) دے دی گئی تو اس میں ایسی جامع دفعات رکھی گئیں جو مستقبل کے حالات و مسائل میں بھی رہنمائی کرتی رہیں۔ اس کی گواہ خود عربوں کی تاریخ ہے لیکن بقول مصنف "معاشرہ میں جب توانائی ہوتی ہے اور رہنماؤں میں صلاحیت کے ساتھ ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے تو ترتیب و تدوین کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے لیکن جب معاشرہ کمزور و ناتواں ہوتا ہے اور رہنماؤں میں بحیثیت مجموعی و قومی و ملی مفاد کا شدید احساس نہیں ہوتا یا ذاتی و گروہی اقتدار کے تحفظ کی زیادہ فکر ہوتی ہے تو مذکورہ کام میں بڑی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔" (۲)

اپنی بات کی تائید کے لئے تقی امینی صاحب نے پہلے اسلام کے اصل سرچشمہ یعنی قرآن کا سہارا لیا ہے کہ کس طرح مختلف حالات میں آیات قرآنی کے طریق نزول، طریق نفاذ اور انداز بیان سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

قرآن کے بعد احادیث و سیرتِ طیبہ سے حالات و زمانہ کی رعایت کے ثبوت پیش کئے ہیں اور کئی واقعات تحریر کئے ہین جن میں آنحضورؐ نے حالات کی رعایت کی۔ اسی طرح قطعِ ید کی سزا کے لئے آنحضورؐ نے میدان جنگ میں ممانعت کی۔ (۳) اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مثالیں پیش کی ہیں۔

مولانا کی اس بات میں بڑا وزن اور ویژن ہے کہ "یہ سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے، دنیا کی کوئی قوم اس سے صرف نظر نہیں کر سکتی۔ جو اخلاقی تنظیم کے ساتھ اس کی صلاحیت پیدا کرے گی، وہی موجودہ دنیا کی قیادت وسیادت کی مستحق ہوگی۔ اگر اسلام ایک نظامِ حیات ہے جس میں ہر دور کی رہنمائی موجود ہے تو حالات و زمانہ کی رعایت سے احکام کے موقع و محل کا تعین لازمی ہے قیام بقا کے لئے زندگی کی نئی راہوں سے واقفیت ناگزیر ہے۔ اگر زندہ رہنا ہے تو احکام کے موقع و محل کی تعین کر کے اسلام کی روح اور تعلیمات کو جدید تنظیمات میں بھرنا ہوگا۔" (۴)

مولانا تقی امینی صاحب نے اپنی مثالوں کا دائرہ حضرت عمرؓ کے دور تک رکھا ہے حالانکہ اس کو، عہد بنی امیہ اور عباسیہ تک بڑھا کر ایسی بیش از مثالیں پیش کرنی تھیں جہاں فقہاء نے اجتہادی قدم اٹھائے اور حالات و زمانہ کی رعایت کر کے معاشرہ کو آگے بڑھنے اور اس کی ترقی میں مدد دی۔

کتاب پڑھنے والے کے ذہن کے لئے نئی راہیں اور نئی جہتیں کھولتی ہے، اور مستقبل کے لئے راہ ہموار کرتی ہے جس کا طریقہ صرف ۳۳۸ صفحات میں بیان کردیا گیا ہے۔

تاریخ علم فقہ

مولانا عمیم الاحسان مجددی

فقہ کے موضوع پر شیخ الخضری کی " تاریخ التشریع الاسلامی" بڑی مشہور کتاب تھی ، ہندوستان کے بعض علماء نے اس کے ترجمے بھی کئے ، دارالمصنفین سے بھی اس کا ترجمہ مولانا عبد السلام ندوی مرحوم کے قلم سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب نے بھی کافی مقبولیت حاصل کی تھی۔

مولانا عمیم الاحسان صاحب کی کتاب "تاریخ علم فقہ "اس کا ترجمہ تو نہیں ہے لیکن خضری کی تاریخ "التشریع الاسلامی" سے استفادہ بہت واضح طور پر نظر آتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسی کو سامنے رکھ کر تاریخ فقہ بھی لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی علم فقہ کی ایک تاریخ ہے جس میں فقہ کی ضرورت، اس کے مصادر و ماخذ، صدر اسلام اور عہد صحابہ و تابعین ہیں۔ اس کا تدریجی ارتقاء ، اصحاب فقہ، اصحاب فتاوی، فن فقہ کی باقاعدہ تدوین، علم فقہ کے مختلف ادوار، اس کے ائمہ کون تھے، ان ائمہ کے اکابر تلامذہ، ان کے مذاہب و مدارس فقہ، ان کی خصوصیات، ان کی مشہور کتابیں، تقلید کا دور اس کی ابتداء، اجتہاد اور اس کا زوال، تقلید کے عروج اور اجتہاد کے زوال کے اسباب وغیرہ جیسے موضوعات پر اختصار کے ساتھ جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ائمہ اربعہ کے حالات پر تفصیل کیساتھ اور امام ابو حنیفہ پر تخصیص کے ساتھ توجہ دی گئی ہے۔

بہر حال یہ کتاب فقہ کے موضوع کا پورا پورا احاطہ کرتی ہے۔ خضری کی

"تاریخ التشریع الاسلامی" ہی پر اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کتاب میں اس پر جا بجا اضافے بھی ملتے ہیں۔ یہ کتاب علم فقہ کے ارتقاء کو سمجھنے میں کافی مدد دے سکتی ہے اور ان طلباء کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے جو فقہ کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ کتاب ۳۳۶ صفحات میں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فقہ

محترمہ حنیفہ رضی

یہ ڈاکٹریٹ کا ایک مقالہ ہے محترمہ حنیفہ رضی صاحبہ نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے زیر نگرانی ترتیب دیا ہے۔ مقالہ ایک اہم شخصیت پر ہے اور اس شخصیت پر بہت کام ہوا تھا اسلئے مقالہ کی افادیت بھی واضح ہے کیونکہ فقہ حنفی کا سارا دارو مدار حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ پر ہی ہے۔ مقالے کو ۵ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کی مکمل سوانح حیات دی گئی ہے۔ اس کے بعد ان کی علمی و مذہبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرے حصہ میں ان کے خطبات اور اقوال سے بحث کی گئی ہے اور ان کے ادبی محاسن نمایاں کیے گئے ہیں۔ چوتھے حصہ میں ان اعتراضات کے جواب دئے گئے ہیں جو حضرت عبداللہ ابن مسعود پر کیے جاتے رہے ہیں۔ پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی فقہ اور ان کے فتاویٰ کی تمہید ہے۔ ان فتاویٰ اور ان کی فقہ سے بحث کتاب کی اگلی جلد میں کی گئی ہے۔ پھر بھی اس تمہید میں قیاس اور اجتہاد کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ مرتبہ نے بڑی تحقیقی کاوش سے یہ کتاب ترتیب دی

ہے، اس کی داد دینی چاہیے ورنہ اکثر موضوعات پر پہلے بھی بہت لکھا جا چکا ہے۔

فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر

مولانا تقی امینی

یہ کتاب ندوۃ المصنفین اور مولانا تقی امینی، دونوں کی مشہور کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ مولانا "فقہ اسلامی" کے تمام متعلقات پر عبور رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ان کو اس موضوع اور میدان یعنی "مسلم معاشرہ" دونوں کے مفاد کا بھی خیال رہتا تھا، ان کی کتابیں بہت فکر انگیز اور خلوص پر مبنی ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس کتاب نے بھی بہت سے سوال اٹھائے ہیں۔

کتاب کی ابتدا "فقہ" کی لغوی اور معنوی تشریح و تفسیر سے شروع ہوتی ہے۔ پھر اس کے تدریجی ارتقاء کی تاریخ دی گئی ہے۔ فقہ کے مصادر و ماخذ، اصول، اور فقہاء کے اختلافات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کو ۶ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اس کے اہم باب، باب سوئم اور چہارم ہیں۔ باب سوئم میں فقہ کے بارہ ماخذ سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، استصلاح، استدلال، قدیم شریعتیں۔ تعامل، مسلمہ شخصیات کی آراء اور عرف و رواج وغیرہ سے بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ باب چہارم میں ان اصول اور کلیّوں کا بیان ہے جن کی مدد فقہاء نے تدوین فقہ میں لی ہے جیسے "مشقت"، "ضرر"، "حرج" عذر اور ضرورت وغیرہ۔

اس کتاب کی تصنیف سے ان کا مقصد تدوین فقہ کی تاریخ مرتب کرنا نہیں

ہے بلکہ اصل مقصد ہے اس جمود کو توڑنا جس نے پوری امت کو صرف ایک مقلد بنادیا ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ یہ تقلید اور جمود پھیل کر ہماری ملی زندگی کے ہر گوشے پر چھا گیا ہے۔ اب فقہاء کے سامنے اصل مسئلہ یہ ہے کہ بدلتے ہوئے حالات اور فقہ میں مطابقت کیسے کی جائے اور فقہ اسلامی کی جدید تشکیل کیسے ہو جبکہ اجتہاد کے دروازے بند کئے جا چکے ہیں۔ مولانا اس بات کے قائل اور حامی ہیں کہ ہمیں یہ اصلاحی قدم اٹھانا پڑے گا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جدید تدوین کا کام اجتہاد کے بغیر نہیں انجام دیا جا سکتا لیکن آج جو لوگ اجتہاد کے لئے آواز اٹھاتے ہیں، وہ اس کی قیود و شرائط سے ناواقف ہیں اور جو واقف ہیں وہ اجتہاد پر آمادہ نہیں ہیں۔ لیکن مولانا کا کہنا ہے کہ فقہاء نے اجتہاد کے لئے کافی سامان فراہم کر دیا ہے، اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں، کام کا اندازہ اور طریقہ بتایا ہے، کام کر کے دکھایا ہے، یہ سب ایک مرتب اور مدون شکل میں موجود ہے، اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بسی کیا ہوگی کہ اس ذخیرے سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اس کی اہمیت کو محسوس نہ کریں۔" پھر انہوں نے اس ذخیرہ سے واقف ہونے اور اس سے استفادہ کے طریقے بتائے ہیں اور ائمہ نے اجتہاد کے لئے جو طریقے اپنائے تھے ان کی مثالیں دی ہیں۔

کتاب اپنے موضوع پر بہت مکمل کتاب ہے اور طلباء و مصلحین سب کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ فقہ کوئی جامد چیز نہیں ہے بلکہ زندگی اور زمانہ سے مطابقت کے لئے اس میں بہت لچک اور گنجائش موجود ہے۔ ہاں اس بات کو سمجھنے کے لئے بھی قرآن و سنت اور عہد نبوی کے سیاسی، معاشرتی

اور معاشی حالات کی تفہیم ضروری ہے کیونکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ "کیونکہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی گہرائیوں کو سمجھنا چاہو تو پہلے امی عربوں کے حالات کی تحقیق کرو جن میں رسول اللہ مبعوث ہوئے تھے۔ وہ ہی آپ کی شریعت کا تشریعی مادہ ہیں۔ اس کے بعد آپ کی اصلاح کی کیفیت کو سمجھو۔" (۵)

آخر میں مولانا نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ اتنا بڑا اقدم اٹھالینا بہت آسان نہیں ہے۔ جدید تشکیل فقہ کے لئے حالات سازگار بنانے ہوں گے کیونکہ "مسلم قوم میں ابھی اس درجہ کے ضبط کی صلاحیت نہیں پیدا ہو سکی کہ وہ قانونی جزئیات و فروع میں آفاقیت کے تصور کو جذب کر سکے۔" (۶)

لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر

مولانا محمد تقی امینی

موجودہ دور کی لامذہبیت جن افکار و نظریات کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے، اس کتاب میں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے موضوع کے لئے بڑے وسیع مطالعے کی ضرورت تھی، ایسا مطالعہ جب یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے انقلاب روس اور مارکسزم تک احاطہ کرے۔ چنانچہ مولانا نے اس پورے عرصہ کا احاطہ کیا اور اس سلسلہ میں جتنے افکار، نظریات پیش کئے گئے ہیں، سب کا جائزہ لیا اور اس میں میکاولی کے نظریہ وطنیت، ڈارون کے نظریہ ارتقاء، میگڈول کا نظریہ جبلیت، فرائڈ کے نظریہ لاشعور اور مارکسزم سبھی کو اپنے مطالعے اور جائزے میں شامل کیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ ان تمام کا اصل نشانہ مذہب تھا وہی شکار ہوا، پھر مذہب کی گرفت

کمزور پڑنے سے تمام مسائل پیدا ہوئے اور تمدنی و معاشرتی اشکالات ظہور میں آئے اور وسائل کی فراوانی کے باوجود انسانیت مجروح ہو گئی۔ مولانا نے یہ تنقید اسلام کے اس تصور کی روشنی میں کی ہے جو اس نے انسان اور انسانیت کے بارے میں پیش کیا ہے اور ان نظریات و افکار کے جائزے کے لئے، ان کی تنقید تنقیص اور پرکھ کے لئے کوئی معروضی طریقہ کار نہیں اپنایا ہے تاکہ اس طرح ان فلسفوں کی علمی صحت یا عدم صحت پر غیر جانبدارانہ طور پر روشنی ڈالی جا سکتی۔

خود ان کے نظریات کے پیش کرنے والوں کی مخالفت جس طرح برگساں، وغیرہ نے کی یا ٹیپین اور براؤننگ نے جو احتجاج کیا وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے جو نہ تو ان نظریات سے مطمئن تھے اور نہ مشینوں میں گرفتار انسان کی بے بسی سے ان کا بھی ذکر ضروری تھا پھر کسی بھی دور کو سمجھنے کے لئے اس کے علمی، ادبی، سیاسی اور معاشی افکار وغیرہ کا جائز لینا بہت ضروری ہوتا ہے اس کے بغیر اس کی فہم ناممکن ہے اسی طرح لامذہبیت کے تاریخی منظر کو واضح کرنے کے لئے محض علمی نظریات کا جائزہ لینا ناکافی ہے، اس عہد کی مذہبی تحریکات کا جائزہ بھی ضروری تھا۔

لیکن ان تمام کے باجود تقی امینی صاحب کی یہ کوشش قابل ستائش ہے اس لئے بھی کہ ہماری زبان میں بھی اس قسم کی کتابوں کی کمی ہے۔

ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ

سید عقیل احمد

قرآن و حدیث اور فقہی مدارس کی بدولت مسلمان ایک مکمل عدالتی نظام کی دولت سے مالامال تھے۔ چنانچہ شروع ہی سے خلفائے راشدین کی اس روایت کو برقرار کھا گیا تھا جس کے مطابق ہر نئے مفتوحہ علاقے میں انتظامیہ کے حکام کے ساتھ ساتھ عدلیہ کے حکام کا بھی تقرر ہوتا تھا اور مسلمانوں سے متعلق تمام امور انہیں ''قضاۃ'' کی عدالت میں لائے جاتے تھے۔

مسلمان جب ہندوستان آئے تو یہ نظام بھی ان کے ساتھ ساتھ آیا اور یہ محکمہ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ مسلم معاشرہ کو تمام مسائل اور نزاعی معاملات میں انہیں سے رجوع کرنا پڑتا تھا جو قرآن و سنت اور مروجہ فقہ کی روشنی میں مقدمات کے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اس طرح شریعت کا نفاذ ہوتا رہا لیکن جیسے جیسے بادشاہت کمزور ہوتی گئی اور انگریز طاقتور ہوتے گئے اسلامی شریعت کی گرفت کمزور پڑتی گئی اور اس کا دائرہ عمل محدود ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ رومن قانون نے اس کی جگہ لینی شروع کر دی اور اسلامی نظام عدلیہ کی سرکاری حیثیت میں کمی آتی گئی۔

آزادی کے بعد یہ ایک بڑا سوال تھا کہ اب کیا اور کیسے ہوگا۔ مذکورہ بالا کتاب انہیں سوالات کے جواب پر مبنی ہے اور ایک طرح سے یہ کتابچہ آزاد ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کی مکمل عملی تشکیل پر پہلا بصیرت افروز مقالہ ہے جس میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں اب دار القضاء

کے مقاصد میں کیا کیا چیزیں شامل ہوں گی۔ محکمہ قضاۃ کی مالی مشکلات کو کس طرح حل کیا جائے گا، قاضیوں کا انتخاب کن شرائط کے تحت ہوگا، ان کے لئے کیا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے گا۔

اس کتابچہ کی تمہید میں موجودہ محمڈن لا کی قابل ذکر دفعات پر مدلل بحث کی گئی اور اس کی خامیوں اور کمیوں کو واضح کیا گیا ہے۔

فقہ پر برہان میں شائع ہونے والے مضامین

۱۔ تدوین فقہ — مولانا مناظر احسن گیلانی — فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۴۵ء

۲۔ قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج — خورشید احمد فارق — مئی، جون ۱۹۵۵ء

۳۔ فقہی اور فروعی اختلافات کے اسباب — ضیاء الدین اصلاحی — مئی ۱۹۵۶ء

۴۔ تملیک فی الزکوۃ — مرزا محمد یوسف — ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۵۶ء

۵۔ تصانیف اشعری — غلام مرتضیٰ — دسمبر ۱۹۵۶ء

۶۔ تملیک فی الزکوہ — مرزا محمد یوسف — جنوری، فروری ۱۹۵۷ء

۷۔ مفتاح الصلوۃ — شیخ فرید — فروری ۱۹۵۷ء

۸۔ رفاہ عام — انظر شاہ — مارچ، اپریل، مئی، جون جولائی ۱۹۵۸ء

۹۔ فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے چند اسباب — تقی امینی — نومبر ۱۸۵۹ء

۱۰۔ بزم عرفان فرید ہندی — قطب الدین احمد — جون، جولائی ۱۹۶۰ء

۱۱۔ فقہ کی جدید قدریں — تقی امینی — ستمبر ۱۹۶۰ء

۱۲۔ نماز بوقت خطبہ (پر محققانہ بحث) عبداللہ خان کر تپوری (جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۱ء

۱۳۔ کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت کا تنقیدی جائزہ فضل الرحمٰن جولائی اگست ۱۹۶۲ء

۱۴۔ خاص الفقہ ایک دکھنی تعلیمی مثنوی ابو نصر محمد خالدی جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۳ء

۱۵۔ احکام شرعی میں حالات و زمانہ میں رعایت تقی امینی نومبر ۱۹۶۴ء

مارچ، اپریل تا جولائی، دسمبر ۱۹۶۵ء

جنوری تا دسمبر ۱۹۶۶ء، جنوری، مارچ ۱۹۶۷ء

۱۶۔ سود کے نظریات کی تنقیدی تاریخ ترجمہ فضل الرحمٰن فروری ۱۹۶۶ء

۱۷۔ ہندوستان کی شرعی حیثیت سعید احمد اکبر آبادی جولائی، اگست، ستمبر اکتوبر ۱۹۶۶ء

۱۸۔ مکہ معظمہ اور ہندوستان کی تاریخوں میں فرق اور رویت ہلال کی حقیقت

از ابو عبید المعید دسمبر ۱۹۶۶ء

۱۹۔ مسئلہ امامت اور عورت یوسف کوکن فروری ۱۹۶۹ء

۲۰۔ مانعین زکوٰۃ کے متعلق شیخین کے اختلافات کی تحقیق تقی الدین ندوی اکتوبر ۱۹۶۸ء

۲۱۔ شرعی مصالح کی حقیقت مولانا معین الدین جون ۱۹۶۹ء

۲۲۔ سٹہ بازی اور اسٹاک ایکسچینج پر خرید و فروخت تقی امینی ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۹ء

۲۳۔ ریڈیو پر رویت ہلال کی خبر تقی امینی نومبر ۱۹۶۹ء

۲۴۔ بیمہ کی حقیقت و شرعی حیثیت ایضا جنوری تا جون ۱۹۷۰ء

۲۵۔ رویت ہلال اور ریڈیو قاضی زین العابدین جنوری ۱۹۷۰ء

۲۶۔ خبر رسانی کے موجودہ وسائل اور رویت ہلال کا مسئلہ محمد برہان الدین اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۰ء

۲۷۔ پھر وہی رویت ہلال احسان الحق اپریل ۱۹۷۱ء

۲۸۔ ہندوستان میں اوقاف کا نظام سید نصیر الدین مئی ۱۹۷۱ء

۲۹۔ شرعی احکام کے لئے توقیت کا معیار محمد برہان الدین جون ۱۹۷۱ء

۳۰۔ حکومت سے قرض لینے کے مسئلے کا فقہی جائزہ ایضا ستمبر ۱۹۷۲ء

۳۱۔ نصاب زکوٰۃ اور صاع کی تحقیق احسان الحق مارچ، اپریل ۱۹۷۲ء

۳۲۔ اسلامی شریعت میں چند زوجگی کی اباحت برہان الدین اکتوبر ۱۹۷۲ء

۳۳۔ مسئلہ کفایت کی حیثیت اور اس کی شرعی حیثیت یوسف قاسمی فروری ۱۹۷۳ء

۳۴۔ مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں دو سوالوں کے جوابات حبیب ریحان ندوی جون ۱۹۷۳ء

۳۵۔ طبقات الشافعیہ اور اس کے مؤلفین ڈاکٹر عبد الرشید اکتوبر ۱۹۷۵ء

۳۶۔ تعدد ازدواج ہندوستانی مسلمانوں میں ایک مطالعاتی جائزہ انوار الحق حقی نومبر ۱۹۷۵ء

۳۷۔ نفقہ مطلقہ سرکاری بل کا جائزہ اور مسئلہ کا حل عبد اللہ سلیم، نومبر، دسمبر ۱۹۷۵ء

۳۸۔ طبقات الحنفیہ اور اس کے مولفین ڈاکٹر عبد الرشید مارچ، اپریل، ۱۹۷۶ء

۳۹۔ اجتہاد کا تاریخی پس منظر تقی امینی نومبر ۷۶ تا مارچ ۱۹۷۸ء

۴۰۔ سودی دادوستد محمد نعیم صدیقی مئی ۱۹۷۸ء

۴۱۔ اسلام اور سامان تعیش جلال الدین عمری جولائی، اگست ۱۹۷۸ء،
جنوری، فروری، مئی ۱۹۷۹ء

۴۲۔ مسئلہ رویت ہلال جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں ضیاء الدین اپریل ۱۹۸۱ء

۴۳۔ دور جدید میں اسلامی قانون سعید احمد اکبر آبادی ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۱ء

۴۴۔ فقہ اسلامی کی تدوین و ترویج قاضی اطہر مبارکپوری مئی ۱۹۸۲ء

۴۵۔ بنک سے تعاون اور اس کے انٹرسٹ کا شرعی حکم ایک مطالعہ
از مولانا برہان الدین سنبھلی مارچ، اپریل، مئی ۱۹۸۳ء

۴۶۔ فتاویٰ فیروز شاہی اور عصری مسائل ظفر الاسلام اگست ۱۹۸۳ء

۴۷۔ دور حاضر میں اجتہادی و اجتماعی فیصلے محی الغزالی اپریل ۱۹۸۶ء

۴۸۔ نفقہ مطلقہ پر سپریم کورٹ کا فیصلہ چند وضاحتیں محمود حسن جولائی ۱۹۸۶ء

۴۹۔ اسلام میں زکوٰۃ کا نظام اور اسلامی اداروں کا اس میں حصہ شہاب الدین ندوی،
ستمبر ۱۹۸۷ء

۵۰۔ زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں شہاب الدین فروری، مارچ، اپریل، مئی،
جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۰ء

۵۱۔ مطلقات، تعداد مرتب اور وجہ تسمیہ صفدر سلطان اکتوبر، نومبر ۱۹۹۰ء

۵۲۔ اجتہاد اور اس کے نئے آفاق شہاب الدین ندوی دسمبر ۱۹۹۰ء، جنوری ۱۹۹۱ء

۵۳۔ زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟ شہاب الدین نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ء

دیگر علوم اسلامی کے میدان میں ندوۃالمصنّفین کی خدمات

(II) اسلامی نظام کے میدان میں خدمات

اسلام میں غلامی کی حقیقت (حصہ اول)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

موضوعات کے سلسلہ میں ندوۃالمصنفین کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس ادارہ نے ہمیشہ نت نئے موضوعات کا انتخاب کیا ہے اور بہت سی کتابیں اس انداز سے لکھی گئی ہیں کہ ایک طرف تو اردو قارئین کو ان کے بارے میں پوری پوری معلومات ہو جائے اور دوسری طرف یہ کتابیں اسلام پر مستشرقین اور اسلام مخالف حلقوں کے اعتراضات کے جواب بھی ثابت ہوں۔

"اسلام میں غلامی کی حقیقت" بھی اس قسم کی کتابوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ مستشرقین ایک عرصہ سے بڑے طنزیہ اور استہزائی انداز میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ اسلام غلامی کی رسم کے تسلسل کا حامی ہے اور اس غیر انسانی رسم کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ جن لوگوں نے ان اعتراضات کے جواب دینے کی کوشش کی ان کے اس انداز میں غیر معقولیت کا عنصر غالب تھا۔ چنانچہ کئی لوگوں نے تو اسلام میں سرے سے اس رسم کے وجود کا انکار ثابت کرنا چاہا کچھ کا انداز معاندانہ تھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ایسے لوگوں کا مطالعہ کم اور نظر میں وسعت

نہیں تھی۔ شکر ہے کہ ندوۃ المصنفین کی یہ کتاب ان کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب ثابت ہوئی ہے۔ عربی اور انگریزی میں اس موضوع پر جتنا مواد تھا ، مولانا نے بنظر غائر اس کا مطالعہ کر کے انتہائی منطقی انداز میں ان کا جواب دیا ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے دیگر تہذیبوں اور مذاہب میں غلامی کی رسم سے بحث کی ہے اس کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے جس میں انھوں نے اجتماعی تاریخی اور نفسیاتی وسیاسی تمام پہلوؤں کو پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ رسم ہر جگہ، ہر دور اور تہذیب میں اپنی بدترین صورت میں موجود تھی۔ یہ اسلام کی ایک انسان نوازی تھی کہ اس نے اس رسم کو کم کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پابندیاں لگائیں۔ ایسا ضابطۂ اخلاق مرتب کیا جس سے اس رسم کی ہمت افزائی نہ ہو سکی بلکہ اس نے غلاموں کی آزادی کی ترغیب دلائی ان کا درجہ بلند کیا، ان کو تقریباً مساوی حقوق دے کر ان کی سماجی حیثیت بدل دی۔

اس ضمن میں مولانا نے صنعتی انقلاب اور یورپ کی پیدا کردہ معاشی اور سیاسی غلامی سے بھی بحث کی ہے اور ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس موضوع پر ہمارے یہاں اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں تھی۔ مقالات و مضامین بہت تھے لیکن سعید احمد اکبر آبادی صاحب نے کتاب لکھ کر ایک کمی کو پورا کر دیا ہے۔ ان کی بحث کا طریقہ بہت مدلل اور منطقی ہے اور جیسا کہ ہم مولانا کے سلسلہ میں پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ ان کا انداز قدیم وجدید دونوں کا ایک حسین امتزاج ہوتا ہے کیونکہ قدیم مصادر و مراجع کے ساتھ ساتھ مولانا نئے انداز فکر اور نئے رجحانات سے بھی باخبر ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارے سامنے کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے جس کے مقدمہ میں مولانا نے فرمایا ہے کہ اس میں "حذف بہت کم اور اضافہ غیر معمولی ہے اس لیے کہ اس ایڈیشن میں خصوصیت کے ساتھ اسلامی معاشیات کے مفکرین، شاہ ولی اللہ دہلوی، حافظ ابن قیم جوزی، امام رازی، امام غزالی اور ابن حزم اندلسی کے ان نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی میں خالص معاشی نقطۂ نگاہ سے پیش کیے ہیں (۷) پھر موجودہ اڈیشن میں مولانا نے سود کے مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ یہ بھی سعی کی گئی ہے کہ مسئلہ ربا (سود) پر بھی سیر حاصل بحث کی جائے ـــ چنانچہ موجودہ اڈیشن میں معاملہ (ربوا) اور صحیح تجارتی لین دین کے درمیان تفاوت ظاہر کرتے ہوئے اسلامی نقطۂ نگاہ سے عدم جواز سود پر ایسے معاشی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ جو مسئلہ کو دفاعی نقطہ سے آگے بڑھا کر ایک صحیح حل پیش کرتے ہیں۔ (۸) اسی طرح "مسئلہ اراضی اور ہندوستان میں معاشی مشکلات کا حل" کے عنوانات میں بھی جدید ترتیب کے ساتھ مزید اضافات زیر قلم لائے گئے ہیں۔ (۹)

اصل کتاب صفحہ ۱۷ سے شروع ہوتی ہے جس کا عنوان ہے "اقتصاد و علم اقتصاد"، اس میں علم معاشیات کا تعارف کرایا گیا ہے اور افلاطون، مل اور اسمتھ

وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں کارل مارکس کا ذکر ہے (۱۰)، یعنی مولانا نے مسلم علمائے اقتصادیات کے ساتھ ساتھ دوسرے ماہرین سے بھی استفادہ کیا ہے ۔انہوں نے اس بات کی تشریح ان الفاظ میں بھی کی ہے۔ "یہ مناسب ہے کہ اسلامی نظام معیشت کو موضوع بحث بناتے وقت دنیا کے مختلف نظامہائے معاشی کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ عدل وانصاف کی روشنی میں یہ موازنہ ہو سکے کہ دنیا کے باقی نظامہائے اقتصادی میں اور اسلام کے نظام اقتصادی میں کیا فرق ہے اور یہ در حقیقت معاشی نظام کے حقیقی مقصد کو کون پورا کرتا ہے۔ معاشیات کو بھی نظام اخلاق کا پابند ہونا چاہیے، اس بات کی دلیل کے لئے مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے ایک طویل اقتباس دیا ہے (۱۱) صاحب کتاب نے ایک صالح معاشی نظام کی درجہ ذیل خصوصیات بتائی ہیں۔

۱۔ وہ نظام ہر متعلقہ فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہو اور اپنے دائرہ عمل میں کسی بھی فرد کو معاشی زندگی سے محروم نہ رکھتا ہو۔

۲۔ ایسے اسباب ووسائل کا قلع وقمع کرتا ہو جو معاشی دستبرداری کا موقع مہیا کر کے افراد انسانی کے درمیان ظلم واستبداد کی راہیں کھولنے اور معاشی نظام کے فساد کا موجب بنتے ہوں۔

۳۔ دولت اور اسباب دولت کو کسی خاص فرد یا محدود جماعت کے اندر سمٹ آنے اور اس فرد یا جماعت کو نظام معیشت پر قابض ومسلط ہونے سے باز رکھتا ہو تاکہ معاشی نظام تمام کائنات انسانی کے فلاح کے بجائے مخصوص طبقوں کے اغراض کا آلہ کار بن کر نہ رہ جائے۔

۴۔ محنت اور سرمایہ کے درمیان صحیح توازن قائم کرتا ہو اور ایک کو دوسری کے حدود پر غاصبانہ دستبرد سے بچاتا ہو۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کا خلاصہ بھی یہی ہے۔

کتاب میں بہت سے موضوعات مقرر کر کے مندرجہ بالااصول کی وضاحت کی گئی ہے۔ چنانچہ موضوعات اس طرح ہیں اصول معاشیات قرآن عزیز کی روشنی میں، احتکار واکتناز کی حرمت، فاسد نظام معیشت کا انسداد اور سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن، انفرادی معیشت کے سلسلہ میں کسب معیشت کے لئے ترغیبات، کسب معاش کے اصول کسب کی مصارف کے بنیادی حصول، پھر اجتماعی نظام معیشت پر روشنی ڈالی ہے، اجتماعی نظام معیشت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جس کا تعلق بزاہ راست خلافت سے ہے یعنی بیت المال کا قیام زمین سے متعلق احکام۔ جملہ شعبہ ہائے مال پر کنٹرول، انفاق کا وجوب، زکوٰۃ وصدقات، بعض ذاتی املاک پر ٹیکس، اکتنازواحتکاز کی حرمت، حلال وطیب کسب معیشت، پھر دوسرے کی تفصیل دی ہے۔

یہ تمام تفصیلات ص ۱۰۷ سے ۱۲۵ تک دی گئی ہیں اس میں عشر، زکوٰۃ، خراج، جزیہ، فی خمس ضرائب کراء الارض، عشور اور وقف سے بحث کی ہے اور بیت المال کے مصارف بتائے ہیں۔ ص ۱۶۱ پر وسائل معیشت کی توسیع کے عنوان سے زراعت، اس کے متعلقات پھر زمین سے متعلق خصوصی احکام کے تحت زمین اور انفرادی ملکیت، زمین داری سے متعلق اسلامی ترغیبات سے بحث کی ہے اور اپنی ہر بات کی تائید کے لئے احادیث وغیرہ کا سہارا لیا ہے، تجارت

صنعت وحرفت، سود، مہاجنی سود، تجارتی سود، بینک کو آپریٹو سوسائٹی، شرکت صنائع وغیرہ پر ص ۳۴۵ تک مدلل بحث کی ہے۔ انفرادی ملکیت کی تحدید، سرمایہ اور محنت میں توازن وغیرہ موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ اوقاف، ہبہ، وصیت، قرض حسنہ، عاریت اور امانت وغیرہ جیسے موضوعات کی اسلامی افادیت بتلائی گئی ہے۔ کتاب کے آخری باب میں مذاہب عالم اور اسلام کا اقتصادی نظام، دنیاوی نظامہائے معاشی اور اسلام کا اقتصادی نظام فاشٹ، اشتراکیت، وغیرہ پر روشنی ڈال کر اسلام کے اقتصادی نظام کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام کا اجمالی نقشہ دیا گیا ہے جو ایک طرح سے کتاب کا لب لباب بھی ہے اور شروع کے صفحات ص ۳۱ سے ۳۲ میں اقتصادیات سے متعلق جو بات کہی گئی تھی اس کی اقتصادی تفصیل دی گئی ہے۔

اسلام کا نظام حکومت

مولانا حامد الانصاری غازی

مصنف نے کتاب کے شروع میں حکومت کے معنی و مفہوم واضح کئے ہیں۔ اس کے بعد مختلف حکومتوں کی تاریخ بتائی ہے جس میں انھوں نے اسلام سے پیشتر حکومتوں پر توجہ دی ہے۔ جہاں سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے وہاں انھوں نے متعدد موضوعات کا احاطہ کیا ہے جن میں، اسلامی حکومت کی عام حقیقت اور نوعیت، مذہب اور سلطنت کا باہمی تعلق، سیاست، قانون اسلامی کی غرض وغایت، اسلامی ریاست، اس کے مختلف نام، ان کی تشریح، وزراء

اور ان کے فرائض، امیر کا انتخاب، اسلامی طریقۂ انتخاب، امت اسلامیہ کے مختلف اسماء ان کی تشریح، شوریٰ، ایوان شوریٰ، اجلاس شوریٰ، خصوصیات شوریٰ، وزارتی شعبے، شعبۂ عدل وانصاف، عدالت کی اقسام، فوج اور اس کا تشکیلی نظام، طریقۂ جنگ، عہد اسلامی کے معاہدے، ملکی دفاع، جہاد، اقتصادیات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان موضوعات پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے تمام جزئیات کو بھی نگاہ میں رکھا ہے۔ آخر میں انہوں نے نظام حکومت کا اجمالی خاکہ اور اسلامی حکومتوں کے عروج وزوال کا مختصر نقشہ بھی دے دیا ہے۔ اگر آج کی موجودہ حکومتیں اور بالخصوص یورپ کی حکومتیں اسلام کے اس مثالی نظام کو اپنالیں تو اس طرح عالمگیر امن کا دور دورہ ہو جائے گا۔ ان کے خیال میں آج کی دنیا کی بے چینی اور اضطراب کا علاج خدا کے پیغام سے وابستگی کے اندر ہی ہے۔

یہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلی اشاعت ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔ موجودہ ایڈیشن حذف واضافے کے بعد شائع ہوا ہے۔ مصنف ریاست یا حکومت کو جبری چیز نہیں سمجھتے بلکہ اس میں رائے عامہ اور عوام کی مرضی کا بھی دخل مانتے ہیں۔ ان کے خیال میں سیاست اور اسلامی تعلیمات کے تعلق کے بغیر رشد وہدایت پر مبنی کوئی حکومت وجود میں نہیں آسکتی۔

مولانا ایک تجربہ کار صحافی تھے اس لئے ان کو اپنا مافی الضمیر ادا کرنے میں کوئی پریشانی نہیں۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں بآسانی ان کے قلم سے ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض چیزوں کی تکرار ضرور گراں گزرتی ہے لیکن اس کے باوجود کتاب سے ان کے وسعت مطالعہ اور دقت نظر کا ثبوت ملتا ہے۔

اسلام کا نظامِ مساجد

مولانا محمد ظفیر الدین

یہ کتاب بھی ندوۃ المصنفین کے اس سلسلۂ مطبوعات کی ایک کڑی ہے جس میں موضوع کی ندرت پائی جاتی ہے۔ مولانا ظفیر الدین نے ۴۴۲ صفحات کی اس کتاب میں مساجد اور ان کی تاریخ و اہمیت کے بارے میں معلومات کا ایک ذخیرہ فراہم کر دیا ہے اور کتاب پڑھ کر بلا تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر اتنی جامع معلومات اردو میں کہیں اور موجود نہیں ہے۔

مساجد کی اہمیت ابتدائے اسلام ہی سے رہی ہے۔ وہ نہ صرف ان کی عبادت گاہ کی حیثیت رکھتی ہیں بلکہ تعلیم گاہ، تربیت گاہ اور ایک ایسے اجتماعی مرکز کی حیثیت رہی ہے جہاں ایک علاقے کے مسلمان کم و بیش پانچ مرتبہ روزانہ ایک دوسرے کو دیکھ لیتے ہیں خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے اور اس طرح آج کی ترقی یافتہ سوسائٹی کی اجنبیت اور تنہائی کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

مولوی ظفیر الدین صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور انہوں نے مساجد کی اہمیت ان، کی مختلف حیثیتوں، ان کی تعمیر کی غرض و غایت، ان کے استعمال کے مختلف فوائد (دینی بھی اور سماجی بھی) پھر ان سے متعلق جملہ امور اور مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ مرتب کئے ہیں۔

کتاب شروع ہوتی ہے مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد قبا، اور مسجد الاقصیٰ کی مختصر تاریخ سے پھر ان مساجد کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کے مختلف

ابواب میں مسجدوں کی مذہبی و معاشرتی اہمیت، ان کی مرکزیت، نماز باجماعت کی اہمیت و تاکید، جمعہ و عیدین کی نمازوں کی اہمیت، مساجد کے فضائل، ان کی تعمیر، ان کی آرائش و تزئین، ان کی صفائی، وہاں حاضری کے آداب، مساجد کی تولیت اور ان سے متعلق اوقاف کی شرائط، غرضیکہ اس موضوع سے متعلق کسی بھی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ کتاب پڑھ کر اس بات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ مساجد کی کیا اہمیت تھی، کیا ہو گئی ہے، اور کیا ہونی چاہئے۔ مسجدوں کی حیثیت اسلام کے تمام ادوار میں اداروں کی رہی ہے۔ یہیں سے اخوت، مساوات اور ہمدردی کے جذبے پیدا ہوتے ہیں، اتحاد و یگانگت، کا سبق ملتا ہے صفائی ستھرائی، پاکیزگی اور طہارت کے تصور کو جلا ملتی ہے۔

کتاب اپنے موضوع اور مشمولات کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور اس قابل ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی اس سے واقف کرایا جائے، تاکہ مسجدوں کے بارے میں ان کی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

اسلام کا نظام عفّت و عصمت

مولانا ظفیر الدین صاحب

۲۹۱ صفحے کی یہ کتاب اپنے موضوع پر بڑی جامع کتاب ہے اور اسلام کے نظام عصمت و عفت، اخلاقیات، گھریلو زندگی، غرضیکہ ان گنت موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ کتاب نے ایک طرح سے بڑے انوکھے موضوع کا احاطہ کیا ہے۔ اور اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام جس قسم کا معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ

انہیں تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر وجود میں آسکتا ہے۔ کتاب کا پہلا موضوع ہے اسلام سے پہلے عورتوں کی حیثیت اور ان کی عفت و عصمت کی بربادی۔ (۱۲) اس موضوع کے تحت اسلام سے پہلے اور دیگر مذاہب میں عورتوں کی جو حالت زار تھی اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر "اسلام کی اصلاحی جدوجہد عورتوں کے حق میں" (۱۳) عنوان قائم کر کے، اسلام نے خواتین کو ہر حیثیت سے جو سماجی درجہ دیا ہے اس کی تفصیل مہیا کی ہے اور بار بار استدلال کے لئے قرآن کی آیات کے حوالے دیے ہیں کہ اس سلسلہ میں قرآن کے احکام کیا ہیں۔ صفحہ ۳۸ پر عورتوں کی عصمت و عفت کا تحفظ اسلام میں، ایک نیا عنوان قائم کیا ہے اور خواتین کے ساتھ جو انسانیت سوز رویہ اپنایا جاتا ہے، اس کے نتائج و عواقب پر روشنی ڈالی ہے۔ اسلام نے جس فطری طریقہ ازدواج کا حکم دیا ہے اس کی مخالفت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے اور اس کے نتائج و عواقب کیا ہوتے ہیں، اس کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

تحفظ عفت و عصمت اور شادی کے بارے میں اسلامی احکام کی تفصیل بھی مہیا کی گئی ہے۔ (۱۴) شادی سے اجتناب اور اس کے نقصانات کے لئے ص ۷۰ سے ۷۹ تک بڑی معلومات افزا تفصیلات دی ہیں۔ ص ۸۷ پر عفت و عصمت کی اہمیت اسلام میں "عفت و عصمت اور تعدد ازدواج ایک اہم اور متنازعہ چیز ہے، (۱۵) اور لائق مصنف نے اس امر سے متعلق بہت اچھی بحث کی ہے اور اسلامی ممالک نیز اسلامی سماج کا مقابلہ دوسرے ملکوں کے سماج سے کیا ہے اور تعدد ازدواج کی افادیت اور اس کی غرض و غایت، آداب و شرائط سے بحث کی ہے، پھر شادی کرنے والوں کے اختیارات و فرائض کے باب میں اسلامی اخلاق و آداب اور

احکام کی بابت بتلایا گیا ہے، (۱۶) کچھ اور اہم ابواب اس طرح ہیں : شوہر کے فرائض اور اختیارات جس میں صبر و تحمل، رفق و ملاطفت، عورت کی تلون مزاجی، ظلم و تعدی کی ممانعت، زدو کوب کی ممانعت، سر زنش کی اجازت اور اس کا مطلب، آنحضور ﷺ کا سلوک اپنی ازواج مطہرات کے سلسلے میں کیسا تھا، اس کی تفصیلات دی ہیں۔(۱۷)

پھر بیوی کے حقوق اور فرائض بیان کرتے ہوئے پوری تفصیل سے موضوع کے ایک ایک گوشے کو نمایاں کیا ہے۔ آخر میں خلع اور طلاق جیسے موضوعات بھی ہیں۔

اسلام کا زرعی نظام

مولانا محمد تقی امینی

ٹائٹل پر اس کتاب کا جو تعارف دیا گیا ہے وہ ان الفاظ میں ہے "اسلام کے نظام زراعت اواس سے متعلقہ مباحث پر ایک مستند اور جامع کتاب جس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ اسلام کے معاشی اور اقتصادی نقشے میں زراعت اور کاشتکاری کی حیثیت کیا ہے، خلافت راشدہ کے زمانے میں زمین کی تقسیم کن اصولوں کے تحت کی جاتی تھی اور مشترک کھیتی کی کیا صورتیں ہوتی تھیں نیز واضح کیا گیا ہے کہ تعلیمات اسلام کی روشنی سے پہلے ٹیکس اور تحصیل ٹیکس وغیرہ کے قوانین کے نام پر جو مظالم روا رکھے جاتے تھے ان کی کس طرح اصلاح کی گئی اور کاشتکاروں کو کیسی سہولتیں دی گئیں اور افسروں کے انتخاب کے متعلق سخت

قانون بنا کر رشوت ستانی اور ظلم و جبر کو کس طرح روکا گیا۔ (۱۸) پھر آئندہ کے ۳۰۳ صفحات میں اسی اجمال کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کے لئے ۱۱ خاص ابواب اور بعض میں ذیلی ابواب کا سہارا لیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتداء "الاصباح" نام کے عنوان سے ہوتی ہے۔ (۱۹) کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے کہ اسلام میں اقتدار اعلیٰ کی بنیاد لا الہ الا اللہ ہے، اسلام ایک نظام حیات ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اقتدار تسلیم کرنے پر ہے جس کے لئے مصنف نے قرآن کی آیات پیش کی ہیں۔ پھر خلافت کے اساسی اصول بتائے ہیں۔ چھٹے اصول کے مطالق ذرائع پیداوار کی تنظیم و تقسیم خلق اللہ کے مفاد کے پیش نظر ہوتی ہے، مسئلہ ملکیت کی وضاحت کی گئی ہے اور اسلام کا نظریۂ ملکیت واضح کیا گیا ہے۔ اب اس موضوع کی تاریخ سے بحث کی ہے کہ زمانہ خلافت میں اراضی کی قسمیں کیا تھیں۔ چنانچہ ص ۱۹ سے ص ۴۱ تک عہد نبوی میں اراضی مفتوحہ کی کیا حیثیت ہوتی تھی اس سے بحث کی ہے پھر ص ۴۴ سے ص ۶۱ تک خلافت راشدہ میں اس اراضی کی کیا حیثیت رہی ہے اس کی تفصیل دی گئی ہے۔ ص ۶۳ سے ۸۴ تک یہ بتایا گیا ہے کہ عہد نبوی میں اراضی معاہدہ سے کیا مراد لیا جاتا تھا اور اس کی کیا حیثیت ہوتی تھی اس کے بعد ص ۹۶ تک یہ تفصیل مہیا کی گئی ہے کہ عہد خلفاء میں ان زمینوں کے بارے میں کیا طرز عمل رہا۔

ص ۹۶ سے ص ۱۰۵ تک مسلمانوں کی زمین کی کیا حیثیت ہوتی تھی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں زمینداری اور جاگیرداری کا پس منظر بتایا گیا ہے کہ مستقل ملکیت کا تصور کس طرح قائم ہوا۔ پھر اس سلسلہ میں یونان،

روم اور ایشیاء میں حالات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ بحث ص ۱۳۰ تک چلتی ہیں۔ نویں باب کا موضوع صاحب زمین کے اختیارات سے تعلق رکھتا ہے۔ دسواں بنجر زمین، گیارہویں باب میں قدرتی پیداوار والی زمین کے ساتھ کیا سلوک ہوتا تھا اس کی تفصیل دی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کی طرح حیوانوں کا انتظام بھی خلافت کے ذمہ ہوتا تھا۔ چراگاہوں کا انتظام ہوتا تھا جنگلات کا انتظام ہوتا تھا اور نمک کی جھیل رال اور تیل کے چشموں کا انتظام ہوتا تھا۔ پھر اس بحث کا خلاصہ ۴ صفحات میں دے کر زراعت و باغبانی کے نام سے نیا باب شروع کیا ہے۔ اس کے بعد مزارعت، اجارہ، مساقاۃ، آبپاشی وغیرہ کا مفصل ذکر کر کے حریم سے بحث کی ہے (حریم سے مراد نہر، کنویں، باؤلی، تالاب، چشمے وغیرہ کی حفاظت اور ضرورت کے لئے ہر چہار جانب جتنی جگہ چھوڑی جاتی ہے اس کو حریم کہتے ہیں) ٹیکس کی بابت بحث کرتے ہوئے انھوں نے تشریح کی ہے کہ اس بارے میں اسلام سے پہلے کیا حالات تھے۔ تیسری صدی عیسوی چوتھی صدی عیسوی اور پھر پانچویں صدی کی تفصیلات مہیا کی ہیں اور ٹیکس دہندگان پر اس سلسلہ میں جو مظالم ڈھائے جاتے تھے اس کی تفصیل دی ہے۔ اگلے باب میں اسلامی اصلاحات کا مفصل بیان ہے نواں باب لگان پر ہے جس میں اسلامی قانون لگان کا موازنہ رومی و ایرانی قانون لگان سے کیا گیا ہے اور ساتھ ہی عراق، شام اور مصر میں اسلام کے بعد کا بھی موازنہ کیا گیا ہے۔ دسویں باب میں فصل کا خصہ عنوان قائم کر کے اس کی لگان اور وصول کی تفصیل دی ہے اس سلسلے میں احادیث پیش کی ہیں۔ اگلا باب زمانہ خلافت میں کاشتکاروں کی سہولت

کی چند صورتیں کے نام سے ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ خلافت کی جانب سے امداد کی جاتی تھی، کاشتکاروں کو بے دخل نہیں کیا جاتا تھا۔ تحصیل وصولی میں سختی نہیں کی جاتی تھی۔ ٹیکس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں لی جاتی تھی، بیگار نہیں لی جاتی تھی۔ آخری باب زمانہ خلافت کے افسران پر ہے جس میں ان کی تقرری کی شرائط کا ذکر ہے اور ان کے سلسلہ میں محکمہ تحقیق و تفتیش کا اجمالی بیان ہے۔

عروج وزوال کا الٰہی نظام

مولانا محمد تقی امینی

مولانا محمد تقی امینی اپنی علمیت اور اجتہادی فکر کی وجہ سے ہمارے علمی حلقے کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ کسی بھی موضوع پر لکھنے کے لئے وہ جس عرق ریزی کا ثبوت دیتے ہیں وہ انہیں کا خاصہ ہے۔

زیر نظر کتاب بھی ان کے وسیع مطالعہ اور فکر کی گہرائی کی ایک مثال ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں مولانا نے بہت صحیح لکھا ہے کہ "قوموں کے عروج وزوال کا مسئلہ اتنا ہی اہم اور قدیم ہے جتنا کہ خود انسان کا عروج وزوال۔ عروج وزوال کے بارے مسلم قوم کی تاریخ نہایت واضح اور مکمل نمونہ ہے۔" (۲۰۱) مسلمانوں نے ایسی کامیاب حکومت کی کہ جو اپنے پاور ہاؤس سے پرانی دنیا کے تینوں برّ اعظم کو روشنی پہنچاتی رہی لیکن زوال کے زمانہ میں اسی قوم پر فلاکت دوبارہ مسلط ہو گیا، بازو شل اور دماغ جامد ہو گئے، جہاد واجتہاد کی طاقت ناپید ہو گئی۔ ایسی حالت میں یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پس پشت کچھ قوانین واسباب کار

فرماہیں۔(۲۱) آئندہ اوراق میں ہدایت الٰہی کی روشنی میں اسی سوال کا جواب اور اسی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب میں پہلے انسان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ جب تک انسان کو اس کا صحیح مقام نہ معلوم ہو عروج و زوال کے کردار سے واقفیت دشوار ہے۔ اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر بحث کی بنیاد ہدایت الٰہی کی آخری کتاب مقدس (قرآن حکیم) ہی پر استوار ہو، نیز یہ کہ کوئی بات بغیر معتبر سند کے نہ پیش کی جائے۔ اس سلسلہ میں توضیح و تشریح کی حد تک دوسرے مصنّفین کی علمی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ پھر مصنف نے مختلف ابواب قائم کر کے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا طریقہ بڑا معقول ہے۔ چنانچہ پہلے باب میں جو انسان کا مقام اور قدرتی انتظام کے نام سے ہے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ انسان ایک مستقل مخلوق ہے جس میں اللہ کی روح ہے۔

دوسرے باب میں "زندگی کے نفسیاتی موثرات" سے طویل بحث کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے انسانوں کے قائدین کی تربیت واوصاف وخصائص کے باب میں صفحہ ۴۳ سے صفحہ ۶۲ تک اس سے متعلق مختلف موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ یہ ایک طرح سے کتاب کی تمہید ہے جو طویل سہی لیکن معلومات سے پر ہے۔

اصل کتاب چوتھے باب سے شروع ہوتی ہے جس کا نام ہے عروج وزوال کی زمین اور اس کی بنیاد، جس کے تحت لکھتے ہیں کہ عروج وزوال کی تخم ریزی سب سے پہلے انفس میں ہوتی ہے۔ عروج وبقا کا سنگ بنیاد اخلاق پر رکھا جاتا ہے، زوال کی بنیاد بداخلاقی پر رکھی جاتی ہے۔ اس کتاب کا اہم ترین باب اس کا پانچواں باب ہے جو "انتخاب فطری اور بقائے اصلح" کے نام سے ہے جس میں نظریہ بقائے

اصلح کی تشریح کی گئی ہے اور قرآنی آیات سے اس کا استدلال کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کا وہ معیار بتایا گیا ہے جس سے متصف ہو کر کوئی قوم اصلح بنتی ہے اور اس کے بعد والے باب میں صالح قوم کی تنظیم و ترتیب کے بنیادی اصول کا عنوان قائم کر کے مندرجہ ذیل چار اصول گنائے گئے ہیں۔ (۱) ایمان (۲) عمل صالح۔ اس موضوع کے تحت لفظ صالح کی تشریح کی ہے جس کے لیے مشکوٰۃ اور تفسیروں میں سے مدارک اور بیضاوی نیز مفتی محمد عبدہ سے دلیل پیش کی ہے کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے اور دیگر مفسرین و محققین کی آراء دی ہیں۔ (۳) تواصی بالحق (۴) تواصی بالصبر، پھر انھوں نے "زوال کے بنیادی اصول" کے نام سے ایک اور عنوان مقرر کر کے کسی بھی قوم کے زوال اور اس کے عوامل سے بحث کی ہے جس میں انھوں نے پہلی چیز شرک و نفاق بتائی ہے اور انسان و افراد پر نفاق کے غلط اثرات بتائے ہیں جیسے شرک و نفاق سے عزم و یقین کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ نظم و مرکزیت کا فقدان ہوتا ہے محنت و مشقت کے کام نہیں ہو پاتے، مذہب کی نمائش دنیا کے لئے ہوتی ہے، تقلیدی جمود پیدا ہوتا ہے۔

دوسری چیز بے عملی و بد عملی ہے جس میں معاصی کے ارتکاب میں آزادی ہو جاتی ہے، انسانیت حیوانیت کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے اور توکل و تقدیر کا غلط مفہوم رواج پا جاتا ہے۔

تیسری چیز باطل پرستی و خود فریبی پیدا ہو جاتی ہے اور چوتھی چیز بے ثباتی و خود غرضی نمایاں ہونے لگتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم شکوہ سنجی میں مبتلا ہو جاتی ہے قسمت کا ماتم کرتی ہے، قوم کا ولولہ ختم ہو جاتا ہے جوان تباہی کا

شکار ہو جاتے ہیں اور اس طرح قومیں مکمل اور ہمہ گیر زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔

مولانا تقی امینی صاحب نے یہ کتاب بڑی محنت سے لکھی ہے اور اس میں قوموں کے زوال کے فطری یاان کے ہی الفاظ میں الٰہی نظام کو بیان کیا ہے جس کے بیان میں انھوں نے بڑی معقولیت پسندی کا اظہار کیا ہے۔

مسلمانوں کا نظم مملکت

مصنف مولانا سید ابراہیم حسن

اسلامی تاریخ اور علوم اسلامیہ سے متعلق ندوۃ المصنفین کی خدمات اس لئے بھی قابل ستائش ہیں کہ اس ادارہ نے نہ صرف یہ کہ نئے موضوعات پر علماء اور اہل قلم سے اردو میں کتابیں لکھوائیں بلکہ عالم عرب سے اس موضوع پر اگر کوئی اچھی کتاب سامنے آئی تو اس کا ترجمہ اردو میں بھی کروایا گیا۔ اس سلسلہ کی کتابوں میں ذاکر حسن ابراہیم کی عربی کتاب ''النظم الاسلامیۃ'' کا یہ اردو ترجمہ بھی ہے۔ اس کتاب میں خلافت راشدہ، دولت بنوامیہ، بنوعباس، آل عثمان اور مصر و مغرب میں قائم شدہ مسلم حکومتوں کے نظم و نسق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں مذکورہ مسلم حکومتوں کے مختلف عہدوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ یعنی خلافت، وزارت، حجابت اور کتابت سے متعلق تمام تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ دوسرا باب شہری نظم و نسق، دفاتر کی تنظیم، بری اور بحری افواج، محکمۂ پولیس سے بحث کرتا ہے۔ تیسرا باب مالیات کے اہم باب سے متعلق ہے جس میں اس کے محاصل، ذرائع آمدنی، اس کے

مصارف اور اس کی ساخت کی تشریح کی گئی ہے۔ چوتھے باب میں عدلیہ، نظام عدل اور اس کے تدریجی ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے پانچویں باب میں غلامی کی تاریخ، اسلام میں غلامی کی کیا صورتیں رائج ہیں اور ان میں کیا کیا اصلاحات کی گئی ہیں، ان تمام تفصیلات کا ذکر ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جو حکومتیں ایران و روما سے خراج لیا کرتی تھیں وہ کوئی معمولی حکومتیں نہیں تھیں بلکہ وہ ایک منظّم نظام حکومت کے تحت تھیں جو صدیوں تک مسلم اقتدار کو دنیا پر غالب رکھے ہوئے تھا اور وہ بلا شبہ اس قابل تھیں کہ ہم آج کی ترقی یافتہ حکومتوں سے ان کا موازنہ کر سکتے ہیں عہد نبوی تک بلا شبہ وہ ایک سادہ نظام تھا کیونکہ اس کا حلقہ سرزمین عرب کی حدود تک تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے اس کی شکل اس کا ڈھانچہ بدل گیا اور ایک مضبوط مرکز کی وجہ سے مستحکم حکومت کی بنیاد پڑنی شروع ہو گئی اور بعد میں ضرورت کے مطابق اس میں اضافے اور ترمیمات ہوتی رہیں۔ عربی زبان میں اس سے پہلے کئی کتابیں اس موضوع پر مشہور ہو چکی تھیں اور وہ کافی پہلے لکھی گئی تھیں۔

اس کتاب کا ترجمہ اردو کے تاریخی ادب میں ایک اضافہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ ترجمہ کی زبان بذات خود سادہ اور عام فہم ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تربیت جلد ۱، ۲

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

قطب الدین ایبک سے لے کر آج تک ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت

کا جو نظام بر قرار رہا ہے مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے صبا رفتار قلم سے اس کا جائزہ لیا ہے۔ مولانا کے وسیع مطالعے اور ان کے زبردست حافظے کی صلاحیت کا اندازہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے جس میں مولانا نے عہد سلطنت کی ابتداء سے موجودہ زمانے تک کی تمام تفصیلات یکجا کر دی ہیں جس کے لیے انہوں نے معتبر شہادتیں بھی پیش کی ہیں اساتذہ و طلباء ان کے قیام و طعام ان کے لیے نصاب کی تیاری، کتابوں کی فراہمی، اشاعت کتب کے طریقے، کاغذ سازی کا طریقہ، اس کے کارخانے، اس کی قسمیں، دربار اور علماء کا تعلیم سے تعلق خاص، ہندوستانی مسلمانوں کے نظام تعلیم کی برتری علماء ہند کی بیرون ہند میں مقبولیت، الغرض اس موضوع سے متعلق کون سی تفصیل ایسی ہے جو مولانا کے جولانی قلم سے باہر رہ سکی ہے۔ اسی نظام تعلیم اور نصاب نے ہندوستانی مسلمانوں کے تشخص کو بر قرار رکھا تھا اور یہی نظام ہے جو آنے والے دور میں بھی ان کا وجود اسی نظام تعلیم میں مضمر رہے گا۔

آگے چل کر مولانا نے تعلیم کا ایک لائحہ عمل پیش کیا ہے جن میں سے کچھ قابل قبول اور قابل عمل ہو سکتے ہیں اور کچھ نہیں۔

۱۹۴۳ء میں جب یہ کتاب آئی تھی حالات دوسرے تھے۔ اب حالات بالکل مختلف ہیں اب تو بدلتے ہوئے وقت کا احساس اسلامی مدارس کو بھی ہونے لگا ہے اور وہاں سے بھی امام مؤذن اور اسلامیات کے اساتذہ کے علاوہ دیگر میدانوں کے لیے بھی لوگ تیار ہو رہے ہیں۔ تعلیم اور نصاب تعلیم کے لیے وقت کی بدلتی رفتار کو ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے اور صرف رفتار ہی کو

نہیں بلکہ وقت کی ضرورت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ مولانا اگر آج زندہ ہوتے تو ان کے خیالات کچھ اور ہوتے۔

دیگر علوم اسلامی کے میدان میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

(III) فلسفہ کے میدان میں خدمات

اخلاق و فلسفہ اخلاق

مجاہد ملّت مولانا حفظ الرحمٰن

یہ کتاب بھی ندوۃ المصنفین کی معرکتہ الآرا کتابوں میں سے ہے جو مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے قلم کا شاہکار ہے۔ یہ کتاب اخلاقیات کے موضوع پر ہے جس پر قوموں کی تعمیر ہوا کرتی ہے اور جس کی تعلیم تبلیغ اور اشاعت کے لیے تمام انبیائے کرام بھی سرگرم عمل رہے اور آنحضورؐ نے بھی جس کے لیے فرمایا تھا کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں (بعثت لاتمم مکارم الاخلاق)

اخلاقیات کا تعلق دنیاوی فلاح و کامیابی سے بھی ہے اور آخرت کی سرخروئی سے بھی۔ اسی وجہ سے تمام مسلم حکماء اور فلاسفہ نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ امام رازی، امام غزالی، مولانا روم، شیخ سعدی، ابن قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ سبھی نے دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ خود مصنف نے لکھا ہے کہ ''وقت کا تقاضا یہ تھا کہ اس سلسلے میں ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس

میں ایک جانب جدید انکشافات علمی کا مفید ذخیرہ محفوظ ہوا ور دوسری جانب اسلامی اخلاقی تعلیم کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ صرف حسن ظن کی بنا پر نہیں بلکہ علمی دلائل و براہین کی روشنی میں اسلام کے نظریہ اخلاق اور اسلامی تعلیمات کی برتری واضح ہو جائے"۔ مولانا نے بقول خود کتاب کو چار حصوں پر مشتمل رکھا ہے۔

(۱) پہلے حصے میں علم النفس اور نفسیاتی مباحث ملکہ، وجدان، ارادہ وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔

دوسرے حصے میں اخلاق کے معیاری نظریات اور ان کے متعلقات نیز علم الاخلاق کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ تیسرے حصہ میں اخلاق کے عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوتھے حصے میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ علمی و عملی دونوں اعتبار سے دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا کمال و تفوق ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کتاب پر خواجہ محمد عبدالحیٔ صاحب شعبہ فلسفہ و نفسیات دیال سنگھ کالج کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "ایک طرف مشہور فلسفی کانٹ کی معقولیت اور منطق کی جھلک مولانا کے فلسفۂ اخلاق میں ہے اور دوسری طرف الغزالی کی فلسفیانہ ترجمانی موجود ہے۔ وجود باری تعالیٰ، روح حیات ثانیہ، وحی والہام اور مقصدیت مولانا کے فلسفہ اخلاق کی بنیادیں ہیں، بحیثیت مجموعی مولانا کا اخلاقیات اسلامی اخلاقیات ہے، مذہب کو تقدم حاصل ہے اور اخلاق کی تکوین و تدوین کی حقیقت و حدود اور خصوصیات مذہب مقرر کرتا ہے قلب کا کام یقین کرنا ہے اور عقل ان سب کی ترجمان"، احساس اور لذت کو مولانا کے فلسفۂ

اخلاق میں ثانوی حیثیت حاصل ہے (۲۲)۔

مولانا کی یہ کتاب اردو ادب میں اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ اس سے پہلے اخلاق واخلاقیات کے موضوع پر کوئی اور کتاب اس طرح نہیں لکھی گئی تھی۔

اسلام کا فلسفۂ سیاسیات

مولوی ماجد علی خاں

۱۸۷ صفحات کی اس کتاب میں اسلامی سیاسیات کے فلسفہ کو مغربی افکار سیاسی کے پس منظر میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کو چار مندرجہ ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب: مغربی افکار سیاست، ایک تاریخی جائزہ اور تجزیہ ہے۔

دوسرا باب: اسلامی فلسفہ سیاسیات کی بنیادیں۔

تیسرا باب: اسلام کا نظریۂ اقتدار اعلیٰ اور

چوتھا باب: بنیادی حقوق شہریت ہے۔

اصل میں مولانا ماجد علی خاں صاحب اسی موضوع پر ایک سلسلہ وار مضمون برہان میں لکھتے رہے ہیں۔ یہ انھیں سلسلوں کی کتابی شکل ہے جس میں چند مضامین کا مفید اضافہ بھی ہے۔ ہر چند کہ اس موضوع پر اردو میں کئی کتابیں لکھی جاچکی ہیں جن میں سے کچھ درسی ضروریات کے تحت اور کچھ علمی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں لیکن پھر بھی ماجد صاحب کی اس کتاب کی افادیت اپنی جگہ ہے کیونکہ کتاب قدیم وجدید دونوں کا امتزاج ہے اور اس میں اس بات کی شعوری کوشش نظر آتی ہے کہ یہ جدید ذہنوں کو اپیل کرے، ایک اور بڑی خوبی اس کتاب

میں یہ ہے کہ غیر ضروری طوالت سے اجتناب برتا گیا ہے۔ مختصر اور اجمالی انداز بیان کے ساتھ ہر بات بیان کردی گئی ہے۔ بیان کے لیے بھی آسان اور سادہ اسلوب اپنایا گیا ہے تاکہ مفہوم ومعانی کی ترسیل میں کوئی اشکال نہ ہو۔ اس کتاب پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا مختصر تبصرہ، کتاب کی تمام خوبیوں کو از خود ظاہر کر دیتا ہے۔ مولانا اکبر آبادی نے لکھا ہے کہ "سائنس اور اسلامیات دونوں کے امتزاج نے ڈاکٹر ماجد علی خاں کو ایک مثبت طریقۂ استدلال اور ایک واضح علمی نقطۂ نظر دیا ہے اور اسی بنیاد پر انکی تحریروں میں جذباتیت کم اور موضوعیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ (۴۳)

امام غزالی کا فلسفۂ مذہب واخلاق

سید حسن قادری شور

ندوۃ المصنفین کی یہ کتاب بھی اپنے موضوع اور نوعیت کے لحاظ سے امتیازی شان رکھتی ہے۔ قادری صاحب نے ۵۰۰ صفحات کی اس کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے یعنی انھوں نے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے، پھر ہر حصہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کی ابتداء فہرست مضامین سے ہوتی ہے۔ پھر پہلے حصہ کے شروع میں امام غزالی کی سوانح حیات پر روشنی ڈالی ہے جن کو ہم حجۃ الاسلام امام ابو محمد الغزالی کے پورے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کتاب کا ہر حصہ الگ سے ایک کتاب کہے جانے کا مستحق ہے۔ چنانچہ پہلے حصہ کے بعد دوسرے حصے میں ان کی شخصیت سے بحث کی گئی ہے جس میں

ان کی شخصیت وکردار کے تمام پہلو نمایاں کیے ہیں۔(۲۴) تیسرے حصہ میں اس عہد کے اور امام غزالی کے سیاسی پس منظر کی تفصیلات ہیں۔ چوتھے حصے میں اس عہد کے نظام تعلیم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔پانچویں حصے میں امام غزالی کے دینی ماحول کی تفصیلات دی ہیں۔(۲۵) چھٹے میں امام غزالی کے دینی ماحول سے بحث کی ہے اس کے بعد اس عہد میں رائج فرقوں اور مکاتب فکر سے بحث کی گئی ہے۔ آٹھواں حصہ خود امام غزالی کے عقائد کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ نویں باب میں امام غزالی کے تحقیقی طریقہ کار کا جائزہ لیا گیا ہے پھر دسویں باب میں امام غزالی اور مشرق و مغرب کے دیگر صاحبان فکر پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں بھی چھ ابواب ملتے ہیں۔ پہلے باب میں مذہب کی تاریخ اختصار واجمال کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ دوسرا باب تصوف کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ تیسرا اہم باب تلاش حق پر ہے۔ چوتھا باب امام غزالی کے فلسفہ کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالتا ہے۔ پانچویں باب میں امام غزالی اور دیگر صوفیاء سے بحث کی گئی ہے اور چھٹے باب میں امام غزالی نے جو تجدید فکر پیش کی ہے اس کی تفصیلات مہیا کی گئی ہے۔ حصۂ سوم میں امام غزالی کا فلسفۂ اخلاق پیش کیا گیا ہے۔ ہر حصہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ چنانچہ جو موضوعات نظر میں آتے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

پہلا باب	اخلاق کی اجمال تاریخ
دوسرا باب	اخلاق کا مفہوم
تیسرا باب	فلسفہ اخلاق کے بنیادی اصول

چوتھا باب　　موضوع علم الاخلاق اور اس کی غرض وغایت
پانچواں باب　　مذہب اور اخلاق کا تعلق
چھٹا باب　　اخلاقی نظریے　　اور
ساتویں باب　　امام غزالی کا نظریۂ اخلاق

کتاب کے آخری حصہ چہارم میں ماخذ پر تبصرہ ہے۔ ساتھ ہی ان تمام اصطلاحات کی فہرست مہیا کی ہے۔ کتاب کا خاتمہ آخری چار اوراق پر ہوتا ہے جن میں انگریزی زبان میں امام غزالی کی سوانح لکھی گئی ہے۔

اصل میں کتاب چونکہ ایک تحقیقی مقالے کے طور پر لکھی گئی ہے اس لے اس کے ابواب میں بہت تفصیل سے کام لیا گیا ہے اور تبویب میں جدید انداز کو اپنایا گیا ہے۔ اس مقالے کو پڑھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ امام غزالی کا فلسفہ اخلاق اسلام اور قرآن کی اصل بنیادوں پر قائم ہے۔ امام غزالی چونکہ تشکیک کے دور سے گزر چکے تھے اس لئے ان کے افکار میں ایک گہرائی اور سلجھاؤ ملتا ہے۔ وہ بیک وقت صوفی بھی تھے محقق بھی تھے اور فلسفی بھی تھے اس کتاب میں ان کے تصوف اور کلام کے تمام گوشوں کو بہت تفصیل اور جامعیت کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب چونکہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے اس لئے ہر قدم پر اس سے وابستہ شرائط کی پابندی نظر آتی ہے اس لئے آخر میں ان تمام کتابوں کی ایک طویل فہرست بھی لگا دی گئی ہے جن کا مطالعہ اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں کیا گیا۔ کتاب اپنے موضوع انداز پیشکش اور مشمولات کی وجہ سے بہت مفید ہو گئی ہے اور اس سے طالب علم اور عام قاری دونوں فائدہ اٹھا سکتے

ہیں۔ کتاب اتنی جامع ہے کہ ہم صرف امام غزالی ہی سے نہیں بلکہ دوران مطالعہ اس عہد کی دیگر بہت سی چیزوں، مسائل اور انشوروں سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان تمام نے امام غزالی کی شخصیت کی تکمیل میں حصہ لیا تھا۔

یہ کتاب بھی اپنے موضوع کے لحاظ سے ندوۃ المصنفین کی اچھی کتابوں کے سلسلہ میں شامل ہو جاتی ہے۔

فلسفہ کیا ہے

ڈاکٹر میر ولی الدین

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کو فن فلسفہ سے خاص لگاؤ تھا۔ پھر ان کی ایک خاصیت یہ تھی کہ وہ اس فن کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو بہت عام فہم زبان میں اور آسان انداز میں پیش کر دیتے تھے جو بہت مشکل کام ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں فلسفہ سے متعلق تمام معلومات کو مختصر اً یکجا کر دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فلسفہ کی تشریح و توضیح کر کے اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے طریقہ ہائے فکر و نظر بتفصیل واضح کیے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے مذہب فلسفہ اور سائنس کے فرق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ بتایا ہے کہ فلسفہ کا میدان کیا اور کہاں تک ہے اس کے فوائد کیا ہیں، اس میں کیا پیچیدگیاں سامنے آتی ہیں اس میں کیا کیا اختلافات پائے جاتے ہیں فلسفہ کے مطالعہ میں کون کون سی دشوار منزلیں آتی ہیں اور فکر و ذہن کو کن کن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے نیز یہ کہ قدیم فلاسفہ یونان سے لے کر موجودہ دور تک کے فلاسفہ اور ماہرین فکر کے

نظریات کیا رہے ہیں ان میں کہاں اختلاف پایا جاتا ہے اور کہاں اتحاد واتفاق نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے یہ تمام تفصیلات جو بہت طویل تھیں بہت مختصر طریقے پر واضح کر دی ہیں اور ان تمام کو اجمالی طور پر جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ انھوں نے جو انداز اختیار کیا ہے اس سے ان کی وسعت مطالعہ کا پتہ تو چلتا ہی ہے لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اظہار بیان پر کس حد تک قدرت حاصل ہے کہ ایک مختصر سے رسالہ میں اتنی معلومات اکٹھا کر دی ہیں۔

مصنف کی یہ کوشش بھی رہی ہے کہ وہ اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیں کہ فلسفہ اور مذہب میں کوئی تضاد پایا جاتا ہے اگر کسی کو تضاد نظر آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مطالعہ ناقص ہے کیونکہ جہاں تک فلسفہ اور مذہب کا تعلق ہے تو دونوں کے دائرہ کار ایک ہی ہیں یعنی کائنات کی اسرار و رموز پر غور و فکر اور ان کی نقاب کشائی حقیقت کی جستجو اور اس تک رسائی تاکہ اس طرح ایسے نتائج بر آمد کیے جائیں جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے کام آئیں۔ فلسفی کو صرف عالم شہود تک نہیں بلکہ اس کے بعد بھی اصل حقیقت جو اس کائنات سے ماورا ہے پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وہ اگر عالم آب و گل تک محدود رہتا ہے تو ٹھیک رہتا ہے لیکن جب وہ اس سے آگے بڑھ کر کائنات کے خالق اور نظام کائنات کے محرک تک پہنچ جاتا ہے تو یہاں سے مذہب شروع ہو جاتا ہے یعنی فلسفہ و مذہب دونوں کے مقاصد ایک ہیں۔ مذہب نور ہدایت کے ذریعہ اپنے مقاصد کو پا لیتا ہے۔ کتاب سے وہی لوگ زیادہ مستفید ہوں گے جو عالمانہ ذوق رکھتے ہیں۔

دیگر علوم اسلامی کے میدان میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

(III) شخصیات کے میدان میں

الانور

مرتبہ عبدالرحمٰن کوندو

مولانا انور شاہ کشمیری پر اس سے پہلے بھی عربی اور اردو میں کتابیں آچکی ہیں۔ الانور انہیں سلسلوں کی ایک کڑی ہے جس میں مصنف نے ان کی سوانح پیش کی ہے۔

کتاب کئی ابواب پر مشتمل ہے۔ شروع میں مولانا انور شاہ کی پوری زندگی پیش کی گئی ہے جس میں ان کی ولادت، وفات، ان کا شجرۂ نسب، ان کی اولاد وغیرہ کا ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں وہ مختلف مضامین جو ان کی شخصیت پر لکھے جا چکے تھے، یکجا کیے گئے ہیں۔ ان مضامین کے لکھنے والوں میں شاہ صاحب کے عزیز د اقارب اور ان کے نمایاں و معروف شاگرد شامل ہیں۔ شاہ صاحب کی علمی خدمات، ان کا طریقۂ تدریس، ان کی دینی خدمات، فتنہ قادیانیت کے خلاف ان کا قلمی جہاد، معاصرین سے ان کے مراسم وغیرہ کی تفصیلات ان مضامین میں مل جاتی ہیں۔ مصنف چونکہ خود کشمیری ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے خاندان سے ان کے روابط رہے ہیں، اس لئے اس سلسلہ کی تمام تفصیلات جیسی اس کتاب میں مل

جاتی ہیں دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ کتاب میں ہند اور بیرون ہند کے معاصر علماء کی آراء کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ کشمیر کا ذکر چونکہ ضروری تھا اس لئے اس کی مختصر تاریخ بھی بیان کر دی گئی ہے۔ لیکن بایں ہمہ شاہ صاحب علم و فضل کی جس بلندی پر متمکن تھے، فقہ و حدیث پر ان کو جو مہارت حاصل تھی ان موضوعات پر ان کی جو انفرادی حیثیت تھی اس کا بھی ذکر ضروری تھا۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں زبان و بیان کا جھول ہے، کئی چیزوں کی تکرار گراں گزرتی ہے اور یہ بات از خود عیاں ہو جاتی ہے کہ مصنف کو زبان پر قدرت نہیں ہے اور یہ غالباً ان کی پہلی تصنیف ہے۔

کتاب کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس پر اور وقت دینے کی ضرورت تھی۔

اس کتاب میں شاہ صاحب کے ملفوظات بھی مل جاتے ہیں اور ان کے عربی و فارسی کلام کے نمونے بھی۔

حضرت شاہ صاحب کی وفات پر جو مرثیے کہے گئے تھے لائق مصنف نے ان کا انتخاب بھی دے دیا ہے۔

برہان کا مفکر ملت، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نمبر

مرتبہ: جمیل مہدی

یہ عجیب اتفاق ہے کہ پچاس سالہ عرصہ اشاعت میں یہ برہان کا پہلا خاص نمبر مفتی صاحب مرحوم کی یاد میں نکلا ہے جس میں ان کے معتقدین اور دیگر اہل قلم نے اپنے تاثرات تحریر کیے ہیں۔ اس خصوصی شمارہ کے مدیر اعزازی قاضی

اطہر مبارکپوری صاحب تھے جو اب خود مرحوم ہو چکے ہیں۔ ترتیب جمیل مہدی صاحب کی ہے۔ یہ خاص نمبر چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ۴۳ مضامین ہیں جو مفتی صاحب مرحوم کی شخصیت، علمیت اور ملک وملت کے لئے ان کے جذبات، نیز خدمات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ پہلا مضمون مولانا علی میاں کا ہے جو چند یادیں اور چند باتوں کے نام سے ہے۔ احمد سعید ملیح آبادی نے "مفتی صاحب کی یاد" نامی مضمون میں اپنے تاثرات لکھے ہیں۔ "مفتی صاحب کی زندگی کے چند گوشے" نام سے قاضی زین العابدین سجاد صاحب نے بہت اچھا مضمون لکھا ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے "مفتی صاحب سے میرے علمی تعلقات" میں اپنا خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ کچھ اور اچھے مضامین پروفیسر طاہر محمود صاحب "ذکر و فکر مفتی صاحب مرحوم" ڈاکٹر تنویر احمد علوی "مفتی صاحب کی یاد میں" مولانا اخلاق حسین قاسمی ان کی یاد کرنل بشیر حسین زیدی مفتی عتیق الرحمان۔ نقوش و تاثرات ڈاکٹر سید احتشام احمد "احسانات کی چٹان" اور "میرے ابا جان" از مفتی فضیل الرحمان عثمانی وغیرہ ہیں۔ ان تمام مضامین سے مفتی صاحب مرحوم کی شخصیت کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں اور ان کی عظمت میں اور اضافہ محسوس ہوتا ہے۔ مفتی صاحب کی حمیت دینی اور اعلائے کلمۃ حق کی بہت سی مثالیں ہیں جو اب دوسروں میں عنقا ہوتی جارہی ہیں۔ اس کی سب سے اچھی مثال جمیل مہدی مرحوم کے ابتدائی مضمون میں ہے جس میں مفتی صاحب نے مرارجی دیسائی کی طنزیہ اور دھمکی آمیز تقریر پر ان کو ٹوکتے ہوئے برملا کہہ دیا تھا کہ آپ تو گویا اس ملک کے بادشاہ ہیں جو اپنی پسند اور

مرضی پر مسلمانوں کو چلنے کا فرمان سنانے یہاں آئے ہیں۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں،وہ بات پسند نہیں، یہ بات آپ گوارہ نہیں کر سکتے،وہ بات آپ برداشت نہیں کر سکتے، آپ ہیں کیا جو مسلمان آپ کی مرضی اور آپ کی پسند اور آپ کے فرمان کی تعمیل پر اپنے آپ کو مجبور سمجھیں (۲۶) پچھلے دو تین سالوں سے ان جیسے حق پسند اور بیباک قائد کی کتنی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

ان کی شخصیت اور خدمات پر لکھے گئے یہ تمام مضامین پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو لوگ صرف سن سنا کر قائدین یا شخصیات کے بارے میں رائے قائم کر لیتے ہیں ان کو یہ خاص نمبر ضرور پڑھنا چاہیے۔ دارالعلوم دیوبند کی بقا کا مسئلہ ہو یا مسلم مجلس مشاورت کے قیام کی جدوجہد مفتی صاحب کا کردار ہر جگہ قوم وملت کے ایک مخلص اور خیر خواہ کارکن کا مثالی کردار رہا ہے۔

خاص نمبر کا دوسرا حصہ آپ بیتی سفرناموں ،ریڈیائی تقریروں اور متفرق مضامین اور سوسائٹی خاکوں سے متعلق مفتی صاحب کے اسلوب تحریر کے نمونے۔

تیسرا حصہ مفتی صاحب کے نام اہم اور تاریخی شخصیتوں کی کچھ اہم اور تاریخی تحریریں۔

خطوط: شیخ عبداللہ، ڈاکٹر سید محمود، مولانا محمد مسلم

چوتھا حصہ سیاسی، علمی ،دینی اور صحافتی شخصیتوں کے تاثرات اور پیغامات پر مشتمل ہے۔ مفتی صاحب کی تحریر کے عکسی نمونے بھی دیے گئے ہیں اور آخر میں ندوۃ المصنفین کے دفتر مفتی صاحب کے تلاوت قرآن کے کمرے اور ان کے

مطالعہ گاہ کی تصویریں بھی دی گئے ہیں۔ ۵۵۹ صفحات کا یہ خاص نمبر مرحوم کی شخصیت کا اچھا خاصا نقشہ پیش کرتا ہے۔ آخری صفحہ پر محمد سلیمان ظفر قاسمی کا منظوم خراج عقیدت ایک بچکانہ کوشش ہے اور اس خاص نمبر کا اکیلا اور تنہا نقص ہے۔ صفحہ ۳۶ پر "نذر برہان" نام کے چند اور غیر موزوں اشعار ہین نہ معلوم یہ اشعار کیوں شامل کیے گئے ہیں۔

تذکرہ شیخ محمد طاہر پٹنی وترجمہ رسالہ مناقب

ابو ظفر ندوی

مولانا ابو ظفر ندوی کے ذمہ ایک اہم کام تاریخ گجرات کی تصنیف تھا۔ موصوف نے اپنے دوران مطالعہ و تحقیق میں نہ صرف یہ کہ اس موضوع پر داد تحقیق دی بلکہ قرب وجوار کے تمام علمی خانوادوں اور خزانوں کو بھی اپنے دائرہ مطالعہ میں لے لیا۔

مذکورہ بالا کتاب بھی ان کی اسی تلاش و تحقیق کے نتیجہ میں سامنے آئی۔ انہوں نے دوسرے ان اکابر و مشائخ کی علمی یادگاریں اور ان سے متعلق کتابیں بھی شائع کیں جو سرزمین گجرات سے یا اس کے قرب وجوار سے تعلق رکھتے تھے۔

موصوف نے اسی سلسلہ میں ہندوستان میں علم حدیث کے امام شیخ طاہر پٹنی کے احوال و کوائف میں ان کے پوتے شیخ عبد الوہاب کے رسالہ مناقب کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ سے پہلے مصنف کا مقدمہ قابل تعریف ہے اور اس قابل ہے کہ اسے الگ سے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس مقدمہ میں شیخ

کی سوانح حیات اور ان کے خاندان، ان کی تعلیم و تربیت، تحصیل علم، ان کے اساتذہ، ان کا شغل درس و تدریس رشد و ہدایت، ان کے علمی و روحانی کمالات اور اصلاح و تزکیہ نیز ان کی روحانی و معنوی اولاد کا بھی مفصل ذکر کیا ہے۔

ان تمام تفاصیل کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے گجرات میں مسلمانوں کے عہد حکمرانی کی تاریخ بھی مختصر الفاظ میں بیان کر دی ہے اور شیخ طاہر پٹنی کے عہد کے سیاسی حالات پر روشنی ڈالی ہے نیز اس دور کے نمایاں واقعات فرقہ مہدویہ کے حالات بھی بیان کر دیے ہیں۔

شیخ کے نسب کی تفصیل کے سلسلہ میں انھوں نے بوہرہ فرقہ کی اصل سے بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ مقدمہ نے ہی اصل کتاب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مقدمہ کے خاتمہ پر مناقب کا ترجمہ دیا ہے۔ رسالہ مناقب میں جو تاریخی غلطیاں اور سقم نظر آئے ہیں ان کی طرف اشارہ کر کے ان کی اصلاح بھی کر دی گئی ہے۔

۱۴ اصفحات کا یہ کتابچہ اپنی معلومات افادیت اور مشمولات کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔

حیات شیخ عبد الحق محدّث دہلوی

خلیق احمد نظامی

ایسی مایۂ ناز شخصیت سے، جس نے عہد اکبری کے پیدا کیے ہوئے دینی اور فکری مسائل اور مسلم معاشرہ پر اس کے مرتب شدہ غلط اثرات کی اصلاح کے لیے زندگی بھر قلمی جہاد کیا، اردو حلقے میں بہت کم لوگ ان کے کارناموں سے واقف تھے۔ ندوۃ المصنفین نے نظامی صاحب سے یہ کتاب لکھوا کر نہ صف

حضرت شیخ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے بلکہ علوم اسلامیہ سے متعلق اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اب تک لوگ صرف مولانا عروج قادری کے "تذکرہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی" سے ہی استفادہ کرتے تھے اب اس کتاب کی صورت میں ان کے لئے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی ایک مکمل اور جامع تاریخ مہیا کر دی گئی ہے۔

کتاب نظامی صاحب کے ایک مبسوط مقدمے سے شروع ہوتے ہے جس میں عہد سلطنت تک کی وہ تاریخ آگئی ہے جو علوم اسلامیہ سے متعلق ہے پھر کتاب کو ۵ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ کا تعلق شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی سوانح کے لئے مخصوص ہے جس میں ان کی زندگی کے تمام گوشوں کو نمایاں کرنے میں پوری تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں شیخ محدث کی تمام تالیفات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ ان کے معاصر علماء و شعراء اور ان کی سوانح سے متعلق ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی، فیضی، حضرت شاہ ابو المعالی اور عبد الرحیم خانخاناں وغیرہ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ پھر خود حضرت شیخ عبد الحق محدث کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں علوم اسلامیہ کے احیاء کا کام انہیں نے انجام دیا حدیث و سنت کے علوم کو نئی زندگی دی پھر اس کے ذریعہ عقائد و خیالات، مذہب و معاشرت، تصوف اور طریقت علماء و مشائخ سب کے لئے اپنی تصانیف اور ایمان افروز تحریروں کو چراغ راہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ ان کی تمام تصانیف ان کے اسی مقصد کی آئینہ دار ہیں۔

آخر میں مصنف نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے کچھ وہ خطوط بھی دیے ہیں جو انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی اور اسی عہد کے ایک امیر نواب سید فرید مرتضیٰ کے نام لکھے تھے۔ یہ خطوط بھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عظمت اور ان کے بلند مرتبہ کے گواہ ہیں۔

کتاب بہت مفید اور اپنے موضوع پر ہر طرح سے مکمل ہے اور ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ فاضل مصنف نے اپنے دینی جذبے اور اپنی علمی تحقیق و جستجو کی روایت کو ہر جگہ برقرار رکھا ہے اور اس سلسلہ میں جن بنیادی ماخذ کی ضرورت ہو سکتی تھی اور جو ماخذ ممکن الحصول تھے مصنف نے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

حیات ذاکر حسین

خورشید مصطفیٰ رضوی

"ذاکر صاحب" ہمارے اکابرین امت میں سے تھے۔ انھوں نے قوم کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی دی ہے۔ مولانا آزاد اور ذاکر صاحب نہ ہوتے تو شاید علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی باقی نہ ہوتی۔

خورشید مصطفیٰ رضوی صاحب نے ذاکر صاحب کی سوانح ترتیب دیکر قابل تحسین کام انجام دیا ہے۔ اس تحسین میں ندوۃ المصنفین بھی برابر کا شریک ہے۔ ذاکر صاحب پر خورشید صاحب کے علاوہ بھی کئی لوگوں نے بہت اچھی کتابیں لکھی ہیں، لیکن موجودہ کتاب کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ اس کتاب کی ترتیب

میں مصنف نے اردو کے علاوہ انگریزی کتابوں اور غیر ملکی رسائل واخبارات سے مدد لی ہے، نیز ذاکر صاحب سے متعدد ملاقاتیں کر کے اپنا مواد اکٹھا کیا ہے۔
تقسیم کے بعد کادور علی گڑھ کے لئے بڑی آزمائشوں کا، اور علی گڑھ کی تاریخ میں اہم ترین دور تھا۔ اس دور کی بہت سی تفصیلات، تحقیق و تلاش اور مختلف ذمہ دار اور ارباب حل وعقد سے ملنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس طرح یہ کتاب مستند ہو جاتی ہے۔

کتاب پر مقدمہ رشید احمد صدیقی صاحب کا ہے جو ذاکر صاحب کو مرشد مانتے تھے۔ رشید صاحب نے بھی خورشید رضوی صاحب کی تحقیق کو قابل تحسین قرار دیا ہے۔ کتاب میں ذاکر صاحب کا عکس تحریر بھی دیا گیا ہے۔ جس میں ذاکر صاحب نے اپنا حال خود بھی بیان کیا ہے۔

حیات عبدالحیٔ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

یہ "نزھۃ الخواطر" اور الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند جیسے مصنف کی سوانح حیات ہے جو ان کے قابل فخر فرزند اور عالم اسلام کے مشہور عالم مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے سپرد قلم کی ہے۔ حکیم سید عبدالحیٔ صاحب نے خود نزھۃ الخواطر میں صدہا علماء و مشائخ، مورخین، محدثین اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کی ممکنہ سوانح حیات محفوظ کر دی تھیں لیکن خود ان کی شخصیت پر کوئی کتاب مرتب نہیں کی گئی تھی جس کا بڑا سبب خود ان کی درویشانہ طبیعت تھی۔

حکیم سید عبدالحیٔ صاحب زندگی میں ہی اپنے وقت کے تمام اکابر سے

اپنی شخصیت، شرافت اور علمیت کی داد اور تائید وصول کر چکے تھے، چنانچہ مولانا محمد علی مونگیری، علامہ شبلی، صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ علی الاعلان اور اپنے خطوط میں بھی ان کا اعتراف کر چکے تھے۔ ندوہ کے ہنگامی دور میں بھی ان کی ذات پر سبھی کو مکمل اعتماد و اعتبار تھا۔ وہ مسلمانوں کے تمام حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، چاہے وہ سنی ہوں شیعہ ہوں صوفی ہوں، حنبلی و اہل حدیث ہوں۔ ان کا تعلق دیوبندی، بریلوی یا فرنگی محل کے مدارس فکر سے ہو، غرض وہ ہر جگہ محترم تھے اور ان کی شخصیت کبھی نزاعی نہیں رہی۔

۴۵۰ صفحات کی یہ کتاب ان کی سوانح ہے جس میں ان کی شخصیت کا مکمل خاکہ آگیا ہے۔ کتاب کے لئے یہی سند کافی تھی کہ اسے ان کے فرزند علی میاں نے ترتیب دیا ہے۔ ملت کی زبوں حالی کی فکر نے ان کو ندوہ کی نظامت پر آمادہ کیا اور انھوں نے اپنے حسن انتظام اور بے لوث خدمت کے جذبے سے یہ فرائض جس طرح انجام دیے یہ سب پر عیاں ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے تصنیفی اور علمی مشاغل سے بھی غافل نہیں رہے۔ پوری کتاب دس ابواب میں منقسم ہے جن میں مولانا کے خاندانی حالات، ولادت، تعلیم و تربیت، علمی، عملی اور ظاہری و معنوی اوصاف و کمالات، تصنیفات و تالیفات، مولانا کے اساتذہ مشائخ اور شرکائے کار، اخلاق و عادات اور ان کے معمولات، غرض ان کی کامیاب زندگی کے تمام پہلو بیان کر دیے گئے ہیں۔ مولانا علی میاں کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جس میں ان کا خلوص غالب رہتا ہے، چنانچہ یہ پوری کتاب اسی پر خلوص انداز

تحریر میں لکھی گئی ہے۔ کتاب کے آخیر میں ۵۰ صفحات علی میاں کے برادر بزرگ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سے متعلق ہیں۔

کتاب ہندوستانی مسلمانوں کی دینی و تعلیمی تحریک کا ایک ریکارڈ بھی ہے جس میں علی گڑھ تحریک، ندوہ اور ان سے متعلق تمام اکابرین کا بیان بھی آگیا ہے اواس خوبی کے ساتھ کہ یہ کتاب اس عہد کی تاریخ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ سر سید اور علامہ شبلی وغیرہ کے تذکرے میں مولانا علی میاں نے بڑا متوازن رویہ اختیار کیا ہے جو ان کی شرافت طبع کی دلیل ہے اور ان سے اسی رویہ کی امید کی جاسکتی تھی۔

میر کی آپ بیتی

مرتبہ : نثار احمد فاروقی

یہ کتاب ذکر میر کا اردو ترجمہ ہے۔ میر تقی میر کا زمانہ ۱۷۲۲ء سے ۱۸۱۰ء کا ہے اور یہ زمانہ ہی کیا، پوری صدی بڑے سیاسی اور معاشرتی انقلاب کی تھی۔ مسلمان تیزی سے ایک رو بہ زوال معاشرے کی صورت اختیار کر رہے تھے۔ پرانی قدریں، روایتیں اور پرانا سماجی ڈھانچہ ایک دریپا سر پر آنے والے انقلاب کی تخلیق کے کرب میں مبتلا تھا ان تمام باتوں کی بازگشت میر کے کلام میں محسوس کی جاسکتی ہے۔

"ذکر میر" کی پہلی اشاعت کے ساتھ بابائے اردو مولوی عبدالحق کا مقدمہ بھی تھا۔ زیر نظر کتاب اسی ذکر میر کا اردو ترجمہ ہے جو میر کی آپ بیتی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ترجمہ کی زبان کے لئے نثار صاحب کا نام کافی ہے۔ ان کے محققانہ قلم نے توضیحی اور تشریحی نوٹ اور حاشیے کا اضافہ کر کے کتاب کی قدر و قیمت اور بڑھادی ہے۔

تقریباً نصف کتاب میر کے اپنے بزرگوں کی درویشانہ زندگی کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ تصوف کے مسائل سے بھی بحث کرتا ہے۔ باقی نصف کتاب میں میر کی اپنی زندگی کی تلخیاں، ناکامیاں، نارسائیاں سبھی کا ذکر موجود ہے اور یقیناً ان کا اثر میر کے مزاج، ان کی طبیعت، اور بالآخر ان کے کلام میں بہت نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ انھیں کی وجہ سے میر کے کلام میں وہ سوز اور گداز آیا جسے پڑھ کر آج ہم بھی اسی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ کتاب صرف ایک شاعر کی سوانح نہیں ہے، بلکہ ایک عہد اور ایک دور کی تاریخ بھی ہے۔ انہیں کی وجہ سے میر کی نازک مزاجی، ان کی مجروح انانیت، میر کی جنونی کیفیت، سبھی کچھ وجود میں آیا۔ میر نے یہ باتیں سن سنا کر نہیں لکھی ہیں بلکہ بہت سی چیزوں کے عینی شاہد وہ خود رہے ہیں مترجم نے ایک بہت اہم خدمت یہ انجام دی ہے کہ میر کے سلسلہ میں کچھ تذکرہ نویسوں نے زیب داستاں کے لئے جو بہت سی غلط بیانیاں کی تھیں، تاریخ کی روشنی میں ان کی تصحیح کر دی ہے اور اس طرح میرے سامنے میر کی صحیح شخصیت اور ان کا اصلی خاکہ آجاتا ہے جو ان تذکرہ نویسوں کے پیش کئے ہوئے خاکے سے مختلف ہے۔ اس سلسلہ میں مترجم نثار احمد فاروقی صاحب کی چھان بین قابل ستائش ہے۔

شخصیات پر برہان میں شائع ہونے والے مضامین

ا۔علامہ ابن جوزی	مفتی عتیق الرحمٰن	اگست ۱۹۳۸ء
۲۔میر عبدالجلیل بلگرامی	عبدالمالک آروی	دسمبر ۱۹۳۸ء
۳۔آذر	ادریس میرٹھی	اپریل ۱۹۳۹ء
۴۔یحیٰ ابن یحیٰ	یعقوب الرحمٰن	مئی ۱۹۳۹ء
۵۔غیاث نقشبند	عبداللہ چغتائی	ستمبر ۱۹۳۹ء
۶۔پدمنی اور سلطان علاؤالدین خلجی	مشتاق احمد زیدی	مارچ ۱۹۴۰ء
۷۔مرزا غالب	حمیدہ سلطان	مارچ ۱۹۴۱ء

۸۔نواب یوسف علی خاں ناظم دلی کا آخری مغل تاجدار ایک جدید تحقیق کی روشنی میں، ہدایت الرحمٰن محسنی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۱ء

۹نواب الٰہی بخش خاں معروف	حمیدہ سلطان	فروری ۱۹۴۲ء
۱۰علامہ قفقاز	منشی عبدالقدیر دہلوی	اگست ۱۹۴۲ء
۱۱۔امام طحاوی	سید قطب الدین	دسمبر ۱۹۴۲ء
۱۲۔ملک طاؤس	خواجہ عبدالرشید	جون ۱۹۴۵ء
۱۳۔ڈاکٹر نکسن	ترجمہ اطہر علی	نومبر ۱۹۴۵ء
۱۴۔منی بیگم ایسٹ انڈیا کمپنی	پریم ناتھ بھلا	اپریل ۱۹۴۶ء
۱۵۔عبداللہ ابن المعتز	حافظ رشید احمد	جون، جولائی ۱۹۴۶ء

۱۶۔ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی — خلیق احمد نظامی — فروری ۱۹۴۷ء

۱۷۔ منشی نبی بخش حقیر اور غالب — سید آفاق حسین — مئی ۱۹۴۷ء

۱۸۔ امیر شریعت محی الدین
قادری پھلواری — مولانا جناب عون صاحب — مئی ۱۹۴۷ء

۱۹۔ ادیب پشاوری — میر ولی اللہ اڈوکیٹ — اگست ۱۹۴۷ء

۲۰۔ افادات امام عبدالوہاب شعرانی، ملک ابو یحییٰ امام خاں جنوری، فروری ۱۹۴۸ء

۲۱۔ شیخ ابوالقاسم جلال الدین تبریزی — ڈاکٹر محمد سلیم — مارچ ۱۹۴۸ء

۲۲۔ نانا راؤ پیشوا — انتظام اللہ شہابی — جنوری ۱۹۴۹ء

۲۳۔ امیر المؤمنین — انوار الحق حقی — جون ۱۹۴۹ء

۲۴۔ عبدالرحمٰن الناصر الدین اللہ
ابوالمظفر نواب سراج الدین احمد خاں سائل — مولوی حفیظ الرحمٰن
جون تا دسمبر ۱۹۴۸ء

۲۵۔ " " " " — جنوری ۱۹۴۹ء

۲۶۔ امام ابراہیم نخعی — ابو محفوظ الکریم معصومی — دسمبر ۱۹۴۹ء

۲۷۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، خلیق احمد نظامی — جون ۱۹۵۰ء

۲۸۔ وزیر مامون احمد بن یوسف، خورشید احمد فاروق — جون، تا اگست ۱۹۵۰ء

۲۹۔ مولوی محمد — منشی عبدالقدیر — نومبر ۱۹۵۰ء

۳۰۔ امام دار قطنی — ابو سلمیٰ شفیع احمد — نومبر ۱۹۵۰ء تا
جنوری 1951

۳۱۔ مختار بن ابی عبید ثقفی خورشید احمد فارق مارچ تا اکتوبر ۵۱ء

۳۲۔ مولانا ضیاء الدین بخشی خلیق احمد نظامی نومبر ۱۹۵۱ء

۳۳۔ قاضی شریح خورشید احمد فارق مئی۔

جون ۱۹۵۳ء

۳۴۔ حکیم سنائی انعام اللہ خاں مئی تا جولائی ۱۹۵۳ء

۳۵۔ شیخ علی بخش بیمار عابد رضا بیدار مئی ۱۹۵۳ء

۳۶۔ ملک الشعراء طالب آملی کرنل خواجہ رشید احمد ستمبر ۱۹۵۳ء

۳۷۔ بوزاسف مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی مئی ۱۹۵۴ء

۳۸۔ محمد اشرف خاں لکھنوی ثم دہلوی عابد رضا بیدار اگست ۱۹۵۵ء

۳۹۔ اسماعیل فرخی شیخ فرید برہان پوری مارچ ۱۹۵۷ء

۴۰۔ استاد کرد علی شیخ نذیر حسین اگست ۱۹۵۷ء

۴۱۔ ذکر مصحفی نثار احمد فاروقی مئی تا دسمبر ۵۹ء

جنوری ۱۹۶۰ء

۴۲۔ علامہ سید جمال الدین افغانی، مترجم ثناء اللہ پانی پتی جون ۱۹۵۹ء

۴۳۔ ابن الحنفیہ خورشید احمد فارق اپریل تا جون ۱۹۶۰

۴۴۔ غمگین شاہ جہان آبادی پروفیسر مسعود احمد جون تا جولائی ۱۹۶۰ء

۴۵۔ ابن موسیٰ خوارزمی علم جبر کا پہلا مسلمان موجد، مترجم مولوی خادر کمال، ستمبر ۱۹۶۰ء

۴۶۔ محمد بن موسی الخوارزمی شبیر احمد خان غوری نومبر ۱۹۶۰ء

۴۷۔ غمگین شاہ جہاں آبادی مسعود احمد اپریل تا مئی ۱۹۶۱ء

۴۸۔ حسرت عابد رضا بیدار جولائی ۶۱ء تا جون ۱۹۶۲ء

۴۹۔ عرفی حیات و تصنیفات ع۔ د۔ اظہر مارچ تا اپریل ۱۹۶۳ء

۵۰۔ امیر شکیب ارسلان احتشام ندوی مئی ۱۹۶۳ء

۵۱۔ جمیل الزہاوی عراق کا نامور شاعر، مولوی محمود الحسن ندوی اگست، دسمبر ۱۹۶۳ء

۵۲۔ مرزا حسن بیگ رفیع سید میر حسن عابدی اگست ۱۹۶۴ء

۵۳۔ سید احمد کاشفی

(فارسی اور ہندی کا ایک غیر معروف شاعر) زیدی جعفر رضا اکتوبر ۱۹۶۴ء

۵۴۔ عبد الرحمٰن بن محمد ابن الاشعث ایک مطالعہ محمود الحسن، مارچ، اپریل ۱۹۶۵ء

۵۵۔ عبد القادر مغربی اور انکا اصلاحی نظریہ احتشام ندوی جون ۱۹۶۵ء

۵۶۔ مولانا کاشفی امیر حسن عابدی جون ۱۹۶۵ء

۵۷۔ استاد احمد عطفی سید نذیر حسین اکتوبر ۱۹۶۵ء

۵۸۔ سید سلیمان ندوی بحیثیت ایک مورخ، سید ذو الفقار بخاری نومبر ۱۹۶۵ء

۵۹۔ ملا کاشفی بدخشانی اور سید احمد کاشفی زیدی جعفر رضا نومبر ۱۹۶۵ء

۶۰۔ چکبست لکھنوی کی قدریں لکشمی نارائین وشِشٹ جولائی ۱۹۶۸ء ۵۸ء

۶۱۔ سراج الدین ابن الملقن حافظ عبدالعلیم خاں جولائی۔ اگست ۱۹۶۹ء

۶۲۔ قدامابن جعفر بغدادی وقار احمد رضوی فروری ۱۹۷۰ء

۶۳۔ علامہ واقدی مؤرخ کی حیثیت سے، نعیم صدیقی دسمبر ۱۹۷۰ء

۶۴۔ حضرت حکیم انور خاں انور واحد کاظمی، فروری ۱۹۷۱ء

۶۵۔ الحاج رضی الدین ابوالخیر محمد عبدالمجید مولوی سعید احمد، اپریل ۱۹۷۱ء

۶۶۔ عمر خیام اور خاقانی مولانا عرشی فروری ۱۹۷۲ء

۶۷۔ محمد مجیب صاحب نواب مشتاق احمد اپریل ۱۹۷۲ء

۶۸۔ پیرپاشا حسینی نورالسعید اختر جون ۱۹۷۲ء

۶۹۔ مولانا آزاد ایک جائزہ محمد شعیب اگست ۱۹۷۲ء

۷۰۔ عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مولوی ظفیر الدین، مارچ ۱۹۷۴

۷۱۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری محبوب رضوی نومبر ۱۹۷۴

۷۲۔ استاذالملک ملا محمد افضل جونپوری حبیب الرحمان قاسمی، دسمبر ۱۹۷۴ء

۷۳۔ مولانا عین القضاۃ عبدالحیٔ فاروقی اپریل ۱۹۷۵ء

۷۴۔ بحرالعلوم عبدالعلی محمد فرنگی محلی محمد خالدی انصاری مئی جون ۱۹۷۵ء

۷۵۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کا ادبی ذوق ریاض انصاری جولائی ۱۹۷۶ء

۷۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ سعید الظفر چغتائی اپریل ۱۹۷۷ء

۷۷۔ حسان ابن ثابت عبدالرحمان پرواز اگست تا دسمبر ۱۹۷۷ء

۷۸۔ ایضاً جنوری تا مارچ ۱۹۷۸ء

۷۹۔ شیخ ابوالفتح جونپوری قدیم ماخذ کی روشنی میں محمد ارشد اعظمی اپریل ۱۹۷۸ء
۸۰۔ آثار شاہ اسماعیل شہید محمد بشیر اگست ۱۹۷۸ء
۸۱۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی عبدالغفار انصاری نومبر ۱۹۷۸ء
۸۲۔ شہزادہ فیروز شاہ بدر الزماں نیپالی جنوری ۱۹۷۹ء
۸۳۔ سید مرتضیٰ بلگرامی مؤلف تاج العروس خورشید احمد فارق فروری ۱۹۷۹ء
۸۴۔ شیخ عبدالرحمان چشتی ڈاکٹر محمد عمر مارچ تا مئی ۱۹۷۹ء
۸۵۔ شیخ نجم الدین کبریٰ فاروق بخاری مئی تا جون ۱۹۷۹ء
۸۶۔ شیخ عبدالعزیز جونپوری مولوی محمد ارشد اعظمی جون ۱۹۷۹ء
۸۷۔ شاہ عبدالحیٔ احقر بنگلوری سید قدرت اللہ جون ۱۹۷۹ء
۸۸۔ حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری نظام الدین کاظمی جولائی ۱۹۷۹ء
۸۹۔ مولانا جعفر علی بستوی عتیق الرحمان بستوی جولائی تا اگست ۱۹۷۹ء
۹۰۔ ڈاکٹر محمد یوسف سید محمد مختار الدین ستمبر ۱۹۷۹ء
۹۱۔ حافظ ابراہیم مصر کا قوم پرست شاعر مقتدیٰ حسن ازہری اکتوبر ۱۹۷۹ء
۹۲۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی // جنوری ۱۹۸۰ء
۹۳۔ ملّا شاہ بدخشانی پروفیسر محمد شفیع اپریل ۱۹۸۰ء
۹۴۔ قاضی ضیاء الدین سنامی ارشد اعظمی اکتوبر ۱۹۸۱ء
۹۵۔ مولانا عرشی ڈاکٹر آمنہ خاتون فروری ۱۹۸۲ء
۹۶۔ جنگ آزادی کا مجاہد مولوی احمد اللہ شاہ فیض آبادی ہدایت الرحمان محسنی
مارچ تا مئی ۱۹۸۲ء

۹۷۔ علامہ طاش کبری زادہ　　منصور نعمانی ندوی　　جون ۱۹۸۲ء
۹۸۔ حاجی عبداللہ قادری　　پروفیسر محمد اسلم　　اگست ۱۹۸۲ء
۹۹۔ نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاری　　پروفیسر محمد اسلم　　ستمبر ۱۹۸۲ء
۱۰۰۔ مولانا احمد اللہ شاہ فاروقی گوپاموی　　صلاح الدین عمری　　ستمبر تا اکتوبر ۱۹۸۲ء
۱۰۱۔ قاضی ارتضا علی خوشنود　　صلاح الدین عمری　جولائی ۱۹۸۳ء
۱۰۲۔ ماوردی حیات اور کارنامے　　احمد حسن　　اکتوبر ۱۹۸۳ء
۱۰۳ حضرت شاہ اہل اللہ پھلتی　　مسعود انور علوی　　اکتوبر ۱۹۸۴ء
۱۰۴۔ خواجہ احرار نقشبندی　　تقی انور علوی　　دسمبر
۱۹۸۴ء، جنوری، فروری ۱۹۸۵ء
۱۰۵۔ مولانا محمد عثمان　　اظہر صدیقی　　مئی ۱۹۸۵ء
۱۰۶۔ محمد رضا جوشانی سوانح حیات اور اردو شاعری　امیر الدین صدیقی　　جنوری،
فروری ۱۹۸۶ء
۱۰۷۔ ابن الجوزی　　ابوالکلام قاسمی　　اپریل
مئی ۱۹۸۶ء
۱۰۸۔ جسٹس بشیر احمد سعید حیات شخصیت و سیرت محمد یوسف کوکن جون ۱۹۸۶ء
۱۰۹۔ مولانا اکبر آبادی مرحوم اور برہان　مسعود انور علوی　　اگست ۱۹۸۶ء
۱۱۰۔ ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ　　محمد علاء الدین　　اگست ۱۹۸۶ء
۱۱۱۔ امام زرعہ رازی　　اسیر اوردی　　ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۶ء
۱۱۲۔ ڈاکٹر احمد امین مصری　　صلاح الدین عمری　　فروری ۱۹۸۷ء

۱۱۳۔ مخدوم شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی اقبال حسن مئی ۱۹۸۷ء

۱۱۴۔ عبدالقادر المازنی ایک اہم شاعر ابوسفیان جون ۱۹۸۷ء

۱۱۵۔ مولانا شوکت علی نظر برنی جون ۱۹۸۷ء

۱۱۶۔ ابوزکریا یحیٰ بن یوحنا بن ماسویہ وسیم اعظمی اکتوبر ۱۹۸۷ء

۱۱۷۔ مفکرِ ملت مفتی صاحب جمیل مہدی جنوری ۱۹۸۸ء

۱۱۸۔ مولانا واصف دہلوی۔ ایک تاثر، گلزار زتشی، فروری ۸۸ء تا مارچ ۱۹۸۹ء

۱۱۹۔ ابوحیان توحیدی محمد سمیع اختر فلاحی مارچ، اپریل ۱۹۸۸ء

۱۲۰۔ ڈاکٹر ابوشادی حیات اور شاعری ابوسفیان اصلاحی مئی ۱۹۸۸ء

۱۲۱۔ ابوحیان توحیدی سمیع اختر فلاحی جون، جولائی ۱۹۸۸ء

۱۲۲۔ شیخ القراء عبدالواحد رامپوری محمد نظر علی خاں اکتوبر ۱۹۸۸ء

۱۲۳۔ مولانا شبلی نعمانی عین الحق ادریسی ۱۹۸۹ء

۱۲۴۔ مولوی تراب علی لکھنوی مسعود انور علوی مارچ ۱۹۸۵ء

۱۲۵۔ بہرام سقہ شمس الدین صدیقی دسمبر ۱۹۸۹ء

۱۲۶۔ عبدالرزاق کرد علی فیضان احمد جنوری تا جولائی ۱۹۹۰ء

۱۲۷۔ زہیر بن ابی سلمی توقیر عالم ندوی مارچ ۱۹۹۰ء

۱۲۸۔ والی رنبیر راجہ بھگوان داس عبدالرؤف خاں جولائی ۱۹۹۱ء

۱۲۹۔ حضرت شیخ مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمت علی اگست ستمبر ۱۹۹۱ء

۱۳۰۔ مصر میں عربی صحافت کی ابتداء // نومبر دسمبر ۱۹۹۱ء

(IV) سفرنامے اور متفرقات

تاریخ ادبیات ایران

مترجم: مبارزالدین رفعت

فارسی ادب کی تاریخ پر ہمارے یہاں کئی کتابیں پہلے سے بھی تھیں لیکن وہ فارسی ادب کے تمام پہلوؤں سے بحث نہیں کرتیں۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق نے جو ایک ایرانی صاحب قلم ہیں ادبیات ایران بزرگ کے نام سے ایک نئی کتاب ترتیب دی تھی جس میں پہلوی دور سے قاچاریوں کے دور تک کے ایرانی ادب کی مکمل تاریخ تھی۔ مذکورہ بالا کتاب اسی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

کتاب کا پہلا باب، پہلوی دور کے زبان وادب اور اس کے رسم الخط کی مختصر تاریخ پر ہے، بعد کے ابواب میں اسلامی دور کے فارسی ادب کی تاریخ اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اسلامی دور سے بحث کرتے ہوئے مصنف نے ایران کی اسلامی حکومت کی ابتداء، اس دور کا سیاسی پس منظر اور عرب ایران کے باہمی ثقافتی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے پھر طاہری، صفاری، سامانی غزنوی، سلجوقی مغل تیموری، صفوی، اور قاچاری ادوار کی تاریخ دی گئی ہے اور ہر دور کی ابتدا میں زبان وادب کی تاریخ بھی بیان کردی ہے اور تبصرہ کیا گیا ہے جس میں اس دور کے شعراء، ادباء،، علماء، اور مصنفین سبھی کو شامل کیا گیا ہے، ان کے کلام یا تخلیقات کے نمونے بھی دئے گئے ہیں۔ اردو پڑھنے والوں کے لئے یہ ایک مفید کتاب ہے۔

تعلیمات اسلامی اور مسیحی اقوام

قاری محمد طیب

قاری طیب صاحب نہ صرف دیو بند کی وجہ سے بلکہ اپنی ذاتی علمیت، خطابت اور اوصاف کی وجہ سے بھی مسلمانان ہند کی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ ان کی یہ کتاب ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی تھی پھر اس کا نقش ثانی پاکستان سے بھی شائع ہوا ،جو اس کتاب کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

یہ کتاب عیسائیت، یہودیت کی تعلیمات کا اسلامی تعلیمات سے موازنہ کرتی ہے اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کرتی ہے۔ اسلام کے خلاف یہودیت اور عیسائیت کی ریشہ دوانیاں جس طرح مسلمانوں کے ذہن کو متاثر، مفلوج کرتی ہیں مولانا نے اپنی کتاب میں اس سے پردہ اٹھایا ہے۔ مغربی تہذیب کی چمک دمک اس کے کھوکھلے پن کی وجہ سے ہے۔ انسانیت کا مداوا اس تہذیب میں نہیں بلکہ اس تہذیب میں ہے جس کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے۔ مولانا نے قرآن کی آیات اور عقلی دلائل سے اپنے مؤثر انداز میں ثابت کیا ہے کہ آج کی سسکتی ہوئی انسانت کا علاج صرف اور صرف اسلام کے پیش کیے ہوئے نسخے سے ممکن ہے دوسری طرف یہ کتاب مسلمانوں کو بھی جھنجوڑتی ہے جو خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور مغرب کی ترقی سے مرعوب ہو کر اپنے مذہب کی تعلیمات کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔

کتاب سادہ اور عام فہم ہے اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغ طلباء کے

لئے خاص طور سے بہت مفید ہے کیونکہ وہ نئی تعلیم سے متاثر ہو کر اپنے مذہب اور اپنی تہذیب سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں۔

حجاز و ماورائے حجاز (جلد دوم)

محمد عبدالملک عبدالقیوم خاں

اس سفرنامے کی پہلی جلد مدینہ منورہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے مصنف ایک غیر مقیم ہندوستانی ہیں جن کا قیام مدینہ منورہ میں رہتا ہے۔ موصوف کا سفرنامہ صرف انہیں کا سفرنامہ نہیں ہے بلکہ اس میں انھوں نے کئی دیگر سفرناموں اور مضامین کے پیوند لگا کر اپنی کتاب کو مزید مفید اور اس کے حلقہ مطالعہ و مشاہدہ کو اور وسیع بنادیا ہے۔ اس کتاب میں جو دیگر سفرنامے ملتے ہیں ان میں مولانا رفیع الدین مراد آبادی کے سفرنامہ کے کچھ اجزاء بھی مل جاتے، سفرنامہ میں کچھ دیگر شخصیات کا ذکر بھی ملتا ہے جیسے سلطان ضیاء الدین کی مختصر سوانح، خواجہ محمد زبیری صاحب کا مختصر تذکرہ جو حضرت مجدد الف ثانی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سفرنامہ میں فریڈرک کے سفرنامے کے بھی کچھ اجزاء شامل کرلئے گئے ہیں فریڈرک نے جو ایک غیر مسلم تھا چھپ کر حج کیا تھا۔ اس کا مقصد حج کی تفصیلات سے واقفیت تھا نیز مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے سفر حج کی بھی تفصیلات مل جاتی ہیں۔

کتاب میں ان کے علاوہ عرب کے مشہور قبائل، عرب ممالک کی مختصر جغرافیائی معلومات، خدیو عباس شاہ مصر کا اجمالی ذکر بھی ہے اور آخر میں مولانا محمد

علی جوہر کی سوانح بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے

ان تمام امور کے مجموعے نے کتاب کو بہت دلچسپ بنادیا ہے اور عرب قبائل و ممالک کی معلومات کے ساتھ قاری بہت سی دیگر چیزوں سے بھی واقف ہو تا جاتا ہے جن میں اس دور کے علماء اور ان مشہور ہستیوں کا ذکر بھی مل جاتا ہے جو اس وقت وہاں موجود تھیں۔ ان تمام چیزوں نے مل کر کتاب کو ایک انفرادی حیثیت دے دی ہے جس میں ایک سیاح کا مشاہدہ اور ایک داستان گو کا اظہار بیان، سبھی کچھ شامل ہے۔

کتاب میں صرف ۱۱۶ صفحات ہیں لیکن یہ کتاب دلچسپی سے خالی نہیں۔

خلاصہ سفر نامہ ابن بطوطہ

مولوی عبدالرحمان خاں

یہ سفر نامہ ابن بطوطہ کی اردو تلخیص ہے۔ سفر نامہ خود جتنا دلچسپ اور معلوماتی ہے اس کی تلخیص ویسی نہیں ہے۔ سفر نامہ کے مکمل اردو ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ بہر حال جو لوگ اس سفر نامہ کو مختصراً پڑھنا چاہتے ہوں یہ کتاب ان کی مدد کر سکتی ہے۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ تلخیص میں اصل سفر نامہ کی تمام ضروری تفصیلات کا اجمالی ذکر ہو جائے۔ اس سلسلہ میں وہ کامیاب بھی رہے ہیں۔ مصنف کے دیباچے اور ان کی تشریحات نے بہت سی کمیوں کو پورا کر دیا ہے کیونکہ اسی جگہ انھوں نے قدیم مسلمان سیاحوں کا تذکرہ بھی کر دیا ہے اور ابن بطوطہ کے عہد تک اسلامی دنیا جس نشیب و فراز سے گزر چکی تھی اس کا بھی مختصر

ذکر کر دیا ہے، اصل سفرنامے میں بہت سے نام آج کل کے قاری کے لئے نئے ہو سکتے ہیں۔ مصنف نے یہ بہت اچھا کیا کہ ان کی تشریح کر دی ہے اور ہر ملکی کی سیاحت تک کا نقشہ بھی دے دیا ہے، اس طرح اس کتاب کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ بعض تاریخی واقعات کا بیان ناگزیر تھا کیونکہ ان کے بغیر پوری باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اب ان کی جانب اشارہ کر دینے سے ہر بات واضح ہو جاتی ہے۔ واقعات کے بیان کرنے میں مصنف نے اپنی رائے بھی ظاہر کی ہے۔ ۲۴۰ صفحات کی یہ تلخیص ایک مفید کوشش ہے۔

صراط مستقیم

بیگم مولانا محمد عزیر

یہ ایک عیسائی خاتون کی سرگذشت ہے جو انگریزی زبان میں لکھی گئی تھی۔ مصنفہ، مولانا محمد عزیر صاحب کی اہلیہ ہیں۔ اسلام کی حقانیت اور اس منزل تک پہنچے میں ان کو جو ذہنی سفر طے کرنا پڑا ہے اس کے تفصیل درج کی گئی ہے کہ وہ کن ذہنی نشیب و فراز سے گزر کر اس منزل تک آئیں اور دین حق کی جستجو میں کامیاب ہوئیں۔ وہ لوگ جن کو دیدہ بینا اور قلب روشن عطا کئے جاتے ہیں ان سب کے ذہن میں یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ حق کیا ہے؟ خدا کیا ہے؟ یہی سوالات بیگم عزیر کے ذہن مین بھی اٹھے تھے اور بالآخر ان کو ان سوالات کے جواب مل گئے جس کی تفصیل انہوں نے اس سرگزشت میں دی ہے ساتھ ہی انھوں نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ ایک صحت مند معاشرہ کے لئے پاکیزگی، خدا پر ایمان،

انصاف پسندی اور خیر خواہی جیسی چیزیں بہت اہم ہیں۔ یہ کتاب ایک نو مسلم ذہن کی تخلیق ہے اس لئے اس کا فائدہ ایسے لوگوں کے لئے بہت زیادہ ہے، نیز وہ لوگ جو اشاعت دین کا کام کرتے ہیں، ان کی واقفیت بڑھانے کے لئے بھی یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

منار صدا

مرتبہ: عنوان چشتی

مفتی عتیق الرحمان صاحب کی ریڈیائی تقریروں کو عنوان چشتی صاحب نے ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ مفتی صاحب مرحوم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ان کی قومی و ملّی خدمات سب پر عیاں ہیں۔ ان کی علمی صلاحیتوں کو ان کی انتظامی مصروفیات کی وجہ سے اپنے جوہر دکھلانے کا موقع کم ملا، لیکن ندوۃ المصنفین کی نگرانی میں اس کو ایک علمی ادارہ بنانے میں انہیں صلاحیتوں کا ہاتھ ہے۔

کتاب کو موضوع کے لحاظ سے ٦ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے حصہ میں سیرت طیبہ اور میلاد النبی کی آٹھ تقریریں ہیں۔ دوسرے حصے میں ١٣ تقریریں ہیں جو حج، مناسک حج اور آثار و شواہد سے متعلق ہیں بعد کے حصوں میں عید الاضحیٰ پر ٩ تقریریں، عید الفطر پر ٤ تقریریں، اور شب برات پر ٣ تقریریں ہیں۔ ١٥ دیگر تقاریر آخر میں دی گئی ہیں جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان میں عشرہ محرم، حضرت امام حسین، شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی،

مخدوم صابر کلیری، درگاہ خواجہ معین الدین چشتی سلسلہ نقشبندیہ، مکاتیب مجدد الف ثانی، مسلم پرسنل لا، مذہبی رواداری، عرب و ہند کے ثقافتی و تجارتی تعلقات، نیز ہندوستان اور سیکولرزم کے علاوہ، دیوبند، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور پھر ندوۃ المصنفین شامل ہیں جن میں حضرت مفتی صاحب نے اپنے خاص انداز میں عام فہم اور دلنشیں پیرائے کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ریڈیائی تقریروں میں وقت کی پابندی ملحوظ کرنی ہوتی ہے اور مختصر وقت میں بہت سی باتیں کہنی ہوتی ہیں، یہ چیز بار بار محسوس ہوتی ہے لیکن مفتی صاب نے بڑے جامع طریقہ سے اپنی بات کہی ہے۔ ان کا ہر موضوع، کیا اپنے انتخاب اور کیا طرز ادا، ہر طرح سے مکمل نظر آتا ہے۔ یہ کتاب اور بالخصوص اس کی بعض تقریریں بار بار پڑھے جانے کے لائق ہیں۔

نیل سے فرات تک

اقبال انصاری

ندوالمصنفین کی مطبوعات میں تنوع بہت ہے۔ یہ سوچنا کہ یہ ادارہ صرف اسلامیات اور اسلامی تاریخ پر کتابیں شائع کرتا ہے غلط ہے۔ اس کی واضح مثال مذکورہ بالا کتاب ہے جو ایک طرح سے سفر نامہ بھی ہے اور مشرق وسطیٰ کی سماجی اور سیاسی تاریخ بھی۔

اصل میں یہ اقبال انصاری صاحب کے متعدد خطوط ہیں جو انھوں نے اپنے دوست سعید اختر صاحب کو اپنے مشرق وسطیٰ کے قیام کے دوران لکھے ہیں۔

زیادہ تر خطوط مصر سے لکھے گئے ہیں۔ باقی لبنان، شام، اردن، حجاز، بغداد اور یروشلم سے لکھے گئے ہیں۔ یروشلم والا خط کتاب کا آخری خط ہے جس میں اسرائیل کی تاریخ اور اس کے قیام کی کوششوں کا مفصل حال موجود ہے۔

یہ کتاب انہیں خطوط کا مجموعہ ہے اور ان میں عرب دنیا میں موجود ذہنی وسیاسی کشمکش ان کی تمناؤں، کامرانیوں اور ان کی معاشرت پر بہت اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۸۴ صفحات کی کتاب اردو خواں حلقے کو اس وقت کے حالات سے بہت اچھی واقفیت بہم پہنچاتی ہے۔

حوالہ وحواشی باب ہفتم

(i) فقہ کے میدان میں خدمات

۱۔ امینی مولانا محمد تقی، احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، صفحہ ۲۳، ۱۹۷۰ء ندوۃ المصنفین دہلی

۲ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۹ ایضا ایضا

۳ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۴۳ ایضاً ایضاً

۴ ایضاً ایضاً صفحہ ۲۵۶ ایضاً ایضاً

۵ امینی مولانا محمد تقی فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر صفحہ ۱۰۶، ۱۹۷۲ء

ایضاً بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول

۶ حوالہ بالا حوالہ بالا صفحہ ۱۸، ۱۹ ۱۹۷۲ء

ایضاً

(ii) اسلامی نظام کے میدان میں خدمات

۷ سیوہاروی مولانا حفظ الرحمٰن اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۱۴

۱۹۳۹ء ندوۃ المصنفین دہلی

۸ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۵ ایضاً

ایضاً

۹ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۵ ایضاً ایضا

۱۰ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۷، ۱۸ ایضاً ایضاً

۱۱ ایضاً ایضاً صفحہ ۲۲ ایضاً ایضاً

۱۲ ظفیر الدین محمد مولانا اسلام کا نظام وعفت وعصمت
صفحہ ۱۸ ۱۹۵۴ء ایضاً

۱۳ ایضاً ایضاً صفحہ ۲۸ ایضاً ایضاً

۱۴ ایضاً ایضاً صفحہ ۵۷تا۷۰ ایضاً ایضاً

۱۵ ایضاً ایضاً صفحہ ۷۲تا۹۰ ایضاً ایضاً

۱۶ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۱۰تا۱۳۰ ایضاً ایضاً

۱۷ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۵۳تا۲۰۴ ایضاً ایضاً

۱۸ امینی مولانا محمد تقی اسلام کا زرعی نظام سرورق کتاب ہذا ۱۹۵۵ء

۱۹ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۱ ایضاً ایضاً

۲۰ امینی مولانا محمد تقی عروج وزوال کا الٰہی نظام صفحہ ۱۱ ۱۹۶۰ء
ندوۃ المصنفین دہلی

۲۱ ایضاً ایضاً صفحہ ۱۳ ایضاً ایضاً

(iii) فلسفہ کے میدان میں

۲۲ الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر عبد الحیٔ خواجہ، صفحہ ۲۱۱، الجمعیۃ
پریس، دہلی، ۱۹۶۲ء

۲۳ خاں مولانا ماجد علی اسلام کا فلسفہ سیاسیات صفحہ ۷ ۱۹۷۸ء
ندوۃ المصنفین دہلی

۲۴۔ شور قادری حسن امام غزالی کا فلسفہ مذہب واخلاق ص ۴۳ تا ۴۱

۱۹۶۰ء ایضاً

۲۵۔ ایضاً ایضاً صفحہ ۷۵ تا ۸۱ ایضاً ایضاً

۲۶۔ مرتبہ مہدی جمیل مفتی عتیق الرحمٰن نمبر صفحہ ۱۰، ۱۹۸۷ء ایضاً

اختتامیہ

تقریباً نصف صدی پر محیط مدت میں ندوۃ المصنفین نے کم و بیش ڈیڑھ سو کتابیں شائع کیں۔ یہ منتظمین کے خلوص نیت کا نتیجہ تھا کہ انہیں ملک کے معتبر اہل قلم کا تعاون حاصل رہا، اور ادارہ سلسلہ ولی اللہی اور ہندوستان میں قلعہ اسلام" دیوبند" کے پاسبانوں کے جذبہ ایمانی کی بدولت علم و حکمت کی شمعیں روشن کرتا رہا ہے۔ ایسے ادارہ کے لئے جو افراد کے بجائے معنوی اولاد کی تخلیق و تشکیل کرتا رہے، نصف صدی کی مدت بہت ہوتی ہے، موجودہ صدی کے اس نصف ثانی میں جن اداروں نے ہندستانی مسلمانوں کو عزم و استقلال کی دولت عطا کی ہے، ان کے ایمان و یقین کی بنیادیں مضبوط کی ہیں اور ان میں قوت مدافعت پیدا کی ہے۔ ان میں ندوۃ المصنفین کا نام بھی ہے، اس کے ترجمان "برہان" کے شذرات، اس کی تاریخی کتب کے سلسلوں، اس کے احادیث کے منتخب مجموعوں، فقہ پر حالات و زمانہ کے تقاضہ کے مطابق اس کی کتابوں نے امت مسلمہ کی بہت زیادہ ذہنی تربیت کی ہے اور مسلمان زعماء اور قیادت کے فقدان اور اس کے خلاء کو اپنی کتابوں نے پر کیا ہے، افراد قوم کے پاؤں کو ثبات قدمی دی ہے، ان کے عقائد کی شیرازہ بندی کی ہے، ان کے شکست خوردہ ذہن کو زندگی اور توانائی دی ہے۔

پہلے باب سے آخری باب تک انہیں مندرجہ بالا کاوشوں کی تفصیل کو اکٹھا کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس تاریخ کو ضبط تحریر میں لانا ضروری تھا، ان کارناموں کو محفوظ کرنا لازمی تھا، آنے والی نسل کو اس کے اسلاف کی جانکاہی اور جانفشانی سے

واقف رکھنا واجب تھا کیونکہ مستقبل کی تعمیر ماضی کے اثاثے اور سرمائے پر ہوتی ہے۔ سخت جان قومیں اور تہذیبیں ماضی کی داستان اور اس کی دولت کے بغیر تہی دامن اور بے زمین ہو جاتی ہیں، پھر ہر سیلاب ان کو بہالے جاتا ہے اور ہر نئی "ازم" ان کو بے عزم کر دیتی ہے، جبہ ودستار پوش علماء سے اس ادارہ نے ایسی کتابیں لکھوالی ہیں جو آج کے جدید تعلیم یافتہ دانشوروں کے لئے چراغ راہ کا کام دیں گے لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ اپنی توانائیاں کھو چکا ہے اور یہ ہر ذی روح کی طرح اپنے شباب کی عمر سے گزر کر روبہ زوال اور مائل بہ انحطاط ہے، ان حالات میں ضرورت ہوتی ہے نئے مقاصد، نئے طریقۂ کار، نئے میدان عمل اور نئے خون کی، ہماری دعا ہے کہ ادارہ کو حیات نو ملے کہ ؎

اگر نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اب ادارہ کو پھر مفتی صاحب اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جیسے بے غرض، پر خلوص کارکنوں کی ضرورت ہے جو مادی فوائد سے بلند ہو کر قوم وملت اور علم و دانش کی خدمت انجام دیں۔

ندوۃ المصنفین کی شائع کردہ کتابوں میں بہت سی ایسی کتابیں ہیں جنہیں دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے۔

تاریخ سے متعلق کتابوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ندوۃ المصنفین نے تاریخ کی دیانتداری اور "علم" کے مقصد کو سامنے رکھا ہے یعنی اس نے قلم سے تالیف قلب کا کام لیا ہے اور مؤرخ کو جیسا انصاف پسند او معاشرہ و قوم کل کا صحیح خادم ہونا چاہیے اس کی تخلیقات کو جس طرح انسانیت کی خیر خواہی کرنی چاہیے

انہیں مقاصد کو سامنے رکھا گیا ہے۔ یہ کتابیں تہذیب و تاریخ کو آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہیں، ان میں کسی قوم، کسی معاشرہ یا کسی تہذیب کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ ان میں رواداری بقائے باہم اور یکجہتی کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی تاریخ کو مرتب کیا گیا ہے۔

تہذیب و اخلاق سے متعلق کتابوں میں بھی یہی شعوری کوشش نظر آتی ہے، ان کتابوں کا مقصد تطہیر ذہن نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ انسانیت کی اعلیٰ صفات پیدا کرنے والے اخلاق سے روشناس کرایا جائے اور ایسی تہذیب کی بنیاد سازی ہو جو تمام انسانوں کو انسانیت سے قریب کریں، انہیں "عالمی تہذیب" کی تشکیل کا سبق سکھایا گیا ہے۔ جو خالق کائنات کے احکام اور اس کی خواہشوں کے مطابق ہوں ایسی تہذیب جو انسان کو مادہ پرست یا مشین بنا دے یا ایسی تہذیب سے جو دوسری تہذیبوں کا استحصال کرے گریز کرنے کو کہا گیا ہے۔

یہی حال تفسیر و احادیث کی کتابوں کا بھی ہے جن میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی گئی ہے جس سے کسی کی دل آزاری ہو یا جس سے کسی کے خلاف دل میں نفرت پیدا ہے۔ خدا اور رسول کے احکام و اقوال کو انسانیت کی تعمیر کے لیے منتخب کیا گیا ہے، فلسفہ، تصوف، سماجیات اور سیاسات کے موضوعات میں بھی انہیں مقاصد کو اولیت دی گئی ہے ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ ندوۃ المصنفین کی ان قابل قدر مساعی کو یکجا کر دیا جائے۔

کتابیات و مطبوعات

ندوۃ المصنفین نے اسلامی علوم کے کم و بیش ہر پہلو سے متعلق کتابیں شائع کی ہیں، ان کی مجموعی تعداد کو ہم نے موضوعات کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے اور ان کتب کی مدد سے اپنے مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا ہے۔

تفسیر و علوم قرآنی میں ندوۃ المصنفین کی خدمات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سنہ اشاعت
۱	اخبار التنزیل	مولانا محمد اسماعیل سنبھلی	۱۹۷۲ء
۲	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	مترجم رشید احمد انصاری	
۳	بصائر	خواجہ عبدالحیٔ فاروقی	۱۹۴۹ء
۴	تدوین قرآن	مرتبہ غلام ربانی	۱۹۵۱ء
۵	تفسیر مظہری اردو جلد اول	قاضی ثناء اللہ پانی پتی مترجم عبدالدائم جلالی	۱۹۶۱ء
۶	دوم	"	۱۹۶۲ء
۷	سوم	"	۱۹۶۳ء
۸	چہارم	"	۱۹۶۴ء
۹	پنجم	"	۱۹۶۶ء
۱۰	ششم	"	۱۹۶۷ء

۱۱	ہفتم	〃	۱۹۶۸ء
۱۲	ہشتم	〃	۱۹۶۹ء
۱۳	نہم	〃	۱۹۷۰ء
۱۴	دہم	〃	۱۹۷۱ء
۱۵	یازدہم	〃	۱۹۷۳ء
۱۶	دوازدہم	〃	۱۹۷۵ء
۱۷	سیزدہم	〃	۱۹۷۶ء
۱۸	حکمت قرآن	مولانا تقی احمد امینی	۱۹۷۲ء
۱۹	فہم قرآن	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	۱۹۴۰ء
۲۰	قصص القرآن جلد اول	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی	۱۹۴۱ء
۲۱	دوم	ایضا	۱۹۴۳ء
۲۲	ایضا سوم	ایضا	۱۹۴۴ء
۲۳	ایضا چہارم	ایضا	۱۹۴۵ء
۲۴	قرآن اور تعمیر سیرت	ڈاکٹر میر ولی الدین	۱۹۵۳ء
۲۵	کنوز القرآن	قاضی مظہر الدین بلگرامی	۱۹۶۰ء
۲۶	مکمل لغات القرآن جلد اول	مولانا عبد الرشید نعمانی	
		مولانا عبد الدائم جلالی	۱۹۴۳ء
۲۷	جلد دوم		۱۹۴۴ء

۲۸۔	سوم	ایضا	۱۹۴۷ء
۲۹۔	چہارم	ایضا	۱۹۵۱ء
۳۰۔	پنجم	ایضا	۱۹۵۷ء
۳۱۔	وحی الٰہی	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	۱۹۴۱ء

حدیث و علوم حدیث میں ندوۃ المصنفین کی خدمات

۳۲	اسوہ حسنہ جلد اول	مولانا بدر عالم مدنی میرٹھی	۱۹۵۹ء
۳۳	العلم والعلما، ابن عبد البر	مترجم عبد الرزاق ملیح آبادی	۱۹۵۴ء
۳۴	انتخاب الترغیب والترہیب جلد اول	المنذری مترجم مولانا طارق عبد اللہ	۱۹۷۲ء
۳۵	ایضا دوم	ایضا	۱۹۷۵ء
۳۶	جلد سوم	ایضا	۱۹۷۷ء
۳۷	چہارم	ایضا	۱۹۸۱ء
۳۵	ترجمان السنۃ جلد اول	مولانا بدر عالم میرٹھی	۱۹۴۶ء
۳۶	ایضا دوم	ایضا	۱۹۴۸ء
۳۷۔	سوم	ایضا	۱۹۵۶ء
۳۸۔	چہارم	ایضا	۱۹۶۷ء
۳۹۔	تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق	مولانا احتشام الحسن کاندھلوی	۱۹۷۱ء
۴۰۔	حدیث کا درایتی معیار	مولانا محمد تقی امینی	۱۹۸۰ء

۴۱۔ زادالمعاد سیرۃ خیر العباد جلد دوم، قاضی زین العابدین میرٹھی ۱۹۷۶ء

۴۲۔ کتاب حدیث مولانا منت اللہ رحمانی ۱۹۵۲ء

۴۳۔ مآثر و معارف قاضی اطہر مبارکپوری ۱۹۷۵ء

۴۴۔ مکارم اخلاق جلد دوم مترجم میر ولی الدین ۱۹۷۴ء

تاریخ اسلام کے باب میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

۴۴۔ آثار و اخبار قاضی اطہر مبارکپوری ۱۹۸۶ء

۴۵۔ ایشیا میں آخری نو آبادیات مترجم اسرار احمد آزاد ۱۹۶۵ء

۴۶۔ اسلامی کتب خانے حاجی محمد زبیر ۱۹۶۱ء

۴۷۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں، ڈاکٹر خورشید احمد فارق ۱۹۶۱ء

۴۸۔ اشاعت اسلام مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ۱۹۵۰ء

۴۹۔ تاریخ ملت حصہ اول قاضی زین العابدین میرٹھی ۱۹۴۰ء

۵۰۔ ایضاً دوم، سوم، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳ء

۵۱۔ ایضاً چہارم مفتی انتظام اللہ شہابی ۱۹۴۸ء

۵۲۔ تاریخ ملت حصہ پنجم مفتی انتظام اللہ شہابی ۱۹۴۸ء

۵۳۔ ششم ایضاً ۱۹۴۹ء

۵۴۔ ہفتم ایضاً ۱۹۵۰ء

۵۵۔ ہشتم ایضاً ۱۹۵۱ء

۵۶۔ نہم ایضاً ۱۹۵۴ء

۵۷۔ دہم ایضاً ۱۹۵۵ء

۵۸۔ یازدہم ایضاً ۱۹۵۷ء

۵۹۔ تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر، مولوی عبدالرحمان خاں ۱۹۵۲ء

۶۰۔ تاریخ الردّہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق ۱۹۶۴ء

۶۱۔ تاریخ الفخری مترجم مولوی محمود علی خاں بھوپالی ۱۹۶۹ء

۶۲۔ تاریخ طبری کے ماخذ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ۱۹۷۹ء

۶۳۔ تاریخی مقالات ڈاکٹر خلیق احمد نظامی ۱۹۶۶ء

۶۴۔ تہذیب کی تشکیل جدید مولانا تقی امینی ۱۹۷۳ء

۶۵۔ حضرت ابو بکرؓ کے سرکاری خطوط ڈاکٹر خورشید احمد فارق ۱۹۶۰ء

۶۶۔ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ایضاً ۱۹۵۹ء

۶۷۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ایضاً ۱۹۶۴ء

۶۸۔ خلافت عباسیہ اور ہندوستان قاضی اطہر مبارک پوری ۱۹۸۴ء

۶۹۔ خلفاء راشدین اور اہل بیت کرام کے تعلقات (زمخشری) مترجم
مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ۱۹۵۶ء

۷۰۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان قاضی اطہر مبارک پوری ۱۹۷۱ء

۷۱۔ خلافت امویہ اور ہندوستان ایضاً ۱۹۷۴ء

۷۲۔ عرب دنیا مولوی محی الدین ۱۹۶۱ء

۷۳۔ عثمان ذوالنورین مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۱۹۸۳ء

۷۴۔ عرب اور اسلام پی کے ہٹی مترجم مبارز الدین رفعت ۱۹۵۱ء

۷۵۔ عرب و ہند عہد رسالت میں قاضی اطہر مبارک پوری ۱۹۶۴ء
۷۶۔ عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان ڈاکٹر خورشید احمد فارق ۱۹۷۲ء
۷۷۔ غلامان اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۱۹۴۰ء
۷۸۔ قرون اولیٰ کا ایک مدبر ڈاکٹر خورشید احمد فارق۔
۷۹۔ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات مولوی عبدالرحمٰن خاں ۱۹۴۹ء
۸۰۔ مسلمانوں کی بحری سرگرمیاں ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی ۱۹۷۶ء
۸۱۔ مسلمانوں کا عروج وزوال مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۱۹۴۴ء
۸۲۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۹۵۳ء
۸۳۔ معارف الآثار کرنل خواجہ عبدالرشید ۱۹۶۳ء

(ب) ہندوستان سے متعلق

۸۴۔ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ قاضی اطہر مبارک پوری ۱۹۶۸ء
۸۵۔ تاریخ ہند پر نئی روشنی ڈاکٹر خورشید احمد فارق ۱۹۶۱ء
۸۶۔ تاریخ گجرات ابو ظفر ندوی ۱۹۵۷ء
۸۷۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، سید خورشید مصطفیٰ رضوی ۱۹۵۹ء
۸۸۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ مرتبہ خلیق احمد نظامی ۱۹۵۹ء
۸۹۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر پروفیسر محمد اسلم ۱۹۶۹ء
۹۰۔ دیار پورب میں علم اور علماء قاضی اطہر مبارک پوری ۱۹۷۸ء
۹۱۔ سرکشی ضلع بجنور، سرسید احمد خاں مرتبہ شرافت حسین مرزا ۱۹۶۴ء

۹۳۔ سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات پروفیسر خلیق احمد نظامی ۱۹۵۰ء

۹۴۔ علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول مولانا سید محمد میاں ۱۹۶۳ء

۹۵۔ ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ایضاً ۱۹۶۴ء

۹۶۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں قاضی اطہر مبارک پوری ۱۹۶۶ء

صوفیاء و تصوف کے میدان میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

۹۷۔ امداد المشتاق مولانا اشرف علی تھانوی ترتیب نثار احمد فاروقی ۱۹۸۱ء

۹۸۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج ڈاکٹر میر ولی الدین ۱۹۷۱ء

۹۹۔ تاریخ مشائخ چشت جلد اول پروفیسر خلیق احمد نظامی ۱۹۵۳ء

۱۰۰۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ایضاً ۱۹۷۳ء

۱۰۱۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ڈاکٹر میر ولی الدین ۱۹۶۶ء

۱۰۲۔ رموز عشق ڈاکٹر میر ولی الدین ۱۹۶۶ء

۱۰۳۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط پروفیسر خلیق انجم ۱۹۶۱ء

۱۰۴۔ مرقومات امدادیہ مترجم مولانا وحید الدین رامپوری ۱۹۷۸ء

۱۰۵۔ قرآن اور تصوف ڈاکٹر میر ولی الدین ۱۹۴۵ء

۱۰۶۔ وحدۃ الوجود عبد العلی فرنگی محلی مترجم ابو الحسن زید فاروقی ۱۹۸۸ء

دیگر علوم اسلامی کے میدان میں ندوۃ المصنّفین کی خدمات

(i) فقہ کے میدان میں

۱۰۷۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت مولانا محمد تقی امینی ۱۹۷۰ء

۱۰۸۔ تاریخ علم فقہ مولانا عمیم الاحسان ۱۹۵۵ء

۱۰۹۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فقہ محترمہ حنیفہ رضی ۱۹۶۷ء

۱۱۰۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر مولانا محمد تقی امینی ۱۹۷۲ء

۱۱۱۔ لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر مولانا محمد تقی امینی ۱۹۶۵ء

۱۱۲۔ ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ مولانا سید عقیل احمد ۱۹۳۹ء

(ii) اسلامی نظام کے میدان میں

۱۱۳۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۱۹۳۹ء

۱۱۴۔ اسلام کا اقتصادی نظام مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۱۹۳۹ء

۱۱۵۔ اسلام کا نظام حکومت مولانا حامد الانصاری غازی ۱۹۴۴ء

۱۱۶۔ اسلام کا نظام مساجد مولانا محمد ظفیر الدین ۱۹۵۰ء

۱۱۷۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت مولانا محمد ظفیر الدین ۱۹۵۴ء

۱۱۸۔ اسلام کا زرعی نظام مولانا محمد تقی امینی ۱۹۵۵ء

۱۱۹۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام مولانا محمد تقی امینی ۱۹۶۰ء

۱۲۰۔ مسلمانوں کا نظم مملکت مولانا سید ابراہیم حسن ۱۹۴۷ء

۱۲۱۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول مولانا مناظر حسن گیلانی ۱۹۴۴ء

۱۲۲۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد دوم ایضاً ۱۹۶۵ء

(iii) فلسفہ کے میدان میں

۱۲۳۔ اخلاق و فلسفہ اخلاق مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۱۹۴۰ء

۱۲۴۔	اسلام کا فلسفہ سیاسیات	مولوی ماجد علی خان	۱۹۷۸ء
۱۲۵۔	امام غزالی کا فلسفہ مذہب واخلاق	سید حسین قادری شور	۱۹۶۰ء
۱۲۶۔	فلسفہ کیا ہے	ڈاکٹر میر ولی الدین	۱۹۵۲ء

(IV) شخصیات کے میدان

۱۲۷۔	الانور	مرتبہ عبدالرحمٰن کوندو	۱۹۷۷ء
۱۲۸۔	برہان کا مفکر ملت نمبر (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نمبر)	مرتبہ جمیل مہدی	۱۹۸۷ء
۱۲۹۔	تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی	مترجم ابو ظفر ندوی	۱۹۵۵ء
۱۳۰۔	حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی	پروفیسر خلیق احمد نظامی	۱۹۵۴ء
۱۳۱۔	حیات ذاکر حسین	خورشید مصطفیٰ رضوی	۱۹۶۹ء
۱۳۲۔	حیات عبدالحیٔ	مولانا سید ابوالحسن ندوی	۱۹۷۰ء
۱۳۳۔	میر کی آپ بیتی	مرتبہ نثار احمد فاروقی	۱۹۸۹ء

(V) سفرنامے اور متفرقات

۱۳۴۔	تاریخ ادبیات ایران	مترجم مبارزالدین رفعت	۱۹۵۵ء
۱۳۵۔	تعلیمات اسلامی اور مسیحی اقوام	قاری طیب	۱۹۳۹ء
۱۳۶۔	حجاز ماوراء حجاز جلد دوم	محمد عبدالملک عبدالقیوم خان	۱۹۸۵ء
۱۳۷۔	خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ	مولوی عبدالرحمٰن خاں	۱۹۴۶ء
۱۳۸۔	صراط مستقیم (The Balanced Way)	بیگم مولانا عزیز	۱۹۵۰ء

۱۴۹ا۔ منار صدا مرتبہ عنوان چشتی ۱۹۸۱ء

۱۵۰ا۔ نیل سے فرات تک اقبال انصاری ۱۹۶۲ء

☆ ☆ ☆

دیگر اداروں کی مطبوعات

۱ تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم مرتبہ محبوب رضوی دارالعلوم دیوبند ۱۹۷۸ء

۲ ہندوستانی مفسرین کی عربی تفسیریں، ڈاکٹر سالم قدوائی مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۳ء

رسائل

۱ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نمبر (برہان) ۱۹۸۷ء ندوۃ المصنفین دہلی

۲ مجاہد ملت نمبر (الجمعیۃ) ۱۹۶۲ء الجمعیۃ پریس دہلی

۳	معارف	جون ۱۹۸۵ء	اعظم گڑھ
۴	معارف	مئی ۱۹۹۱ء	اعظم گڑھ
۵	برہان	اپریل ۱۹۹۱ء	ندوۃ المصنفین دلی
۶	الفرقان	نومبر ۱۹۶۵ء	لکھنؤ
۷	معارف	ستمبر ۱۹۷۳ء	اعظم گڑھ
۸	معارف	اگست ۱۹۵۲ء	اعظم گڑھ
۹	معارف	نومبر ۱۹۵۰ء	اعظم گڑھ
۱۰	معارف	جنوری ۱۹۶۹ء	اعظم گڑھ
۱۱	معارف	مارچ ۱۹۵۴ء	اعظم گڑھ

۱۲	معارف	مارچ ۱۹۵۸ء	اعظم گڑھ
۱۳	الفرقان	جولائی ۱۹۵۹ء	لکھنؤ
۱۴	برہان	اکتوبر ۱۹۶۱ء	ندوۃ المصنفین دہلی
۱۵	معارف	اپریل ۱۹۸۷ء	اعظم گڑھ
۱۶	معارف	اکتوبر ۱۹۴۹ء	اعظم گڑھ
۱۷	معارف	نومبر ۱۹۵۹ء	اعظم گڑھ
۱۸	الفرقان	ستمبر ۱۹۵۷ء	اعظم گڑھ
۱۹	برہان	ستمبر ۱۹۷۹ء	اعظم گڑھ
۲۰	اسلام اور عصر جدید	مارچ ۱۹۸۲ء	دہلی
۲۱	معارف	اپریل ۱۹۸۱ء	اعظم گڑھ
۲۲	برہان	جولائی ۱۹۷۵ء تا جنوری ۱۹۷۶ء	ندوۃ المصنفین دہلی
		اپریل ۱۹۷۶ء تا جون ۱۹۷۶ء	
۲۳	معارف	اگست ۱۹۶۹ء	اعظم گڑھ
۲۴	اسلام اور عصر جدید	جلد ۳ شمارہ ۱، ۱۹۷۱ء	دہلی
۲۵	برہان	فروری ۱۹۷۹ء	دہلی
۲۶	الفرقان	دسمبر ۱۹۶۰ء	لکھنؤ
۲۷	معارف	جلد ۸۲ شمارہ ۲، ۱۹۵۸ء	اعظم گڑھ
۲۸	المعارف	نومبر، دسمبر ۱۹۵۸ء	حیدر آباد
۲۹	معارف	دسمبر ۱۹۵۳ء	اعظم گڑھ

۳۰	معارف	فروری ۱۹۴۷ء	اعظم گڑھ
۳۱	معارف	نومبر ۱۹۶۵ء	اعظم گڑھ

☆ ☆ ☆